12

معاشیات

ACADEMIC YEAR 2016-17

A18988427

2016-17

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

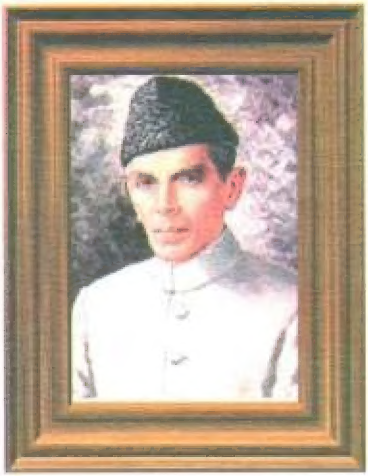

”تعلیم پاکستان کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ دُنیا اتنی تیزی سے ترقی کر رہی ہے کہ تعلیمی میدان میں مطلوبہ پیش رفت کے بغیر ہم نہ صرف اقوامِ عالم سے پیچھے رہ جائیں گے بلکہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا نام و نشان ہی صفحۂ ہستی سے مٹ جائے“

قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ، بانیِ پاکستان
(26 ستمبر 1947ء - کراچی)

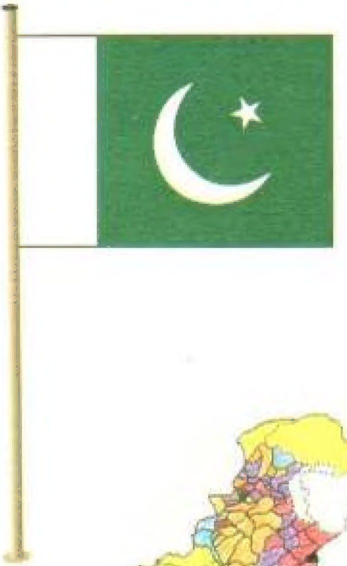

قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد کشورِ حسین شاد باد
تُو نشانِ عزمِ عالی شان ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد
پاک سرزمین کا نظام قوّتِ اخوّتِ عوام
قوم مُلک سلطنت پایندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مُراد
پرچمِ ستارہ و ہلال رہبرِ ترقّی و کمال
ترجمانِ ماضی، شانِ حال جانِ استقبال
سایۂ خدائے ذُوالجلال

677

جعلی کُتب کی روک تھام کے لیے پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ کی درسی کُتب کے سرورق پر ایک حفاظتی تمغونی نشان چسپاں کیا گیا ہے۔ خاص انداز سے حرکت دینے پر اس حفاظتی نشان میں موجود مونو گرام کا نارنجی رنگ، سبز رنگ میں تبدیل ہو جاتا ہے اور اس کے گرد ادارہ ہذا کا نام چمکدار لال رنگ میں لکھا نظر آتا ہے۔ مزید برآں اس کے نیچے کے دونوں کونوں پر موجود سفید پٹی کو سکے سے کُھرچنے پر ”PCTB“ لکھا ظاہر ہوتا ہے۔ یہ ”خاص نشان“ پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ کی اصلی کُتب کی تصدیق کرتا ہے۔ درسی کُتب خریدتے وقت یہ حفاظتی نشان ضرور دیکھیں۔ اگر کسی کتاب پر یہ نشان موجود نہ ہو یا اس کو جعلی طور پر تبدیل کیا گیا ہو تو ایسی کتاب ہرگز نہ خریدیں۔

معاشیات

12

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

جملہ حقوق بحق پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور محفوظ ہیں۔

تیار کردہ: پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ۔ لاہور

منظور کردہ: وفاقی وزارتِ تعلیم (شعبہ نصاب سازی) حکومتِ پاکستان، اسلام آباد

بمطابق مراسلہ No.F.1-9/2006-Eco-XII (Pb) مورخہ 2 دسمبر 2006ء

اس کتاب کا کوئی حصہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اسے ٹیسٹ پیپرز، گائیڈ بکس، خلاصہ جات، نوٹس یا امدادی کتب کی تیاری میں استعمال کیا جاسکتا ہے

فہرست

ابواب	عنوانات	صفحہ نمبر	ابواب	عنوانات	صفحہ نمبر
باب 1	قومی آمدنی	1	باب 9	مواصلات، ذرائع آمدورفت اور انسانی ذرائع کی ترقی	156
باب 2	زر	20	باب 10	پاکستان کا بنکاری نظام	175
باب 3	بنک	45	باب 11	حکومتِ پاکستان کے مالیات	194
باب 4	سرکاری مالیات	69	باب 12	پاکستان کی تجارتِ خارجہ	207
باب 5	بین الاقوامی تجارت	86	باب 13	اسلام کا معاشی نظام	224
باب 6	پاکستان کی معیشت کا تعارف	106	☆☆	معروضی سوالات کے جوابات	244
باب 7	پاکستان کی قومی آمدنی	115	☆☆	فرہنگ (Glossary)	251
باب 8	معاشی ترقی و منصوبہ بندی	132	☆☆	حوالہ جات (References)	254

مصنفین:۔ ◉ ڈاکٹر میاں محمد اکرم، ہیڈ آف اکنامکس ڈیپارٹمنٹ، گورنمنٹ کالج آف سائنس، وحدت روڈ، لاہور

◉ محمود احمد چوہدری، ایم فل (اکنامکس) ہیڈ آف اکنامکس ڈیپارٹمنٹ، کریسنٹ ماڈل کالج، شادمان، لاہور

ایڈیٹر:۔ ◉ روبینہ قمر قریشی

ڈائریکٹر انسانیات:۔ ◉ مسز شاہدہ جاوید

زیرِ نگرانی:۔ ◉ رانا محمد اکرم ◉ اصغر علی گل

لے آؤٹ:۔ ◉ کامران افضال

ناشر: سیف بک ہاؤس، لاہور   مطبع: قدرت اللہ پرنٹرز، لاہور

تاریخ اشاعت	ایڈیشن	طباعت	تعداد	قیمت
جون 2016	اول	16	10,000	95.00

باب 1

(NATIONAL INCOME) قومی آمدنی

معاشرے میں مختلف افراد معاشی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں۔ اشیاوخدمات پیدا کرتے ہیں اور اسی پیداواری عمل میں حصہ لے کر اپنے لئے آمدنیاں حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح کسی ملک کے لوگ اپنے سرمائے، قدرتی وسائل اور افرادی ذرائع کو بروئے کار لا کر کسی معین عرصہ میں اشیاوخدمات کی ایک خاص مقدار پیدا کرتے ہیں۔ اشیاوخدمات کی وہ مقدار جو ایک سال کے عرصہ میں پیدا کی جاتی ہے اسے قومی آمدنی (National Income) کہتے ہیں۔

1.1 قومی آمدنی کی تعریف (Definition of National Income)

مختلف ماہرین معاشیات نے قومی آمدنی کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:۔

(الف) پروفیسر گارڈنر ایکلے (Gardner Ackley) قومی آمدنی کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

''ایک فرد کی آمدنی سے مراد اس کے وہ مکسوبات (کمائی) ہیں جو اس کی اپنی اور اپنی جائیداد کی پیداواری خدمات کے عوض حاصل ہوں لہٰذا قومی آمدنی کسی ملک کے تمام افراد کی آمدنیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔''

(ب) پروفیسر پیگو (Pigou) نے قومی آمدنی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"National Income is that part of the objective income of the community including, of course,income derived from abroad, which can be measured in money".

''قومی آمدنی قوم کی معروضی آمدنی کے اس حصہ پر مشتمل ہوتی ہے جسے زر کے پیمانے سے ماپا جا سکے۔ اس میں بیرونی ملک سے حاصل کردہ آمدنی بھی شامل ہوتی ہے''۔

پروفیسر پیگو نے قومی آمدنی میں صرف مادی نوعیت کی اشیا یعنی صنعتی وزرعی پیداوار کو شامل کیا ہے جبکہ غیر مادی نوعیت کی خدمات مثلاً پروفیسر، انجینئر، ڈاکٹر وغیرہ کی خدمات کو نظر انداز کر دیا۔ مزید برآں پروفیسر پیگو کے مطابق قومی آمدنی میں صرف وہ اشیا شامل کی جاتی ہیں جو کہ مارکیٹ میں خرید وفروخت کے لیے لائی جائیں۔ گویا جو اشیا براہ راست استعمال کر لی جائیں اور بازار میں فروخت کے لئے پیش نہ کی جائیں ان کی مالیت قومی آمدنی میں شامل نہ ہوگی۔ پروفیسر پیگو کی اس تعریف پر اکثر ماہرین معاشیات نے اعتراض کیا ہے۔

(ج) پروفیسر الفرڈ مارشل (Alfred Marshall) قومی آمدنی کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

"Labour and capital of a country acting on its natural resources, produce annually a certain 'net' aggregate of commodities, material and immaterial, including services of all kinds".

''کسی ملک میں محنت وسرمایہ قدرتی وسائل کو استعمال میں لا کر اشیاوخدمات کی مقدار کا ایک خالص مجموعہ پیدا کرتے ہیں یہی اس قوم کی قومی آمدنی کہلاتی ہے''۔

د۔ پروفیسر فشر (Fisher) کی قومی آمدنی کی تعریف حسب ذیل ہے:

National Income refers "Solely to services received by ultimate consumers, whether from their material or human environment".

''اشیاوخدمات کی وہ مقدار جو صارفین ایک سال کے عرصہ میں صرف کرتے ہیں خواہ وہ جاری ذرائع سے حاصل ہوں یا انسانی، قومی آمدنی کہلاتی ہے''۔

ماہر اقتصادیات جے۔آر۔ہکس (J.R. Hicks) نے قومی آمدنی کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا۔

''قومی آمدنی اشیاوخدمات کے اس حصے پر مشتمل ہوتی ہے۔جس کی مالیت زر کے پیمانے پر لگائی گئی ہو''۔

درج بالا تعریفوں کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہے کہ پروفیسر مارشل کی تعریف زیادہ جامع اور قابل قبول ہے۔وہ آمدنی میں مادی دولت کے ساتھ ساتھ غیر مادی خدمات کو بھی شامل کرتے ہیں۔اسی طرح تجارت خارجہ سے حاصل ہونے والی آمدنی کو بھی قومی آمدنی میں شمار کرتے ہیں جبکہ ایسا کرتے ہوئے وہ اشیاوخدمات کی پیداوار کے خالص مجموعہ (Net Aggregate) کی بات کرتے ہیں۔جس سے مراد ہے کہ قومی آمدنی کا حساب کرتے ہوئے اشیاوخدمات کی مجموعی پیداوار سے شکست وریخت پر اُٹھنے والے اخراجات منہا کردیئے جائیں۔

ان تمام تعریفوں سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ قومی آمدنی سے مراد ایک سال کے عرصہ میں اشیاوخدمات کی پیدا کردہ مقدار کی مجموعی مالیت ہے۔اس میں بیرون ملک سے حاصل ہونے والی آمدنی (Net factor Income from abroad) بھی شامل ہوتی ہے۔دوسرے الفاظ میں کسی ملک کے عاملین پیدائش کو ایک سال کے دوران حاصل ہونے والے تمام معاوضوں کے مجموعہ کو قومی آمدنی کہا جاتا ہے جبکہ اس مجموعے میں انتقالی ادائیگیوں (Transfer Payments) کو شمار نہیں کیا جاتا۔

1.2 قومی آمدنی کے مختلف تصورات (Different Concepts of National Income)

ماہرین معاشیات نے قومی آمدنی کے مختلف تصورات پیش کئے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

1۔ خام ملکی یا داخلی پیداوار (Gross Domestic Product)
2۔ خام یا مجموعی قومی پیداوار (Gross National Product)
3۔ خالص قومی پیداوار (Net National Product)
4۔ قومی آمدنی (National Income)
5۔ شخصی یا ذاتی آمدنی (Personal Income)
6۔ قابل تصرف شخصی آمدنی (Disposable Personal Income)

ان تمام تصورات کی الگ الگ تفصیلات بیان کی جاتی ہیں۔

1- خام ملکی یا داخلی پیداوار (GDP)

خام ملکی یا داخلی پیداوار سے مراد کسی ملک کی جغرافیائی حدود کے اندر ایک سال کے دوران اپنی زمین، محنت، سرمائے اور دیگر

وسائل کی مدد سے حتمی اشکال میں پیدا کردہ اشیا وخدمات کی زری مالیت کا مجموعہ ہے۔ گویا خام ملکی پیداوار، کسی ملک میں تمام صرفی اشیا کی مالیت (C)، سرمایاتی اشیا کی سرمایہ کاری (I)، اشیا وخدمات پر سرکاری سرمایہ کاری (G) اور دیگر ممالک کو برآمد ہونے والی صافی درآمدو برآمد کی مالیت (X-M) کے مجموعہ کے برابر ہوتی ہے۔

"GDP equals the sum of the money values of all consumption, Investment goods, Government purchases and net exports to other lands".

لہٰذا خام ملکی پیداوار = صرف + سرمایہ کاری + حکومت کے اخراجات + برآمدات - درآمدات

$$GDP = C + I + G + X - M$$

خام ملکی پیداوار کی کل مالیت کو بازار میں مروجہ قیمتوں (Market Prices) پر معلوم کرنے کے لیے ایک سال کے دوران ملک کے اندر پیدا ہونے والی تمام حتمی اشیا وخدمات کی بازاری قیمت جمع کی جاتی ہے جبکہ بازاری قیمتوں کے لحاظ سے معلوم شدہ خام ملکی پیداوار میں سے اگر بالواسطہ ٹیکس (Indirect Tax) منہا اور اعانے (Subsidy) جمع کردیئے جائیں تو عاملینِ پیدائش پر آنے والے اخراجات کے لحاظ سے خام ملکی پیداوار (بلحاظ مصارفِ عامل) معلوم ہو جاتی ہے۔

خام ملکی پیداوار (بلحاظ عاملینِ پیدائش کے مصارف) = بازاری قیمتوں کے لحاظ سے مجموعی یا خام ملکی پیداوار منفی بالواسطہ ٹیکس جمع اعانے

$$GDP \text{ at factor cost} = C + I + G + (X-M) - \text{Indirect Taxes} + \text{Subsidies}$$

یاد رہے کہ زری یا ظاہری مجموعی ملکی پیداوار (Nominal GDP) ایک سال میں پیدا ہونے والی اشیا وخدمات کی زری مالیت کو متعلقہ سال میں رائج بازاری قیمتوں (Market Prices) کے لحاظ سے شمار کیا جاتا ہے، لیکن حقیقی خام ملکی پیداوار (Real GDP) زری قیمتوں میں ہونے والے تغیرات کے اثرات زائل کرکے GDP کو ساکن قیمتوں (Constant Prices) کے لحاظ سے معلوم کیا جاتا ہے۔

2- خام یا مجموعی قومی پیداوار (GNP)

اس سے مُراد کسی ملک میں ایک سال کے عرصہ میں پیدا ہونے والی تمام تیار شدہ اشیا وخدمات کی حتمی زری مالیت ہے۔

پال اے سیموئل سن (Paul A. Samuelson) کے نزدیک:

خام قومی پیداوار کسی ملک کے اپنے ملکیتی عاملینِ پیدائش کی ایک سال میں پیدا کردہ تمام اشیا وخدمات کی مروجہ بازاری قیمتوں پر حاصل شدہ مالیت کا نام ہے، لہٰذا مجموعی یا خام قومی پیداوار میں درج ذیل مدات شامل ہوتی ہیں۔

(الف) زرعی اجناس مثلاً گندم، چاول، سبزیاں، دالیں، پھل وغیرہ۔

(ب) صنعتی پیداوار مثلاً کپڑا، سیمنٹ، کھاد، مشینی آلات، چینی وغیرہ۔

(ج) عاملین کی خدمات مثلاً اساتذہ، ڈاکٹرز، انجینئرز، وکیل، مزدور وغیرہ۔

(د) اور متفرق اداروں کی خدمات مثلاً بنکاری، ریلوے، پی آئی اے، واپڈا، مواصلات وغیرہ، چونکہ مختلف اشیا کی پیمائش کے مختلف

پیمانے ہوتے ہیں اس لیے آسانی کے لیے موزوں اور معیاری طریقہ کار زری مالیت (Monetary Value) کو اشیاوخدمات کی پیمائش کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔لہٰذا کسی ملک میں تمام اشیاوخدمات کی زری مالیت بشمول بیرون ممالک سے پاکستانیوں کی بھیجی ہوئی رقوم خام قومی پیداوار کہلاتا ہے۔

خام قومی پیداوار = خام ملکی یا داخلی پیداوار + بیرونِ ممالک پاکستانیوں کی بھیجی ہوئی رقوم

3- خالص قومی پیداوار (NNP)

خام قومی پیداوار (GNP) میں سرمائے کی فرسودگی یا شکست وریخت (Depreciation Allowances) کے اخراجات بھی شامل ہوتے ہیں۔اگر ان اخراجات کو خام قومی پیداوار سے منفی کردیں تو باقی خالص قومی پیداوار حاصل ہوگی۔

لہٰذا خالص قومی پیداوار = خام قومی پیداوار۔فرسودگی یا شکست وریخت کے اخراجات

NNP = GNP - Depreciation Allowances

جب کسی ملک میں اشیائے سرمایہ استعمال میں آتی ہیں تو ان میں ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے یا پرانی اور فرسودہ ہونے کی وجہ سے ان کی قدرو قیمت کم ہوجاتی ہے یہی فرسودگی کے اخراجات کہلاتے ہیں جو کہ قومی پیداوار میں کمی کا سبب بنتے ہیں۔مثال کے طور پر ایک مشین ایک لاکھ روپے کی آتی ہے اور وہ دس سال تک کام کرتی ہے اس کے بعد وہ بے کار ہوجاتی ہے اس لئے اس کی قدرو قیمت میں ہر سال دس ہزار روپے کی کمی واقع ہوگی جس سے قومی آمدنی بھی کم ہوگی۔لہٰذا خالص پیداوار حاصل کرنے کے لئے شکست وریخت یا فرسودگی کے اخراجات خام قومی پیداوار سے منفی کرنے پڑیں گے۔

4- قومی آمدنی (NI)

قومی آمدنی سے مراد وہ آمدنی ہے جو کسی بھی ملک کے تمام عاملینِ پیدائش کے معاوضوں کا مجموعہ ہو، یعنی لگان، اُجرت، سود اور منافع کے مجموعہ کو ہی قومی آمدنی کہا جاتا ہے۔بعض اشیاوخدمات کی قیمتیں قومی آمدنی کی حقیقت کو آشکار نہیں کرتیں اس کی درج ذیل وجوہات ہیں۔

1- بعض اوقات اشیا پر حکومت ٹیکس عائد کردیتی ہے مثلاً ایکسائز ڈیوٹی وغیرہ۔کارخانہ دار ہی ان ٹیکسوں کو ادا کرتے ہیں اور قیمت میں یہی ٹیکس جمع کرکے صارفین سے وصول کرتے ہیں مثال کے طور پر ایک پنکھے کی قیمت 800 روپے ہے لیکن فی پنکھا 100 روپیہ حکومت ٹیکس لگا دیتی ہے۔اب صارفین کو یہی پنکھا 900 روپے کے عوض خریدنا پڑے گا جبکہ اس کی اصل قیمت 800 روپے تھی۔لہٰذا اصل قیمتوں کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے بالواسطہ ٹیکس کی مالیت منفی کردینی چاہیے۔

2- بعض اشیا کی لاگت پیدائش زیادہ ہوتی ہے جنہیں عوام خرید نہیں سکتے اور یہ چیزیں ضروریاتِ زندگی میں شامل ہوں تو حکومت اپنی طرف سے کچھ مدد دیتی ہے یعنی بعض اوقات کسی مفید چیز کو لوگوں میں مقبول بنانے کے لئے حکومت قیمت کا کچھ حصہ خود ادا کردیتی ہے۔مثال کے طور پر کیمیاوی کھاد کو کسانوں میں مقبول بنانے کے لئے کھاد کے ایک تھیلے جس کی قیمت 300 روپے تھی

لیکن حکومت یہ تھیلا200 روپے کا فروخت کرتی ہے تاکہ کسان زیادہ سے زیادہ کیمیاوی کھاد استعمال کر کے اس کے فائدوں سے روشناس ہوسکیں۔اس قسم کی مدد کو اعانے (Subsidies) کہا جاتا ہے، چونکہ عام لوگ ایک چیز کی قیمت کم ادا کرتے ہیں جبکہ اس کی اصل قیمت زیادہ ہوتی ہے اس لیے بازاری قیمت میں اعانوں کی مالیت بھی جمع کرلی جائے تو اس سے صحیح قیمت کا پتہ چل سکتا ہے اس لیے کسی ملک کی قومی آمدنی کے لئے درج ذیل فارمولا استعمال کیا جاتا ہے۔

قومی آمدنی = خالص قومی پیداوارا + اعانے - بالواسطہ ٹیکس

NI = NNP - Indirect Taxes + Subsidies

5- شخصی یا ذاتی آمدنی (Personal Income)

شخصی یا ذاتی آمدنی سے مراد وہ آمدنی ہے جو کسی ملک کے باشندوں کو حاصل ہوتی ہے اور شخصی آمدنی قومی آمدنی سے اخذ کی جاتی ہے۔جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(الف) مشترکہ سرمائے کی کمپنیوں کے غیر منقسم منافع جات (Undistributed Corporate Profits)

مشترکہ سرمائے کی کمپنیاں کسی سال کے دوران حاصل ہونے والا تمام منافع اپنے حصہ داروں میں تقسیم نہیں کرتیں بلکہ اس کا کچھ حصہ اپنے پاس رکھ لیتی ہیں تاکہ ضرورت پڑنے پر اسے استعمال کرسکیں یا دوبارہ سرمایہ کاری کر کے اس میں مزید اضافہ کرسکیں اس لیے یہ غیر منقسم منافع جات لوگوں تک نہیں پہنچتے اور شخصی آمدنی میں شامل نہیں ہوتے۔

(ب) منافع ٹیکس (Profit Tax)

حکومت آجروں یا سرمایہ کاری کرنے والے اداروں کے منافع جات پر ٹیکس لگا دیتی ہے لہٰذا ٹیکس کی مالیت شخصی آمدنی میں شمار نہیں ہوتی۔

(ج) سماجی تحفظ کی کٹوتیاں (Social Security Deductions)

ملازمین کی تنخواہ کا کچھ حصہ ان کو ادا نہیں کیا جاتا بلکہ ان کی اجتماعی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جاتا ہے یا ان کی ریٹائرمنٹ کے وقت دے دیا جاتا ہے اس کے علاوہ آجرین بھی ملازمین کی بہبود کے لئے کچھ رقم تنخواہ سے کاٹ لیتے ہیں یہ تمام رقوم لوگوں تک پہنچ نہیں پاتیں جو شخصی آمدنی کا حصہ نہیں بنتی۔

(د) انتقالی ادائیگیاں (Transfer Payments)

یہ وہ تمام ادائیگیاں ہوتی ہیں جن کے عوض کوئی پیداواری کام نہیں کیا جاتا مثلاً پینشن، بڑھاپے کا الاؤنس، وظائف اور جیب خرچ وغیرہ۔یہ تمام ادائیگیاں قومی آمدنی میں کہیں شمار نہیں کی جاتیں لیکن شخصی آمدنی میں شمار ہوتی ہیں۔

شخصی آمدنی =قومی آمدنی -مشترکہ سرمائے کی کمپنیوں کے غیر منقسم منافع جات -منافع ٹیکس- سماجی تحفظ کی کٹوتیاں +انتقالی ادائیگیاں

Personal Income = National Income - Undistributed Corporate Profit
- Profit Tax - Social Security Deductions
+ Transfer Payments

6- قابل تصرف شخصی آمدنی (Disposable Personal Income)

شخصی آمدنی کا وہ حصہ جو لوگ اپنی مرضی یا خواہش کے مطابق خرچ کر سکیں، قابل تصرف شخصی آمدنی کہلاتا ہے۔ شخصی آمدنی پر حکومت انکم ٹیکس یا دوسرے براہِ راست ٹیکس نافذ کر دیتی ہے۔ ان ٹیکسوں کی ادائیگی کے بعد جو رقم لوگوں کے پاس بچ جائے وہی قابل تصرف شخصی آمدنی ہوتی ہے۔

قابل تصرّف شخصی آمدنی = شخصی آمدنی - براہِ راست ٹیکس

DPI = PI- Direct Taxes.

قومی آمدنی کے تصورات کا باہمی تعلق

قومی آمدنی کے مختلف تصورات کے درمیان باہمی تعلق کو درج ذیل خاکہ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

خاکہ میں بالترتیب خام ملکی پیداوار، خام قومی پیداوار، خالص قومی پیداوار، قومی آمدنی، شخصی آمدنی اور قابل تصرف شخصی آمدنی کو ظاہر کیا گیا ہے۔ A حصہ میں نجی صرفی اخراجات، نجی سرمایہ کاری کے اخراجات اور سرکاری اخراجات اور صافی درآمد و برآمد کی مالیت کا مجموعہ خام ملکی پیداوار دکھایا گیا ہے۔ B میں خام ملکی پیداوار میں بیرون ملک سے حاصل ہونے والی رقوم شامل کر دیں تو خام قومی پیداوار حاصل ہوتی ہے۔ C میں دکھایا گیا ہے کہ خام قومی پیداوار سے فرسودگی کے اخراجات کم کر دیئے جائیں تو باقی خالص قومی پیداوار رہ جائے گی۔ D میں دکھایا گیا ہے کہ خالص قومی پیداوار میں سے بالواسطہ ٹیکس منہا کرنے اور اعانے جمع کرنے سے قومی آمدنی حاصل ہوگی۔ E میں دکھایا گیا ہے کہ قومی آمدنی میں سے منافع ٹیکس، غیر منقسم منافع جات اور سماجی تحفظ کی کٹوتیاں منفی کرنے اور انتقالی ادائیگیاں جمع کرنے سے شخصی آمدنی حاصل ہوگی۔ جبکہ F حصہ میں دکھایا گیا ہے کہ شخصی آمدنی سے براہِ راست ٹیکس منفی کرنے سے باقی قابل تصرف شخصی آمدنی رہ جاتی ہے۔

قومی آمدنی کا فرضی گوشوارہ

خام ملکی پیداوار:	نجی صرفی خرچ + نجی سرمایہ کاری + حکومتی اخراجات + صافی درآمد و برآمد کی مالیت	2000 بلین روپے
	جمع بیرونِ ممالک سے پاکستانیوں کی بھیجی ہوئی رقوم۔	200 بلین روپے
خام قومی پیداوار:	(GDP + بیرونِ ممالک سے رقوم)۔	2200 بلین روپے
	منفی فرسودگی الاؤنس	100 بلین روپے
خالص قومی پیداوار:	(GNP - فرسودگی الاؤنس)	2100 بلین روپے
	منفی بالواسطہ ٹیکس	50 بلین روپے
	جمع اعانتیں۔	100 بلین روپے
قومی آمدنی:	بلحاظ مصارفِ پیدائش	2150 بلین روپے
	منفی مشترکہ سرمائے کی کمپنیوں کے غیر منقسم منافع جات	50 بلین روپے
	منفی سماجی تحفظ کی کٹوتیاں اور منافع ٹیکس	50 بلین روپے
	جمع انتقالی ادائیگیاں۔	200 بلین روپے
شخصی آمدنی:		2250 بلین روپے
	منفی براہِ راست ٹیکس	50 بلین روپے
قابل تصرف شخصی آمدنی:		2200 بلین روپے

1.3 قومی آمدنی کی پیمائش کے طریقے (Methods of Measuring National Income)

قومی آمدنی کی مختلف تعریفوں کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں پہلی قسم کی تعریفوں میں مارشل ، پیگو ، جے۔آر۔ہکس اور سویئل سن ہیں جنھوں نے کسی ملک میں پیدا ہونے والی اشیا کو قومی آمدنی کہا ہے جبکہ دوسری قسم کی تعریف گارڈنر ایکلے کی ہے جس کے مطابق کسی ملک کے اندر بسنے والے تمام افراد کی آمدنیوں کا مجموعہ قومی آمدنی کہلاتا ہے۔تیسری قسم کی تعریف فشر نے کی ہے جس کے مطابق صرف ہونے والی اشیا و خدمات کی مقدار ہی قومی آمدنی ہوتی ہے۔درج بالا تینوں قسم کی تعریفوں کی بنیاد پر قومی آمدنی کی پیمائش کے بھی تین طریقے ہیں۔

1۔ پیداوار کا طریقہ (Product Method)
2۔ آمدنی کا طریقہ (Income Method)
3۔ اخراجات کا طریقہ (Expenditures Mehtod)

اب علیحدہ علیحدہ ہم ان طریقوں کا تفصیل سے جائزہ لیں گے۔

1۔ پیداوار کا طریقہ(Product Method)

اس طریقہ پیمائش کے مطابق کسی ملک میں پیدا ہونے والی اشیاوخدمات کی حتمی زری مالیت کو جمع کیا جاتا ہے۔ پیداوار کے طریقہ میں قومی آمدنی کی پیمائش میں درج ذیل اشیاوخدمات کی مالیت کو جمع کیا جاتا ہے۔

(الف) زرعی اشیا : مثلاً گندم، کپاس، دالیں، سبزیاں اور پھل وغیرہ۔

(ب) معدنی اشیا: وہ تمام اشیا جو معدنیات کی صورت میں حاصل ہوتی ہیں مثلاً لوہا، کوئلہ، نمک، قدرتی گیس، تیل وغیرہ۔

(ج) صنعتی اشیا: وہ تمام اشیا جو کارخانوں میں تیار ہوتی ہیں مثلاً کپڑا، مشینری، ادویات، ریڈیو، برتن، دھاگہ وغیرہ۔

(د) خدمات : مثلاً ڈاکٹروں، وکیلوں، پروفیسروں، نجی اور سرکاری اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں وغیرہ۔

(ھ) متفرق اشیا: درج بالا تمام کے علاوہ دیگر اشیا مثلاً مچھلیاں، مرغیاں، حیوانات وجنگلات وغیرہ کی آمدنی۔

درج بالا تمام اشیا کی مجموعی زری مالیت سے قومی آمدنی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے لیکن اس سلسلہ میں چند احتیاطیں لازمی ہوتی ہیں۔

(الف) دوبار شمار نہ کرنا (Avoidance of Double Counting)

پیداوار کے طریقہ پیمائش میں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ کسی شے کو ایک سے زیادہ بار شمار نہ کیا جائے مثال کے طور پر گندم کی قیمت، آٹے کی قیمت اور پھر روٹی کی قیمت کو علیٰحدہ علیٰحدہ جمع کریں تو قومی آمدنی میں کئی گنا اضافہ ہو جائے گا کیونکہ گندم اور آٹا کے مرحلوں سے گزر کر ہی روٹی پکتی ہے اور روٹی کی قیمت میں گندم اور آٹے کی قیمت بھی شامل ہے۔ اس غلطی سے بچنے کے لئے شے کی اس شکل میں قیمت شمار کی جائے جس شکل میں وہ صارفین کے پاس صرف کے لئے پہنچ جائے یا ہر مرحلہ پر کسی شے کی اضافی قیمت کا مجموعہ بھی اس کی اصل مالیت کو ظاہر کرے گا۔ مثال کے طور پر روٹی کی قیمت اس کی آخری شکل ہوگی یا اس کی اضافی قیمت درج ذیل طریقے سے جمع کی جائے گی۔

پیداوار کا مرحلہ	اضافی قیمت (روپوں میں)	مختلف مراحل پر قیمت (روپوں میں)
گندم کی قیمت	2	2
آٹے کی قیمت	1	3
روٹی کی پکائی کی قیمت	1	4
فروخت کار کا منافع	1	5
میزان	**5روپے**	**14روپے**

درج بالا گوشوارہ سے ظاہر ہے کہ روٹی کی اضافی قیمت کا مجموعہ 5 روپے ہے جو کہ روٹی کی آخری یا حتمی قیمت ظاہر کر رہا ہے جبکہ روٹی کی قیمت کو ہر بار مرحلہ وار جمع کرنے سے کئی گنا گنتی کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔

(ب) بلامعاوضہ خدمات (Unpaid Services)

بلامعاوضہ خدمات مثلاً استاد کا اپنی بیٹی یا بیٹے کو پڑھانا، اپنے کپڑے خود استری کر لینا، جوتے پالش کر لینا، اپنے گھر کے باغیچہ

میں پھل اور سبزیاں اگا کر استعمال کر لینا وغیرہ محض رضا کارانہ طور پر اپنی ذات یا پھر تفریح طبع کی خاطر سرانجام دی جاتی ہیں۔ لہٰذا ان خدمات کے معاوضوں کا اندازہ لگانا مشکل کام ہے۔ اسی لئے قومی آمدنی کی پیمائش کرتے وقت ان خدمات کی قدر و مالیت کو شمار کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(ج) مخفی یا زیر زمین سرگرمیاں (Underground Activities)

قومی آمدنی کی پیمائش کرتے وقت لازمی ہے کہ خام قومی پیداوار کی مالیت کا اندازہ لگاتے وقت تمام اشیاء و خدمات کی زری مالیت بشمول زیر زمین یا مخفی اشیاء و خدمات کی مالیت کو بھی جمع کیا جائے۔ کیونکہ بسا اوقات پیداوار کا کچھ حصہ لوگ اپنے ذاتی استعمال کے لئے رکھ لیتے ہیں اور منڈی میں فروخت کے لئے نہیں لاتے جس کی مالیت قومی آمدنی میں شمار ہونے سے رہ جاتی ہے۔ اسی طرح کاروباری حضرات ٹیکسوں سے بچنے کے لئے اپنی پیداوار اور آمدنی کے بارے میں صحیح معلومات فراہم نہیں کرتے۔ اس طرح پیداواری مالیت کا یہ حصہ بھی قومی آمدنی میں شمار نہیں ہوتا۔ مزید برآں دیگر غیر قانونی سرگرمیاں مثلاً سمگلنگ، ذخیرہ اندوزی، چور بازاری وغیرہ سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی زیر زمین سرگرمیوں کے زمرے میں آتی ہے۔ لہٰذا ان مشکلات کے ہوتے ہوئے قومی آمدنی کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے۔

2- آمدنی کا طریقہ (Income Method)

قومی آمدنی کی پیمائش کے اس طریقے میں تمام عاملین پیدائش کے سال بھر کے معاوضوں کی مجموعی مالیت کا اندازہ لگایا جاتا ہے مثلاً سال بھر کا زمین کا لگان، مزدوروں کی اُجرت، سرمایہ قرضہ پر دینے والوں کو حاصل ہونے والا سود اور آجرین کو ملنے والے منافع جات کو جمع کر لیں تو قومی آمدنی کے مساوی ہوگا۔ درحقیقت یہ طریقہ بھی پہلے طریقہ سے ملتا جلتا ہے۔ کیونکہ پہلے طریقہ میں ہم نے پیداوار کی قیمتوں کی مجموعی مالیت کو قومی آمدنی کہا ہے اور یہ قیمتیں اشیاء و خدمات پیدا کرنے والے عاملین پیدائش کو لگان، اُجرت، سود اور منافع کی صورت میں حاصل ہوتی ہیں اس لئے دونوں طریقوں میں ایک ہی پیداوار کو مختلف انداز میں شمار کیا گیا ہے۔ اس طریقے میں درج ذیل احتیاطوں کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔

(الف) انتقالی ادائیگیاں (Transfer Payments)

یہ وہ آمدنی ہوتی ہے جس کے لئے کوئی پیداواری کام نہ کیا جائے مثلاً پنشن، وظائف و تحائف، زکوٰۃ، خیرات اور انعام وغیرہ۔ ان تمام آمدنیوں سے پیداوار میں اضافہ نہیں ہوتا اس لئے انہیں قومی آمدنی میں شمار نہیں کیا جاتا۔

(ب) غیر قانونی آمدنی (Illegal Earnings)

قومی آمدنی میں غیر قانونی ذرائع مثلاً رشوت، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، سمگلنگ وغیرہ سے حاصل ہونے والی آمدنی شامل نہیں ہوتی ہے۔

3- اخراجات کا طریقہ (Expenditures Method)

اس طریقہ پیمائش کے مطابق ملک کے تمام باشندوں کی مختلف اشیاء و خدمات پر ہونے والے اخراجات کو جمع کیا جاتا ہے۔ جس سے قومی آمدنی کی پیمائش ہوتی ہے۔ ان اخراجات کو درج ذیل چار حصوں پر تقسیم کیا جاتا ہے۔

(i) نجی صرفی اخراجات (Private Consumption Expenditures)

(ii) نجی سرمایہ کاری کے اخراجات (Gross Private Domestic Investment)

(iii) سرکاری صرفی اور سرمایہ کاری خرچ (Govt. Expenditures on Consumption and Investment)

(iv) بیرونی شعبے کے اخراجات (Foreign Sector Expenditures)

اس طریقہ میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ کسی شے پر آنے والے اخراجات کو صرف ایک دفعہ ہی شمار کیا جائے مثلاً ایک شے کوئی خریدتا ہے اور دوبارہ دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے تو اس لین دین کو صرف ایک دفعہ گنا جائے ورنہ آمدنی کا اندازہ درست نہیں ہوگا۔

1.4 قومی آمدنی کا دائروی بہاؤ (Circular Flow of National Income)

کسی معیشت میں گھرانے اور کاروباری ادارے دو اہم شعبے کام کر رہے ہوتے ہیں۔قومی آمدنی مختلف شکلوں میں ان کے درمیان گردش کرتی رہتی ہے کبھی کاروباری اداروں سے گھرانوں کی طرف اور کبھی گھرانوں کی طرف سے کاروباری اداروں کی طرف حرکت کرتی ہے قومی آمدنی کی اس گردش یا حرکت کو قومی آمدنی کا دائروی بہاؤ کہا جاتا ہے۔

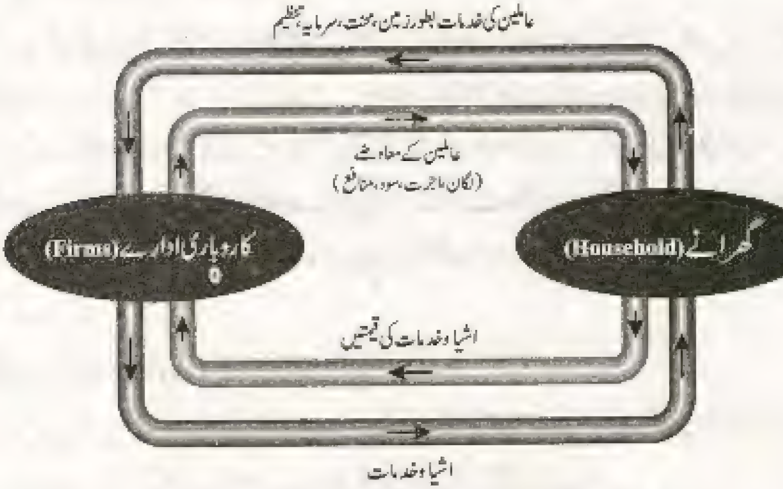

گھرانے مختلف عاملین پیدائش زمین، محنت، سرمایہ اور تنظیم کی خدمات کاروباری اداروں کو پیش کرتے ہیں اور کاروباری ادارے ان کی خدمات کو استعمال میں لا کر مختلف انواع واقسام کی اشیا وخدمات بناتے ہیں، اور اپنی ان خدمات کے صلے میں معاوضے یعنی لگان، اُجرت، سود اور منافع وصول کرتے ہیں جس کو ہم نے دی گئی شکل کے اوپر والے حصہ میں ظاہر کیا ہے۔گھرانے کاروباری اداروں کو عاملین کی خدمات مہیا کرتے ہیں اور کاروباری ادارے عاملین کی خدمات کے صلے میں ان کو مختلف معاوضے ادا کرتے ہیں۔

کاروباری ادارے آخرین کی صورت میں عاملین کی تیار کردہ مختلف اشیا وخدمات گھرانوں کو پیش کرتے ہیں اور یہی گھرانے جو پہلے عاملین کی حیثیت سے اشیا وخدمات کو تیار کرنے کا ذریعہ بنے اب صارفین کی حیثیت سے اپنی تیار کردہ اشیا وخدمات کاروباری اداروں سے حاصل کر کے ان کا معاوضہ قیمتوں کی صورت میں ادا کرتے ہیں یعنی کاروباری اداروں نے جو رقم گھرانوں کو عاملین کے معاوضے کے طور

پردی تھی اب ان گھرانوں کو اپنی خدمات فراہم کر کے دوبارہ واپس لے لی ہے۔شکل کے نچلے حصہ میں دکھایا گیا ہے کہ کاروباری اداروں یا آجرین کی طرف سے ان کی تیار کردہ اشیاوخدمات کاروباری اداروں سے حاصل کر کے ان کا معاوضہ قیمتوں کی صورت میں ادا کرتے ہیں یعنی کاروباری اداروں سے حاصل کر کے ان کا معاوضہ قیمتوں کی صورت میں ادا کرتے ہیں یعنی کاروباری اداروں نے جو رقم گھرانوں کو عاملین کے معاوضے کے طور پر دی تھی اب ان گھرانوں کو اپنی اشیاوخدمات فراہم کر کے واپس لے لی ہے۔شکل کے نچلے حصہ میں دکھایا گیا ہے کہ کاروباری اداروں یا آجرین کی طرف سے ان کی تیار کردہ اشیاوخدمات گھرانوں یا صارفین کو مہیا کی جاتی ہیں اور صارفین ان اشیا کی قیمتیں آجرین کو ادا کرتے ہیں۔اسی طرح کارخانہ داروں یا کاروباری اداروں نے جو رقم عاملین کو لگان، اُجرت، سود اور منافع کی صورت میں گھرانوں کو دی تھی وہ رقم اشیاوخدمات کی قیمتوں کی صورت میں واپس لے لی ہے۔لہٰذا وہ رقم دوبارہ کارخانہ داروں کو مل گئی ہے۔

چونکہ قومی آمدنی کاروباری اداروں سے گھرانوں اور گھرانوں سے کاروباری اداروں کے درمیان گردش کرتی رہتی ہے۔اس لیے ہم اس کو قومی آمدنی کا دائروی بہاؤ کہتے ہیں۔

شکل کے اوپر والے حصہ کے مطابق قومی آمدنی عاملین کے معاوضوں کا مجموعہ ہے قومی آمدنی کی پیمائش کے طریقوں میں بیان کر چکے ہیں اس کو عام طور پر آمدنیوں کے مجموعہ کا طریقہ پیمائش کہا جاتا ہے جبکہ شکل کے نچلے حصے کے مطابق کارخانہ دار اشیاوخدمات کی قیمتیں وصول کرتے ہیں اس طرح تمام تیار کردہ اشیاوخدمات صارفین یا گھرانوں کو منتقل ہو جاتی ہیں اور گھرانے ان کی قیمتوں کی صورت میں تمام قومی آمدنی دوبارہ کاروباری اداروں کو واپس کر دیتے ہیں۔اس صورت حال کو ہم قومی آمدنی کی پیمائش کا کل اخراجات کا طریقہ کہتے ہیں۔

صرف، بچت اور سرمایہ کاری (Consumption, Saving and Investment)

صرف (Consumption)

صرف سے مراد آمدنی کا وہ حصہ ہے جو صرفی اشیاوخدمات پر خرچ کیا جائے۔

اوسط میلان صرف (Average Propensity to Consume - APC)

صرف اور آمدنی کی باہمی نسبت کو اوسط میلان صرف (APC) کہا جاتا ہے۔اس کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کی جاتی ہے۔

APC is a relationship between total consumption and total income in a given period .

''اوسط میلان صرف کسی خاص عرصہ وقت میں صرف اور آمدنی کے باہمی تعلق کو ظاہر کرتا ہے''۔

آمدنی صرف کا تفاعل ہے — C is a function of Y

$$C=f(y)$$

ریاضیاتی زبان میں اسے یوں لکھا جاتا ہے۔

$$APC = \frac{C}{Y}$$

$$\text{یعنی اوسط میلان صرف} = \frac{\text{صرف}}{\text{آمدنی}}$$

اوسط میلان صرف سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک صارف اپنی آمدنی میں سے کسی خاص عرصہ وقت میں کس نسبت سے صرف کرتا ہے۔

مختتم میلان صرف (Marginal Propensity to Consume)

"آمدنی میں تبدیلی سے صرف میں بھی تبدیلی آتی ہے۔ پس صرف میں تبدیلی اور آمدنی میں تبدیلی کی باہمی نسبت کو مختتم میلان صرف (MPC) کہا جاتا ہے"۔

"MPC measures the incremental change in consumption due to a given change in income."

اسے ریاضیاتی زبان میں یوں بیان کریں۔

$$MPC = \frac{\Delta C}{\Delta Y}$$

$$\text{(MPC) یا مختتم میلان صرف} = \frac{\text{(}\Delta C\text{) صرف میں تبدیلی}}{\text{(}\Delta Y\text{) آمدنی میں تبدیلی}}$$

بچت (Saving)

"بچت سے مراد قومی آمدنی کا وہ حصہ ہے جو صرف نہ ہو یعنی قومی آمدنی اور اخراجات کا فرق بچت کہلاتا ہے"۔

پس بچت = آمدنی - صرف

Saving = Income - Consumption

$$S = Y - C$$

مثلاً کسی ملک کی قومی آمدنی 2500 بلین روپے اور صرف 2000 بلین روپے ہو تو بچت 500 بلین روپے کے مساوی ہو گی۔

بچت کا دارومدار دو عوامل پر ہوتا ہے۔

(الف) بچت کرنے کی قوت (ب) بچت کرنے کا ارادہ

بچت کرنے کی قوت کا انحصار آمدنی، اخراجات، نظام بنکاری اور محصولات کے نظام پر ہوتا ہے۔ جبکہ بچت کرنے کے ارادہ کا انحصار درج ذیل اُمور پر ہوتا ہے۔

(الف) سرمایہ کاری (ب) شرح سود

(ج) مستقبل کی فکر (د) اولاد کی تعلیم و تربیت

(ہ) بڑھاپے کا خوف (و) ملک میں امن و امان کی صورت حال

چونکہ ملک کی مجموعی بچتوں کا انحصار قومی آمدنی (Y) پر ہوتا ہے۔ اس لئے اس تفاعلی رشتہ کو یوں لکھا جا سکتا ہے۔

$S = f(Y)$ (Saving is a function of income)

بچت آمدنی کا تکثیری تفاعل ہے۔ اس لئے جتنی زیادہ آمدنی ہو گی اسی لحاظ سے بچتیں زیادہ ہوں گی۔

اوسط میلانِ بچت (Average Propensity to Save APS)

''بچت اور آمدنی کی باہمی نسبت کو اوسط میلان بچت (APS) کہتے ہیں۔ اوسط میلانِ بچت کی تعریف یوں بھی کی جا سکتی ہے''۔

APS is a relationship between total saving and total income in a given period.

یعنی اوسط میلانِ بچت خاص عرصہ وقت میں بچت اور آمدنی کے باہمی تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔

ریاضیاتی اصطلاح میں اسے یوں لکھا جاتا ہے۔

$$APS = \frac{S}{Y}$$

یعنی اوسط میلان بچت = بچت / آمدنی

یاد رہے اوسط میلانِ بچت سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک صارف نے اپنی آمدنی میں سے کسی خاص عرصہ وقت میں کس نسبت سے بچت کی ہے۔

مختتم میلانِ بچت(Marginal Propensity to Save - MPS)

''بچت میں تبدیلی اور آمدنی میں تبدیلی کی باہمی نسبت کو مختتم میلان بچت کہتے ہیں''۔

"MPS measures the incremental change in saving due to given change in income."

اسے ریاضیاتی زبان میں یوں لکھتے ہیں۔

$$MPS = \frac{\Delta S}{\Delta Y}$$

یعنی مختتم میلان بچت = بچت میں تبدیلی / آمدنی میں تبدیلی

سرمایہ کاری (Investment)

عام طور پر کسی بھی پیداواری سرگرمی میں روپیہ پیسہ لگانے کو سرمایہ کاری کا نام دیا جاتا ہے مثلاً گھر خرید کر کرایہ پر دینا، گاڑی خرید کر برائے ٹیکسی چلانا وغیرہ، لیکن معاشی اصطلاح میں نئی اشیائے سرمایہ میں اضافہ کرنے کے عمل کو سرمایہ کاری کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر نئے کارخانے، مشینیں، آلات وغیرہ بنانا۔

لہٰذا سرمایہ کاری سے مُراد افراد کی بچائی ہوئی رقوم کو ایسے کاموں یا منصوبوں میں لگانا جہاں سے مزید آمدنی حاصل ہونے کی اُمید ہو۔ یاد رہے سرمایہ کاری کا مطلب نئے کارخانے تعمیر کرنا، نئے مکان بنانا مگر پُرانی گاڑی بیچنا وغیرہ سرمایہ کاری نہیں کہلاتا۔

سرمایہ کاری کی اقسام(Kinds of Investment)

خود اختیار سرمایہ کاری (Autonomous Investment)

خود اختیار سرمایہ کاری آمدنی میں تبدیلی سے متاثر نہیں ہوتی، بلکہ جوں کی توں رہتی ہے مثال کے طور پر سڑکوں کی تعمیر، پلوں کی تعمیر وغیرہ۔

ترغیب یافتہ سرمایہ کاری (Induced Investment)

یہ سرمایہ کاری آمدنی میں تبدیلی کے ساتھ براہِ راست متاثر ہوتی ہے یعنی آمدنی بڑھنے سے بڑھ جاتی ہے اور آمدنی کم ہونے سے کم ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر فیکٹری کی عمارت اور مشین تو خود اختیار سرمایہ کاری کے زمرے میں آتی ہیں مگر فیکٹری میں اشیا و خدمات کی تیاری پر اُٹھنے والے اخراجات ترغیب یافتہ سرمایہ کاری کہلاتے ہیں۔

1.5 قومی آمدنی کا توازن (Equilibrium of National Income)

دو شعبی (Two sector) معیشت میں قومی آمدنی کی متوازن سطح سے مراد وہ سطح ہوتی ہے جس پر ملک کی مجموعی طلب (C+I) مجموعی رسد (C+S) کے برابر ہو جائے اور دوسری طرف قومی بچتیں (S) اور سرمایہ کاری (I) آپس میں برابر ہو جائیں اس لیے توازنی سطح وہ ہوگی جہاں

(i) مجموعی طلب اور مجموعی رسد کا طریقہ

اس طریقہ سے قومی آمدنی کا توازن اس سطح پر ہوتا ہے جہاں مجموعی طلب اور مجموعی رسد برابر ہوں۔

چونکہ $C + S = C + I$ مجموعی طلب، مجموعی رسد کے برابر ہے۔

اوپر والی مساوات میں C یعنی صرفی اخراجات مشترک ہیں اس لیے S=I یعنی بچتیں سرمایہ کاری کے برابر ہیں۔

(ii) بچت اور سرمایہ کاری کا طریقہ

اس طریقے سے قومی آمدنی کا توازن اس سطح پر ہوتا ہے جہاں بچت اور سرمایہ کاری باہم برابر ہوں۔

ان دونوں طریقوں سے قومی آمدنی کی متوازن سطح معلوم کرنے کے لیے $C = 20 + 0.8\,Y$ اور $I = 20$ کی قدروں کی مدد سے Y کی فرضی قدریں اختیار کرتے ہوئے گوشوارہ اور ڈائیگرام تشکیل دیا گیا ہے۔

گوشوارہ

مجموعی رسد (C + S)	مجموعی طلب (C + I)	سرمایہ کاری I	بچت S = Y - C	صرف (C)	قومی آمدنی (Y)
0	40	20	- 20	20	0
50	80	20	- 10	60	50
100	120	20	0	100	100
150	160	20	10	140	150
200	**200**	**20**	**20**	**180**	**200**
250	240	20	30	220	250
300	280	20	40	260	300

اس گوشوارہ میں مجموعی طلب اور مجموعی رسد کے طریقے کے مطابق توازنی قومی آمدنی 200 کروڑ روپے ہے کیونکہ آمدنی کی اس سطح پر مجموعی طلب (C+I) مجموعی رسد (C+S) کے برابر ہے۔ اس کی وضاحت ڈائیگرام کی مدد سے بھی کی جاسکتی ہے۔

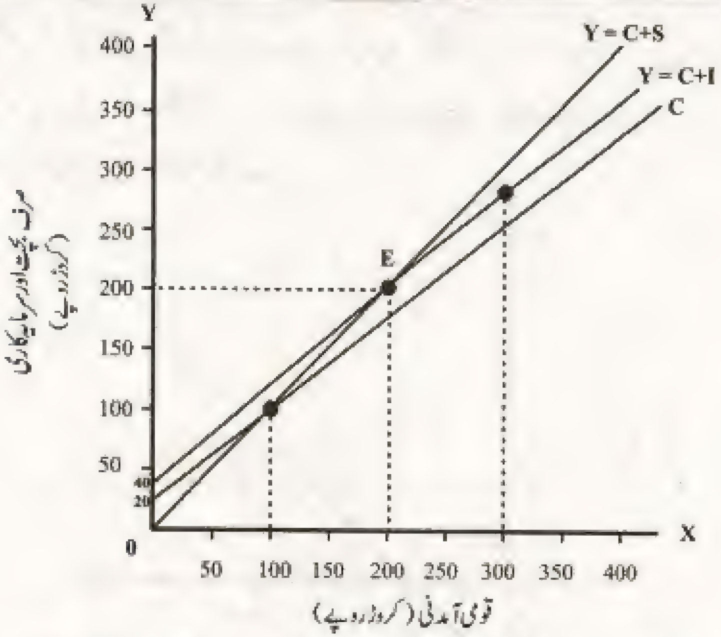

ڈائیگرام کے مطابق توازنی قومی آمدنی (Y) اس نقطے پر متعین ہوتی ہے جہاں مجموعی طلب (C+I) کا خط، مجموعی رسد (C+S) کے خط کو قطع کرتا ہے جو کہ نقطہ E ہے اور اس نقطہ پر توازنی قومی آمدنی 200 کروڑ روپے ہوگی۔ اگر بعض حالات کے پیش نظر قومی آمدنی کے اس توازن میں بگاڑ یا خرابی آجائے تو معیشت میں ایسے معاشی محرکات سرگرم عمل ہوتے ہیں جن کی وجہ سے معیشت کو دوبارہ خودکار نظام کے تحت توازنی استحکام نصیب ہو جاتا ہے، مثلاً اگر قومی آمدنی کی سطح 200 کروڑ سے بڑھ کر 300 کروڑ روپے ہو جاتی ہے تو اس سطح پر مجموعی طلب 280 کروڑ روپے ہے جو کہ مجموعی رسد سے بقدر 20 کروڑ روپے کم ہے۔ اس طرح 20 کروڑ روپے کی اشیا بن بکی پڑی رہیں گی اور فرمیں اپنی پیداوار گھٹانے پر مجبور ہو جائیں گی۔ اسطرح آمدنی کم ہوتے ہوئے 200 کروڑ روپے کی توازنی سطح پر آجائے گی۔

اسی طرح اگر قومی آمدنی عارضی طور پر توازنی سطح سے کم یعنی 100 کروڑ روپے ہو جاتی ہے تو اس نقطے پر مجموعی طلب 120 کروڑ روپے ہے جو کہ مجموعی رسد سے زیادہ ہے۔ اس لیے اشیا پیدا کرنے والی فرمیں پیداوار بڑھائیں گی اور اشیا جلدی سے فروخت ہو جائیں گی۔ اس طرح پیداوار اور مجموعی طلب بڑھتے بڑھتے توازن کی سطح 200 کروڑ روپے پر آجائیں گے اور یوں توازن بحال ہو جائے گا۔

بچت اور سرمایہ کاری کا طریقہ (S = I)

اس طریقے کے مطابق قومی آمدنی کا توازن اس نقطے پر عمل میں آئے گا جہاں بچتیں سرمایہ کاری کے برابر ہو جائیں یعنی S = I گوشوارہ کے مطابق 200 کروڑ روپے ہی قومی آمدنی کی توازنی سطح ہے جس پر بچتیں (S) سرمایہ کاری (I) کے برابر ہیں۔ ڈائیگرام میں سرمایہ کاری کا خط II بچتوں کے خط SS کو نقطہ E پر قطع کرتا ہے۔ اس لیے قومی آمدنی کی توازنی سطح 200 کروڑ روپے ہے۔ توازنی سطح سے بلند سطح پر بچتیں سرمایہ کاری سے زیادہ ہیں۔ اس لیے کچھ اشیا بن بکے پڑی رہیں گی۔ اس کے نتیجے میں اشیا کی قیمتیں کم ہو جائیں گی اور منافع بھی کم ہو جائے گا۔

اس کے نتیجے میں اشیا کی پیداوار میں کمی واقع ہو جائے گی اور پیداوار کم ہوتے ہوئے توازنی قومی آمدنی کی سطح پر آجائے گی۔

اس کے برعکس اگر قومی آمدنی توازنی سطح سے کم ہو تو سرمایہ کاری بچتوں سے زیادہ ہو جائے گی۔ اس وجہ سے اشیا جلدی سے فروخت ہو جائیں گی۔ آمدنیوں میں اضافہ ہوگا۔ فروخت کرنے والے مزید اشیا پیدا کریں گے اور پیداوار بڑھتے بڑھتے 200 کروڑ روپے کی سطح تک آجائے گی جو کہ قومی آمدنی کی توازنی سطح ہے۔

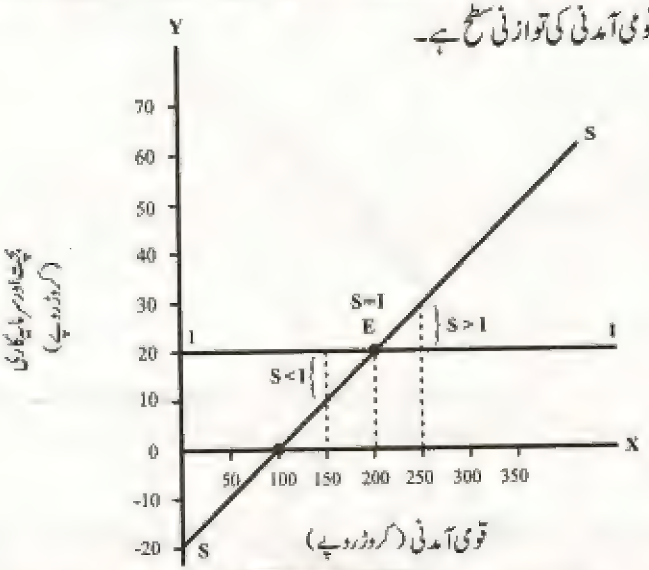

مشقی سوالات

سوال:1 نیچے دیے گئے ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات میں سے دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

1۔ قومی آمدنی کے مسائل کا تعلق کیسی معاشیات سے ہے؟

(الف) جزوی — (ب) استقرائی

(ج) کُلی — (د) استخراجی

2۔ اگر خالص قومی پیداوار سے بالواسطہ ٹیکس منہا اور اعانے جمع کر دیے جائیں تو کیا حاصل ہوتا ہے؟

(الف) خام قومی پیداوار — (ب) خام مُلکی پیداوار

(ج) قومی آمدنی — (د) فی کس آمدنی

3۔ انتقالی ادائیگی قومی آمدنی کے حساب میں شامل کرنے سے خطرہ ہوتا ہے۔

(الف) غلط پیمائش کا — (ب) دُہری گنتی کا

(ج) منافع جات کم ہونے کا — (د) اعشاری اعداد بڑھ جانے کا

4۔ انتقالی ادائیگیوں سے مراد ایسی ادائیگیاں ہیں جن کے عوض۔

(الف) معاوضہ نہیں دیا جاتا — (ب) مدد نہیں لی جاتی

(ج) اشیا و خدمات پیدا کی جاتی ہیں — (د) خدمت یا کام سرانجام نہیں دیا جاتا

5۔ درج ذیل میں سے کونسی آمدنی انتقالی ادائیگیوں میں شمار نہیں ہوتی؟

(الف) زکوٰۃ (ب) تحفہ

(ج) کمیشن (د) بھیک

6۔ کسی ملک میں عاملین پیدائش کی خدمات اور اداروں کی پیداواری سرگرمیوں کو کیا کہتے ہیں؟

(الف) قومی آمدنی کی پیمائش (ب) قومی آمدنی کا دائروی بہاؤ

(ج) پیداواری مرحلے (د) عاملین پیدائش کے معاوضے

7۔ ذیل میں کونسا قومی مسئلہ کلی معاشیات کے زیر بحث نہیں آتا؟

(الف) قومی آمدنی (ب) روزگار

(ج) سرمایہ کاری (د) فرم کی قیمتوں کا تعین

8۔ ذیل میں سے کونسی سرمایہ کاری خود اختیار سرمایہ کاری نہیں ہے؟

(الف) سڑکوں کی تعمیر (ب) ڈیم کی تعمیر

(ج) ہسپتالوں کا قیام (د) اشیاو خدمات پر خرچ

سوال2: درج ذیل جملوں میں دی گئی خالی جگہیں پُر کریں۔

1۔ ________ کلی معاشیات کی ایک بنیادی اصطلاح ہے۔

2۔ لگان' اُجرت' سود اور منافع کے مجموعہ کا نام ________ ہے۔

3۔ ______ اخراجات سے مراد جو سال بھر میں مشینوں' گاڑیوں اور سرمایاتی آلات کو اصلی حالت میں رکھنے پر اُٹھتے ہیں۔

4۔ بے روزگار، نادار اور حاجت مند افراد کو بغیر محنت کے جو رقوم حکومت کی طرف سے ملتی ہیں انہیں ______ کہتے ہیں۔

5۔ قابل تصرف شخصی آمدنی = شخصی آمدنی منفی ________

6۔ خالص قومی پیداوار = خام قومی پیداوار منفی ________

7۔ ________ آمدنی سے مراد وہ آمدنی ہے جو خرچ کرنے یا پس انداز کرنے کے لئے دستیاب ہو۔

سوال:3 کالم (الف) اور کالم (ب) میں دیے گئے جملوں میں مطابقت پیدا کر کے دُرست جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم(الف)	کالم(ب)	کالم(ج)
قومی آمدنی	انتقالی ادائیگیاں	
حقیقی آمدنی	توڑ پھوڑ کے اخراجات	

زکوٰۃ، انعام، گفٹ وغیرہ	زری آمدنی / قیمتوں کا معیار × 100	
قومی آمدنی کا دائروی بہاؤ	سیلز، ایکسائز ڈیوٹی وغیرہ	
بالواسطہ ٹیکس	اشیاوخدمات کی زری مالیت	
براہ راست ٹیکس	عاملین پیدائش اور ادارے	
عاملین پیدائش کے معاوضے	انکم اور پراپرٹی ٹیکس	
اعانتیں	حکومت کی مالی مدد	
دُہری گنتی سے بچاؤ	قومی آمدنی	
قومی آمدنی کا توازن	مشین، آلات وغیرہ	
	قومی پیداوار منفی فرسودگی الاؤنس	
	شے کی حتمی شکل	
	بچت = سرمایہ کاری	

سوال 4: ذیل کے گوشوارہ میں قومی آمدنی کی فرضی قدریں دی گئی ہیں ان کی مدد سے معلوم کریں۔

(i) خام ملکی پیداوار　(ii) خام قومی پیداوار

(iii) خالص قومی پیداوار　(iv) قومی آمدنی بلحاظ مصارف پیدائش

گوشوارہ

نجی صرفی خرچ	250 بلین روپے
مجموعی سرمایہ کاری	50 بلین روپے
سرکاری صرفی اخراجات	100 بلین روپے
برآمدات	50 بلین روپے
درآمدات	100 بلین روپے
اخراجات پر ٹیکس (بالواسطہ ٹیکس)	50 بلین روپے
اعانتیں	10 بلین روپے
بیرونی ممالک سے حاصل شدہ رقوم	50 بلین روپے
فرسودگی الاؤنس	10 بلین روپے

سوال 5: درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے۔

1۔ قومی آمدنی سے کیا مراد ہے؟
2۔ جدید دور کے مطابق قومی آمدنی کی جامع تعریف کریں۔
3۔ خام ملکی پیداوار سے کیا مراد ہے؟
4۔ خام قومی پیداوار سے کیا مراد ہے؟
5۔ خام ملکی پیداوار اور خام قومی پیداوار میں کیا فرق ہے؟
6۔ خالص قومی پیداوار سے کیا مراد ہے؟
7۔ شخصی آمدنی سے کیا مراد ہے؟
8۔ قابل تصرف شخصی آمدنی سے کیا مراد ہے؟
9۔ قومی آمدنی کی پیائش کرنے کے تینوں طریقوں کو دو دو سطروں میں الگ الگ بیان کریں۔
10۔ قومی آمدنی کی پیائش کا طریقہ ''اخراجات کا مجموعہ'' میں کونسے اخراجات شامل ہوتے ہیں؟
11۔ آمدنی اور انتقالی ادائیگی میں کیا فرق ہے؟
12۔ فرسودگی کے اخراجات سے کیا مراد ہے؟
13۔ قومی آمدنی کے دائروی بہاؤ یا متواتر بہاؤ سے کیا مراد ہے؟
14۔ خود اختیار اور ترغیب یافتہ سرمایہ کاری میں فرق واضح کریں۔

سوال 6: درج ذیل سوالات کے جوابات تفصیل سے تحریر کریں۔

1- قومی آمدنی سے کیا مراد ہے۔ قومی آمدنی کی پیائش کیسے کی جاتی ہے؟
2- قومی آمدنی کے مختلف تصورات کی وضاحت کیجئے۔
3- درج ذیل اصطلاحات کی وضاحت کیجئے۔

i- خام قومی پیداوار (GNP) ii- خام داخلی پیداوار (GDP)

iii- شخصی آمدنی (PI) iv- قابل تصرف شخصی آمدنی (DPI)

4- قومی آمدنی کی پیائش کے مختلف طریقے وضاحت سے بیان کریں، اور پیائش میں آنے والی مشکلات تحریر کریں۔
5- قومی آمدنی کے توازن کی وضاحت ڈائیگرام کی مدد سے کیجئے۔

باب 2

زر (MONEY)

انسانی تاریخ سے ظاہر ہے کہ ابتدا میں انسان جنگلوں اور غاروں میں رہتا تھا۔ جنگلی جانوروں کے گوشت اور سبزیوں سے اپنی بھوک مٹاتا تھا۔ کھال اور درختوں کے پتوں سے اپنے جسم ڈھانپتا تھا۔ تعداد میں کم ہونے کے باعث ان کی ضروریات بھی محدود نوعیت کی تھیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ انسانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا، ضروریاتِ زندگی بڑھنے لگیں اور زندگی گزارنے کے طور طریقے مہذب ہونے لگے۔ انسان نے جنگلوں اور غاروں سے نکل کر قصبوں اور شہروں کا رخ کیا اور قبیلوں کی صورت میں زندگی بسر کرنا شروع کر دی۔ ایسے میں اسے ضروریات زندگی کے حصول میں کئی مشکلات اور پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ اُسے رہنے کے لیے چھت، جسم ڈھانپنے کے لیے لباس، بھوک مٹانے کے لیے خوراک وغیرہ کی ضرورت تھی اور ان اشیا کے حصول کیلئے اسے دوسرے لوگوں پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ چونکہ انسانی تمدن کے اولین دور میں نہ تو زر موجود تھا اور نہ ہی کوئی ایسی شے دستیاب تھی جو کہ اشیا کے لین دین میں سب کو قابلِ قبول ہو اور لوگ اپنی ضروریاتِ زندگی کی اشیا و خدمات اس شے کے بدلے حاصل کر سکیں۔ چنانچہ مختلف وقتوں میں مختلف اشیا کو بطور زر استعمال کیا گیا۔ جس میں جانور، کھالیں، تیر، غلہ، سیپ، پتھر، کوڑیاں اور مختلف دھاتیں قابلِ ذکر ہیں لیکن ان سب میں کوئی نہ کوئی نقص پایا جاتا تھا جس کی وجہ سے یہ اشیا آلہ تبادلہ کی حیثیت حاصل نہ کر سکیں۔ دورِ حاضر کے انسان کی معاشیات کے حوالے سے سب سے بڑی ایجاد زر ہے۔ زر کی ایجاد سے اشیا کے بدلے اشیا کا تبادلہ کرنے میں انسان کو جن مشکلات یا پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا ان پر نہ صرف قابو پا لیا گیا بلکہ معاشی نظام کو نکھارنے اور ترقی دینے میں زر نے اہم کردار ادا کیا۔ اسی لیے زر آج ہر معیشت کیلئے ناگزیر ہے اور اس کے بغیر کوئی معیشت اپنے معاشی فرائض سرانجام نہیں دے سکتی۔

موجودہ باب میں ہم براہِ راست تبادلہ کا نظام، زر کا ارتقا، زر کی تعریف، زر کے فرائض اسکی اقسام، زر کے اوزار، زر کی طلب و رسد اور زر کی قدر پر بحث کریں گے۔

براہِ راست تبادلہ کا نظام (Barter System)

تاریخ سے ثابت ہے کہ انسان کا ابتدائی معاشی دور سادہ مگر پسماندگی کا شکار تھا۔ لوگوں کی ضروریات محدود تھیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ انسان مہذب اور باشعور ہوتا چلا گیا۔ اب اس نے بامقصد اور صاف ستھری زندگی گزارنے کے لیے لامحدود ضروریات کی تکمیل کے لیے مختلف شعبے بطور پیشہ اختیار کرنے شروع کر دیے اور اپنی ضروریات کے حصول کے لیے دوسروں پر انحصار کی ضرورت کو ترویج دینا شروع کر دیا۔ یعنی اپنی ضروریات کی تسکین کے لیے دیگر کاروباری شعبوں سے اپنی اشیا کا تبادلہ شروع کر دیا۔ مثال کے طور پر ایک کاشتکار اپنی زرعی اجناس کے بدلے ضرورت کی اشیا مثلاً جوتے، کپڑے، بھیڑ بکریاں، تیر کمان، کھال وغیرہ دوسرے شعبوں سے متعلق لوگوں سے حاصل کر لیتا تھا۔ علم معاشیات میں انسانی لین دین کے اس عمل کو تبادلہ اشیا کے نظام کار (Barter System) کا نام دیا جاتا ہے۔ یاد رہے شروع میں انسان کے پاس زر یا بطور زر استعمال میں آنے والی کوئی ایسی شے موجود نہ تھی جس کے بدلے اشیا حاصل کی جا سکتیں اس لیے اشیا

کے بدلے اشیا کے تبادلے کے نظام کو فروغ دیا گیا۔

پروفیسر سٹینلے (Professor Stanley) کے مطابق:

"براہِ راست تبادلہ کا نظام ایسی معیشت کو ظاہر کرتا ہے جس میں کوئی شے قبولیت عامہ کی حیثیت نہ رکھتی ہو اور اشیا کا اشیا سے تبادلہ کیا جاتا ہو"۔

لہٰذا سادہ الفاظ میں براہِ راست تبادلہ کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے:

''براہِ راست تبادلہ کے تحت اشیا کا تبادلہ براہ راست اشیا کے ساتھ کیا جاتا ہے اور زر کو استعمال نہیں کیا جاتا ہے''۔

براہِ راست تبادلہ کے تحت اشیا کے لین دین کا یہ طریقہ کار ہزاروں سال تک رائج رہا۔ آج بھی ترقی پذیر ممالک کے کئی پسماندہ قصبوں اور دیہاتوں میں لوگ اس نظام کے تحت اشیا کا تبادلہ کر کے اپنی ضروریات کی تکمیل کر رہے ہیں۔ تبادلہ کے اس نظام میں معاشی نظام کے پھیلاؤ کی وجہ سے کئی مشکلات درپیش آئیں جن کے باعث براہ راست تبادلہ کا نظام اپنی اہمیت کھو بیٹھا اور زوال پذیر ہو کر بالآخر ختم ہو گیا۔

2.1 براہِ راست تبادلہ کے نظام کی مشکلات (Difficulties of Barter System)

براہ راست تبادلہ کے نظام کی درج ذیل مشکلات ہیں:

1۔ ضروریات کی دوطرفہ مطابقت کا فقدان (Lack of Double Coincidence of Wants)

ضروریات کی دوطرفہ مطابقت کا فقدان براہ راست تبادلہ کے نظام کی سب سے بڑی خامی تھی۔ کیونکہ اس نظام کے تحت ہر ضرورت مند کو ایسا شخص تلاش کرنا پڑتا تھا جو اس کی شے کے عوض اپنی شے دینے پر تیار ہو۔ یعنی اگر الف شخص کے پاس گندم ہے اور وہ گندم کے عوض کپڑا حاصل کرنا چاہتا ہو تو الف شخص ایسا آدمی تلاش کرلے جس کے پاس کپڑا بھی ہو اور وہ اسے گندم کے عوض دینے پر تیار بھی ہو۔ لیکن الف شخص کو ایسا آدمی تلاش کرنے میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ الف شخص کو ایسا آدمی تو مل جائے جس کے پاس کپڑا موجود ہو لیکن وہ گندم کے عوض دینے کو تیار نہ ہو یا پھر ایسا آدمی مل جائے جس کو گندم کی ضرورت ہو لیکن اس کے پاس دینے کیلئے کپڑے کی بجائے کوئی اور شے موجود ہو۔ لہٰذا تبادلے کی دوطرفہ مطابقت بمشکل ہی ممکن ہوتی تھی۔ اس لیے افراد کے لیے ضروریات کی دوطرفہ مطابقت کا نہ ہونا اس نظام کی ناکامی کا باعث بنا۔

2۔ مشترک پیمانہ قدر کا فقدان (Lack of Common Measure of Value)

براہِ راست تبادلہ کے نظام میں اشیا کی نسبتی مالیت کو جانچنے کا کوئی پیمانہ موجود نہ تھا جس سے یہ تعین ہوسکے کہ کسی شے کے بدلے دوسری شے کی کتنی مقدار حاصل کی جاسکتی ہے۔ ہاں اگر خوش قسمتی یا اتفاقی طور پر دو ایسے افراد کا ملاپ ہو بھی جاتا جن کی ضروریات میں باہم مطابقت موجود ہوتی تو پھر دقت پیش آتی تھی کہ ایک شخص کی شے کی کتنی مقدار کے عوض دوسرے شخص کی شے کی کتنی مقدار کا تبادلہ کیا جائے۔ مثال کے طور پر اگر کسی شخص کے پاس 10 کلو چاول ہیں اور وہ گندم کے عوض بدلنا چاہتا ہو۔ فرض کریں کہ گندم کے خواہشمند کو ایسا شخص مل جائے جو اپنی گندم چاولوں کے عوض بدلنے پر تیار ہو۔ ایسے میں اگر چاولوں کا مالک 10 کلو چاول کے عوض 20 کلو گندم طلب کرے لیکن

گندم کا مالک 10 کلو چاول کے عوض صرف 10 کلو گندم دینے کو تیار ہو تو دو طرفہ مطابقت ہونے کے باوجود سودا طے کرنا مشکل ہو گا۔ براہِ راست تبادلہ کے دور میں بسا اوقات ضرورت کی شرط کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی لوگ اپنی شے کی زائد مقدار دوسروں کو دیکر بدلے میں کم مقدار وصول کر لیتے تھے اور دونوں میں کسی ایک کو نقصان اُٹھانا پڑتا تھا۔ اسطرح براہ راست تبادلہ کا نظام مشترک پیمانہ قدر کی عدم دستیابی اور ضرورت کی شرط کے باعث مشکلات کا شکار بن کر اپنی اہمیت کھو بیٹھا۔

3۔ اشیا کی عدم تقسیم پذیری (Lack of Divisibility of Goods)

براہ راست تبادلہ کے نظام میں بہت سی اشیا مثلاً گائے، بکری، کرسی وغیرہ کی تقسیم پذیری ناممکن تھی۔ جس کی وجہ سے ضروریات کی دوسری اشیا مختلف افراد سے حاصل نہیں کی جاسکتیں تھیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی شخص کے پاس تیر کمان تھا اور وہ اس کے بدلے گندم، چاول یا دودھ حاصل کرنا چاہتا تھا تو وہ ان اشیا کو حاصل کرنے کیلئے تیر کمان کو تقسیم نہیں کر سکتا تھا۔ بسا اوقات براہ راست تبادلہ میں ایک اور دقت یہ پیش آتی تھی جس میں ضرورت مند کو اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے زائد قدر و مالیت کی شے قربان کرنا پڑتی تھی مثلاً اگر کسی شخص کو پہننے کے لیے جوتا درکار ہوتا اور اس کے پاس جوتے حاصل کرنے کیلئے ایک گائے ہوتی تو ایسے میں وہ گائے کو ٹکڑوں میں تو تقسیم کر نہیں سکتا تھا۔ لہٰذا اسے یا تو جوتوں کے عوض گائے دینا پڑتی تھی یا پھر اپنی ضرورت کو چھوڑنا پڑتا تھا۔ لہٰذا ایسی کئی ناقابل تقسیم اشیا کی صورت میں براہ راست تبادلہ کا نظام ناکام ہو گیا اور اشیا کے لین دین میں خاصی مشکلات پیدا کرنے کا سبب بنا۔

4۔ ذخیرہ قدر کا فقدان (Lack of Store of Value)

براہ راست تبادلہ کے زمانے میں لوگوں کے پاس دولت گائے، بھینس، بکریوں اور اشیا مثلاً پھل، سبزیوں، دودھ، مچھلی وغیرہ کی صورت میں ہوتی تھی۔ ان اشیا کی قدر کو ذخیرہ کرنے میں بہت سی دشواریاں درپیش تھیں۔ کیونکہ گائے، بھینس، بکریوں کی دیکھ بھال اور نگہداشت پر کثیر اخراجات اور وسیع جگہ درکار ہونے کے باعث مالک کو کافی نقصان اٹھانا پڑتا تھا جبکہ گل سڑ جانے والی اشیا پھل، مچھلی، سبزیوں وغیرہ کو بھی لمبی مدت کے لیے ذخیرہ کرنا ناممکن تھا۔ کیونکہ ایسی سہولیات ہی میسر نہ تھیں کہ انہیں بحفاظت ذخیرہ کیا جاسکے۔ اس لیے یہ اشیا جلد خراب ہو جاتی تھیں۔ اس طرح ان اشیا کے مالکان کو بڑا نقصان برداشت کرنا پڑتا تھا۔ ان حالات میں براہِ راست تبادلہ کا نظام اشیا کے ذخیرہ نہ ہونے کے پیش نظر مشکلات کا شکار ہو کر اپنی حیثیت کھو بیٹھا اور ناپید ہو گیا۔

5۔ دولت کی نقل مکانی کا فقدان (Lack of Transfer of Wealth)

براہ راست تبادلہ کے دور میں لوگوں کے پاس دولت خصوصاً زمین اور اثاثے مویشیوں اور اشیا کی شکل میں ہوتے تھے جن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ، ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں منتقل کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ مثال کے طور پر اگر کسی شخص کے پاس دولت، گائے، بھینس، بکریوں، گھوڑے، اونٹوں، غلے، پھل اور سبزیوں کی صورت میں ہوتی تھی تو اسے ان اشیا کو دوسری جگہ منتقل کرنے میں کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ پھل اور سبزیاں گل سڑ جاتی تھیں اور نقل مکانی پر بے شمار اخراجات برداشت کرنا پڑتے تھے۔ اس طرح ایسے افراد جن کو گھر فروخت کرنے کے عوض متعدد اشیا ملتی تھیں ضروری نہیں انہیں کسی دوسری جگہ ان اشیا کے بدلے گھر مل سکے۔ ان حالات میں لوگوں کو اپنی دولت یا اثاثے منتقل کرنے میں کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

6۔ مستقبل کی ادائیگیوں میں دقت (Difficulty in Deferred Payments)

براہِ راست تبادلہ کے زمانے میں مستقبل کی ادائیگیاں چکانے کے سلسلے میں کئی مشکلات درپیش تھیں۔ چونکہ براہِ راست تبادلہ کے دور میں زر تو موجود نہ تھا اس لیے لوگ اُدھار اشیا کی شکل میں حاصل کرتے اور اشیا کی شکل میں ہی واپس کرتے تھے۔ اس صورت میں یہ مشکل پیش آتی تھی کہ اگر کسی شخص نے قرض دار کو قحط سالی کے زمانے میں ایک بوری گندم اُدھار دی ہوتی اور اسے گندم کی فراوانی کے زمانے میں گندم کی پہلے جتنی ہی مقدار واپس ملتی تو ایسے میں اُدھار لین دین کے سلسلے میں دونوں فریقوں کے درمیان کئی قسم کی رنجشیں پیدا ہو جاتیں مثلاً گندم کی قدر۔ اسی طرح اُدھار لین دین کے معاملے میں مویشیوں کا استعمال بھی دقت کا باعث بنتا تھا۔ کیونکہ اگر کوئی شخص کوئی مویشی اُدھار لے کر جاتا تو واپسی پر قرض خواہ کئی اعتراضات اُٹھاتا مثلاً مویشی بیمار ہے کمزور ہے بڑا یا چھوٹا ہے وغیرہ ان حالات میں براہِ راست تبادلہ کا نظام دونوں فریقوں کے درمیان اُدھار لین دین کے سلسلے میں اپنا موثر کردار ادا نہ کر سکا۔

7۔ حکومتی وصولیوں کے حصول میں دقت
(Difficulty in Collection of Government Revenues)

براہِ راست تبادلہ کے زمانے میں ایک اور مشکل یہ تھی کی حکومت اپنے واجبات اور اخراجات زر کی عدم موجودگی کے باعث کسی جنس یا شے کی صورت میں وصول اور خرچ کرتی تھی۔ چونکہ حکومت وصولیاں اشیا (مثلاً گائے، بھینس، بکری، گندم، پھل، سبزیوں وغیرہ) کی صورت میں وصول کرتی تھی اس لیے ان اشیا کا ذخیرہ کرنا بڑا مشکل کام تھا۔ سبزیاں، پھل وغیرہ گل سڑ جاتے تھے۔ اسطرح حکومت کو کثیر نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ دوسری طرف حکومت کو اپنے فرائض سرانجام دینے کیلئے مختلف لوگوں کو ادائیگیاں کرنا پڑتی تھیں جو اشیا کی شکل میں ہونے کے باعث دوطرفہ مطابقت کا نہ ہونا، عدم تقسیم پذیری، ذخیرہ قدر کا نہ ہونا وغیرہ جیسی مشکلات کے باعث حکومت کے لیے کئی قسم کے مسائل کو جنم دیتی تھی۔ ان حالات میں یہ نظام بُری طرح متاثر ہوا اور اپنی قدر کھو بیٹھا۔

2.2 زر کا ارتقا (Evolution of Money)

براہِ راست تبادلہ کے نظام کی خامیوں نے انسان کو ایسا آلہ تبادلہ تلاش کرنے پر مجبور کر دیا جو متذکرہ بالا مشکلات پر قابو پا سکے اور لوگ اپنی ضروریات کی اشیا کا لین دین باآسانی کر سکیں۔ چنانچہ سب کو قابلِ قبول آلہ تبادلہ کی تلاش کے مختلف مراحل پر انسان نے مخصوص اشیا کو بطور زر استعمال کیا جو اپنے اپنے دور کے نظام کی تہذیبی، معاشی اور صنعتی ترقی کی عکاسی کرتے ہیں۔ زر کے ارتقا کے سلسلے میں استعمال ہونے والی اشیا کے بسلسلہ ادوار کوئی قطعی تقسیم بندی نہیں کی جاسکتی کیونکہ کسی ایک ہی دور میں بیک وقت ایک سے زیادہ قسم کے زر استعمال ہوتے رہے ہیں۔ لہٰذا ارتقائی نقطہ نظر سے زر کی اقسام کی وضاحت درج ذیل طریقہ سے کی جاسکتی ہے۔

الف۔ اشیائی زر یا اجناسی زر (Commodity Money)

چونکہ انسانی تمدن کے اولین دور میں نہ تو زر موجود تھا اور نہ ہی کوئی ایسی شے دستیاب تھی جو کہ اشیا کے لین دین میں سب کو قابلِ قبول ہو اور لوگ اپنی ضروریات کی اشیا اس شے کے بدلے حاصل کر سکیں۔ چنانچہ مختلف وقتوں میں مختلف اشیا کو بطور زر آزمایا گیا۔ جن میں جانور، کھالیں، تیر، غلہ، سیپ، پتھر، کوڑیاں، تمباکو، زیتون کا تیل، تانبا، لوہا، چاندی، سونا، اور ہیرے قابلِ ذکر ہیں۔ اشیائی زر آج سے

تقریباً دو ہزار سال قبل تک لوگوں کی صرفی مقاصد کے لیے استعمال ہوتا رہا۔ جنہیں علاقے کی جغرافیائی، موسمی، تہذیبی اور معاشی حالات کے مطابق افراد استعمال کرتے رہے لیکن زر کی ان اقسام میں کوئی نہ کوئی نقص موجود تھا۔ جس کی وجہ سے یہ مستقل آلہ تبادلہ کی حیثیت سے استعمال نہ ہو سکے مثلاً مویشی (گائے، بھینس، بکری وغیرہ) ناقابل تقسیم ہوتے تھے۔ ضیاع پذیر اشیا کا (پھل، سبزیاں وغیرہ) ذخیرہ کرنا مشکل تھا اور کئی اشیا کا وزن زیادہ ہونے کے باعث نقل پذیری مشکل کا باعث بنتی تھی۔ چنانچہ ان حالات میں انسان نے اچھے زر کے حصول کے لیے اپنی جدوجہد اور تلاش جاری رکھی اور اشیائی زر کو خیرباد کہہ کر دھاتوں مثلاً سونا، چاندی وغیرہ کو بطور زر استعمال کرنا شروع کر دیا۔

ب۔ دھاتی زر (Metallic Money)

بطور زر قیمتی دھاتوں مثلاً سونا چاندی وغیرہ کا استعمال قبل از مسیح کے دور سے شروع ہو کر انیسویں صدی کے آخر تک رائج رہا۔ انیسویں صدی کے اختتام پر انسانی تہذیب کے فروغ کے ساتھ ہی کاروباری سرگرمیاں غلہ بانی، کاشتکاری کے دور سے نکل کر زرعی و صنعتی تجارت کے دور میں داخل ہو گئیں۔ تاجروں کو خام مال کی خرید و فروخت کے لیے دور دراز کے علاقوں میں اپنی ادائیگیاں چکانے کیلئے ایسے آلہ تبادلہ کی ضرورت تھی جو مالیت میں زیادہ اور وزن میں کم ہو۔ چنانچہ انیسویں صدی کے آخر میں اشیا کی جگہ سونے چاندی کے سکوں کو آلہ تبادلہ کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ یہ دھاتی سکے بلا روک ٹوک اشیا کے لین دین میں استعمال ہوتے رہے لیکن ان سب میں بھی کچھ نقائص پائے جاتے تھے مثلاً سونے چاندی کے سکوں پر میل جم جاتی تھی جس سے ان کی شکل دھندلا جاتی تھی۔ ان سکوں میں کھوٹ شامل کر دی جاتی تھی۔ جس کی وجہ سے جعلی اور کھرے سکوں میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ قیمتی دھاتوں کی رسد محدود ہوتی تھی اس لیے تجارت کی توسیع کے ساتھ ساتھ معیاری سکوں کی مقدار میں مطلوبہ شرح سے اضافہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ دھاتی سکوں کو بڑی مقدار میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا آسان کام نہ تھا۔

ج۔ کاغذی زر (Paper Money)

چونکہ دھاتی سکے وزن دار ہونے کے باعث ان کو بڑی مقدار میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس لیے دھاتی سکوں کی جگہ کاغذی زر نے لے لی۔ جن کو حکومت یا حکومت کا نمائندہ ادارہ (مرکزی بنک) جاری کرتا ہے۔ کاغذی زر مختلف مالیت کے کرنسی نوٹوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس وقت دنیا کے تمام ممالک میں کاغذی زر ہی اشیا کے لین دین میں استعمال ہوتا ہے۔ کاغذی زر میں آلہ تبادلہ کے طور پر استعمال ہونے کی تمام خوبیاں موجود ہیں جو کہ کسی اچھے زر میں موجود ہونی چاہئیں مثلاً کاغذی زر وزن میں ہلکا اور قدر و مالیت میں زیادہ ہوتا ہے۔ ان کو آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے۔ نوٹ جاری کرنے والے ادارے کا خاص قسم کے طباعتی طریقہ کار کے تحت جعلی نوٹوں کا اجرا روکا جا سکتا ہے۔ کاغذی نوٹ حکومت کے واضح کردہ طریقہ کار کے تحت ایک خاص مقدار میں چھپ سکتے ہیں اس لیے ان کی کامیابی اور قدر و مالیت کو موثر بنا کر قبولیت عامہ کا وصف بھی یقینی بنایا جا سکتا ہے۔

د۔ اعتباری زر (Credit Money)

اعتباری زر ایک ایسی قانونی تحریر ہے جس کا دستخط کنندہ اس تحریر کے حامل ہذا کو درج شدہ رقم ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ اعتباری زر بھروسے یا اعتبار کی بنیاد پر معیشت میں گردش کرتا ہے۔ تجارتی بنکوں کے جاری کردہ ڈرافٹ، چیک، پے آرڈر، ہنڈیاں،

کریڈٹ کارڈز وغیرہ اعتباری زر کہلاتے ہیں۔ اس وقت دنیا کے تمام ممالک میں مقدارِ زر کا ایک نمایاں حصہ اعتباری زر پر مشتمل ہے۔ اس لیے معیشت کی تمام معاشی و ترقیاتی سرگرمیاں اعتباری زر کی گردش سے وابستہ ہیں۔ اس طرح کاروباری ادائیگیوں اور وصولیوں میں زر اعتبار بطور آلہ تبادلہ وسیع پیمانے پر استعمال ہو رہا ہے۔ زر اعتبار کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نہ صرف اس کا استعمال بڑھتا جا رہا ہے بلکہ اس کی نئی اقسام وجود میں آ رہی ہیں۔

2.3 زر کی تعریف (Definition of Money)

منڈیاتی نظام کو موثر بنانے اور مختلف شعبوں کو آپس میں یکجا رکھنے کے لیے قیمتوں کا زری نظام اہم کردار ادا کرتا ہے۔ قیمتوں کے اظہار کے لیے زر ایک معیار کی حیثیت سے نہ صرف معاشی شعبوں میں قیمتوں کے تغیرات کو استحکام فراہم کرتا ہے بلکہ آلہ تبادلہ کی حیثیت سے اشیا کے لین دین اور قرضوں کی ادائیگی کا ذریعہ بنتا ہے۔ زر کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے مختلف معیشت دانوں نے مختلف ادوار میں زر کے مفہوم کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔

پروفیسر واکر (Professor Walker) نے زر کو بیان کرتے ہوئے کہا:

"Money is what money does".

''زر سے مراد وہ شے ہے جو بطور زر اپنے فرائض سرانجام دیتی ہے''

مورگن (Morgan) کے نزدیک:

"Money is anything that is widely used in payments of debts".

زر وہ شے ہے جو عام طور پر قرضوں کی ادائیگی کے لیے استعمال ہوتا ہے''۔

جیوفرے کراؤتھر (Geofferoy Crowther) کے مطابق:

" Anything that is generally acceptable as a means of exchange and at the same time acts as a measure and a store of value"۔

''کوئی بھی وہ شے زر کہلاتی ہے جسے آلہ تبادلہ کی حیثیت سے قبولیت عامہ حاصل ہو اور ساتھ ہی ساتھ پیمانہ قدر اور ذخیرہ قدر کا کام سرانجام دے''۔

جی کراؤتھر نے اپنی تعریف میں زر بطور آلہ قبولیت عامہ، پیمانہ قدر اور ذخیرہ قدر کے معنوں میں پیش کر کے زر کے اہم فرائض کی طرف توجہ دلائی لیکن زر کے ایک اہم فرض مستقبل کی ادائیگیوں کو نظر انداز کر دیا۔

جے ایم کینز (J.M. Kaynes) کی تعریف کراؤتھر سے زیادہ جامع اور مفصل ہے کیونکہ اس نے زر کے تمام فرائض کا اپنی تعریف میں جائزہ لیا ہے:

"That by delivery of which debt contracts and price contracts are discharged and in the shape of which a store of general purchasing power is held".

"زر وہ شے ہے جس کے ذریعے اُدھار کے معاہدوں اور قیمت کے معاہدوں کی ادائیگیاں چکائی جاتی ہیں اور جس کی

شکل میں عام قوتِ خرید کا ذخیرہ کیا جاتا ہے"۔

جے ایم کینز کی تعریف کو ہم درج ذیل حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں جس کی بنیاد پر زر کی تعریف واضح ہوگی۔

الف۔ اُدھار کے معاہدے بحیثیت مستقبل کی ادائیگیاں: ان سے مراد اشیا کے لین دین کے معاملے میں وہ ادائیگیاں ہیں جن کو مستقبل میں چکانے کا وعدہ کیا گیا ہو۔ لہٰذا زر مستقبل کی ادائیگیوں میں معیار کا کام سرانجام دیتا ہے۔

ب۔ قیمت کے معاہدے بحیثیت پیمائش قدر: چونکہ قیمتوں کی ادائیگی کے لیے زر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے زر مال کی ادائیگی کے لیے پیمانہ قدر کا کام بھی دیتا ہے۔

ج۔ معاہدوں کی ادائیگیاں چکانا بحیثیت آلہ تبادلہ: زر آلہ تبادلہ کی حیثیت سے مستقبل کی ادائیگیاں چکانے میں کام آتا ہے۔

د۔ قبولیت عامہ: زر کو اشیا کے لین دین میں بلا حیل و حجت قبول کر لیا جاتا ہے کیونکہ اسے قبولیت عامہ حاصل ہوتی ہے۔

ح۔ ذخیرہ قدر: چونکہ زر کی صورت میں دولت کا ذخیرہ کیا جا سکتا ہے اس لیے زر بحیثیت ذخیرہ بھی استعمال ہوتا ہے۔

جے ایم کینز کی تعریف کا جائزہ لینے کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ اس کی تعریف زر کے تمام ممکنہ فرائض کا احاطہ کرتی ہے۔ یعنی مستقبل کی ادائیگیوں کے معیار، پیمانہ قدر، آلہ تبادلہ اور ذخیرہ قدر وغیرہ۔

2.4 زر کے فرائض (Functions of Money)

زر کے اہم فرائض درج ذیل ہیں:

1۔ آلۂ تبادلہ (Medium of Exchange)

اشیا کا لین دین کرتے وقت زر بطور آلہ تبادلہ اپنا کام سرانجام دیتے ہوئے پیدائش دولت، تقسیم دولت اور تبادلہ دولت کے عمل کو تقویت بخشتا ہے۔ افراد بحیثیت عاملین پیدائش پیداواری اداروں کو اپنی خدمات مہیا کر کے زر کی صورت میں آمدنیاں وصول کرتے ہیں اور کاروباری ادارے اشیا فراہم کر کے زر کی صورت میں اشیا و خدمات کی مالیت صارفین سے وصول کر لیتے ہیں۔ اس طرح زر بطور آلہ تبادلہ عاملین پیداوار اور کاروباری اداروں کے درمیان گردش کرتے ہوئے پیدائش دولت، تقسیم دولت اور تبادلہ دولت کے عمل کو جاری رکھتا ہے۔ اس طرح زر کی بدولت اب براہ راست تبادلہ کے زمانے کی مشکل، اشیا کی دوطرفہ مطابقت کا نہ ہونے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ اب ہر کوئی اپنی اشیا کو منڈی میں فروخت کر کے اپنی مرضی اور ضرورت کی اشیا حاصل کر سکتا ہے۔ اس طرح زر اشیا و خدمات کی خرید و فروخت کے وقت لوگوں کے درمیان بطور آلہ تبادلہ بلا روک ٹوک گردش کرتا ہے۔

2۔ پیمانہ قدر (Measure of Value)

زر اشیا و خدمات کی قدر (Value) کی پیمائش کا کام بخوبی سرانجام دیتا ہے۔ جس طرح گندم، چینی، چاول وغیرہ کی پیمائش کے لیے مختلف اوزان کے باٹ، کپڑے کی پیمائش کے لیے میٹر بحیثیت معیار استعمال ہوتے ہیں اسی طرح اشیا و خدمات کی قدر و قیمت جانچنے کے لیے زر بطور معیار (Standard) استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ مختلف اشیا کی قدر و مالیت مختلف ہوتی ہے۔ اس لیے زر کو مشترک پیمانہ قدر مانتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ ایک کلوگرام چینی کی قیمت 50 روپے ہے۔ ایک میٹر کپڑے کی قیمت 100 روپے ہے۔ اس طرح ہر شخص زر کی

بدولت اپنی اشیا کی قدر و مالیت کا اندازہ بخوبی کر سکتا ہے جو کہ براہ راست تبادلہ کے دور میں ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ اس نظام کے تحت یہ دیکھنا پڑتا تھا کہ ایک کلوگرام چینی کتنی گندم یا کتنے میٹر کپڑے کے برابر ہے اب زر کی بدولت تمام اشیا وخدمات کی قدری مالیت کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

-3 انتقال قدر (Transfer of Value)

براہ راست تبادلہ میں قدر (دولت) کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا بڑا مشکل کام تھا۔ اب زر کی موجودگی میں اشیا کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی بجائے ان کو زری مالیت میں بیچ کر دوسری جگہ اس زر سے یہ اشیا حاصل کی جا سکتی ہیں۔ لہٰذا زر کی بدولت اب لوگ اپنے اثاثوں کو بیچ کر دوسری جگہ اثاثے منتقل کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک کسان اپنی زمین اور اشیا کو بیچ کر جہاں چاہے اپنی مرضی کی زمین اور اشیا زر کے عوض خرید سکتا ہے۔

-4 حکومتی ادائیگیوں اور وصولیوں کا ذریعہ

(Means of Government Payments and Revenues)

زر حکومت کے لیے ادائیگیوں اور وصولیوں کے لیے معیار کا کام بھی سرانجام دیتا ہے۔ اب زری نظام میں حکومت اپنے تمام واجبات (مثلاً ٹیکس، محصولات، مالیہ، جرمانے، یوٹیلیٹی بل وغیرہ) اور ادائیگیاں (مثلاً تنخواہیں، پنشن، وظائف، انعامات وغیرہ) سب زر کی صورت میں وصول اور ادا کرتی ہے لیکن براہ راست تبادلہ کے دور میں زر نہ ہونے کے باعث حکومت کے لیے کئی مشکلات تھیں لیکن زر نے اس مشکل کو بھی دُور کر دیا اب حکومت زر کی صورت میں اپنی وصولیاں اور ادائیگیاں کرتی ہے۔ جس کے باعث حکومت کے انتظامی عمل کو تقویت ملی ہے۔ اس کے علاوہ براہ راست تبادلہ کے زمانہ میں اشیا کی برآمد و درآمد کئی مشکلات پیدا کرتی تھی لیکن زر نے بین الاقوامی تجارت کو بھی آسان بنا دیا ہے۔

5۔ معاشی ترقی (Economic Development)

کسی ملک کی معاشی ترقی میں زری نظام کے مستحکم ہونے اور قیمتوں کے نظام کے موثر ہونے کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے کیونکہ جس ملک میں زر کی گردش مناسب ہو وہاں کا معاشی ڈھانچہ مضبوط اور کامیاب بنیادوں پر ترقی کی طرف گامزن ہوتا ہے۔ ترقیاتی منصوبے جلد پایۂ تکمیل کو پہنچتے ہیں۔ غیر ملکی سرمایہ کاروں کے لیے مواقع پیدا ہوتے ہیں اور وہ سرمایہ کاری کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ بڑھتی ہوئی سرمایہ کاری ملکی پیداوار میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ بیروزگاری میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ لوگوں کی آمدنیاں بڑھنے سے ان کا معیار زندگی بلند ہو جاتا ہے اور قوت خرید بڑھ جاتی ہے، ملک معاشی ترقی کی طرف تیزی سے بڑھنے لگتا ہے اور معاشی طور پر ملک مستحکم ہو جاتا ہے۔

6۔ متفرق فرائض (Miscellaneous Functions)

بطور آلہ تبادلہ زر معاشی سرگرمیوں کو درج ذیل طریقوں سے تقویت بخشتا ہے:

i۔ جدید دور میں قیمتوں کے زری نظام کو موثر بنانے اور روزمرہ کے حساب کتاب کیلئے زر استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی اشیا کی قیمتیں اور عاملین پیدائش کے معاوضے زر کی صورت میں متعین ہوتے ہیں۔

ii۔ لوگ زر کو مقبول ترین آلہ مبادلہ ہونے کے باعث بغیر کسی حیل و حجت قبول کر لیتے ہیں جبکہ قیمتی اشیا مثلاً، چاندی، ہیرے وغیرہ کو قبولیت عامہ حاصل نہیں ہے۔

iii۔ زر سیال پذیر اثاثہ (Liquid Asset) ہے۔ جسے کسی بھی وقت اشیا و خدمات کی خریداری پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔

iv۔ حکومت اپنی ضروریات اور خسارے کو پورا کرنے کیلئے جب چاہے زر کی رسد بڑھا سکتی ہے۔

v۔ جدید بنکاری نظام زر کی بدولت ہی اپنے کاروبار کو وسعت دیتا ہے۔

2.5 زر کی اقسام (Kinds of Money)

زر کی اہم اقسام درج ذیل ہیں:

1۔ دھاتی زر (Metallic Money)

مختلف دھاتوں مثلاً سونا، چاندی، نکل، لوہا وغیرہ سے بنائے گئے سکوں کو دھاتی زر کہتے ہیں۔ دھاتی زر کا استعمال قبل از مسیح کے دور سے لے کر انیسویں صدی کے آخر تک رائج رہا۔ ابتدائی دور میں یہ زر قیمتی دھاتوں کے مخصوص اوزان کے ٹکڑوں پر مشتمل ہوتا تھا لیکن بیسویں صدی میں مختلف ریاستوں کے حکمرانوں نے باقاعدہ ٹکسالیں (Mints) قائم کر کے مختلف اوزان کے سکوں پر ان کی قدری مالیت، حکمرانوں کی اشکال اور حکمرانوں کے نام کندہ کرنے شروع کر دیے۔ قیمتی دھاتوں کے ان سکوں کا رواج زیادہ دیر تک جاری نہ رہا اور ناپید ہو گیا۔ اب دھاتی زر عام دھات کے آمیزے سے تیار کیے جاتے ہیں جن کی دو اہم اقسام درج ذیل ہیں۔

i۔ معیاری زر (Standard Money)

معیاری زر کی ظاہری اور حقیقی قدر و قیمت آپس میں برابر ہوتی ہے۔ اس لیے اسے پوری مالیت کا سکہ (Full Bodied Coin) بھی کہتے ہیں۔ اس قسم کے سکے میں جو شے بھی بطور زر استعمال کی جا رہی ہو اس کی دھاتی مالیت اس سکے پر کندہ کی گئی مالیت کے برابر ہوتی ہے۔ بالالفاظ دیگر معیاری زر کی بیرونی سطح پر جو مالیت لکھی گئی ہوتی ہے اتنی ہی مالیت کی قیمتی دھات اس سکے میں موجود ہوتی ہے۔ 1893 سے قبل برصغیر میں استعمال ہونے والا سکہ پوری مالیت کا تھا کیونکہ جتنی مالیت اس سکے پر درج ہوتی تھی اتنی ہی مالیت کی چاندی اس میں موجود ہوتی تھی۔ انیسویں صدی کے اوائل میں قیمتی دھاتوں کی قلت کے پیش نظر معیاری سکوں کا اجرا بند کر دیا گیا۔ اب کسی بھی ملک میں معیاری سکے نہیں ہوتے اور قیمتی دھاتوں کو دوسرے اہم مقاصد میں استعمال کیا جاتا ہے۔

ii۔ علامتی زر (Token Money)

علامتی زر کی ظاہری قدر و قیمت اس کی حقیقی قدر یا سکے میں موجود قدر و قیمت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے مثلاً پاکستان میں رائج تمام دھاتی سکوں اور کاغذی نوٹوں کی ظاہری قدر ان کی اندرونی یا حقیقی قدر سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ ان سکوں اور نوٹوں پر جو مالیت درج ہوتی ہے اتنی مالیت کی دھات یا کاغذی قدر ان میں شامل نہیں ہوتی۔ سکوں کی نسبت کاغذی نوٹوں کی ظاہری مالیت تو حقیقی مالیت سے کہیں زیادہ ہے۔ اس وقت دُنیا کے تمام ممالک میں علامتی زر ہی زیر گردش ہے جسے حکومت کی قائم کردہ ٹکسالیں (Mints) جاری کرتی ہیں۔

2۔ کاغذی زر (Paper Money)

کاغذی زر حکومت یا حکومت کا مرکزی بنک جاری کرتا ہے۔ جس کو اشیا و خدمات کی خرید و فروخت میں بطور آلہ تبادلہ بغیر حیل وحجت قبول کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اسے حکومت کی حمایت حاصل ہوتی ہے۔ پاکستان میں سکے حکومت پاکستان اور کاغذی نوٹ ملک کا مرکزی بنک (سٹیٹ بنک آف پاکستان) جاری کرتا ہے۔ یاد رہے کاغذی زر کے اجرا کیلئے مرکزی بنک متناسب محفوظات کا نظام (Proportional Reserve System) کو اپناتے ہوئے جاری کردہ نوٹوں کی کل مالیت کا کم سے کم 30 فیصد زر محفوظ منظور شدہ زرتبادلہ، سونے، چاندی کی شکل میں ضمانت کے طور پر رکھنا پڑتا ہے اور جاری کردہ کل نوٹوں کی باقی مالیت کو ملکی اثاثوں کو رہن رکھ کر چھاپے جاتے ہیں۔ کاغذی زر دو طرح کا ہوتا ہے۔

i۔ بدل پذیر کاغذی زر (Convertible Paper Money)

اس سے مراد وہ کاغذی زر ہے جسے حکومت یا مرکزی بنک مطالبے کی صورت میں سونے، چاندی یا منظور شدہ زرتبادلہ کی شکل میں بدلنے کا پابند ہوتا ہے۔

ii۔ غیر بدل پذیر کاغذی زر (Inconvertible Paper Money)

ان سے مراد ایسے کاغذی نوٹ ہیں جنھیں حکومت یا حکومت کا مرکزی بنک جاری تو کرتا ہے لیکن ان کے عوض مطالبہ کرنے پر ان کو سونے، چاندی یا منظور شدہ زرتبادلہ دینے کی ذمہ داری قبول نہیں کرتا۔ یاد رہے حکومت ایسے نوٹوں کو جاری کرتے وقت ان کی پشت پر سونا، چاندی یا زرتبادلہ بحیثیت زر محفوظ نہیں رکھتی لیکن اشیا کے لین دین میں سب لوگ اسے قبول کرنے کے پابند ہوتے تھے۔ اس لیے غیر بدل پذیر زر کو قانونی زر (Legal Tender) بھی کہتے ہیں ماضی میں پاکستان میں ایک روپیہ کا کاغذی نوٹ غیر بدل پذیر کاغذی زر تھا۔ کیونکہ حکومت اس کی پشت پر کوئی زر محفوظ نہیں رکھتی تھی لیکن اشیا کے لین دین میں سب لوگ اسے قبول کرنے کے پابند ہوتے تھے۔ اب پاکستان نے ایک، دو، پانچ روپے کے نوٹ ختم کر کے سکے جاری کر دیئے ہیں جنھیں مطالبے پر حکومت کے جاری کردہ روپوں کے عوض تو بدلا جاسکتا ہے لیکن ان کو سونا، چاندی یا منظور شدہ زر میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ اس وقت بشمول پاکستان دنیا کے تمام ممالک میں غیر بدل پذیر کاغذی زر کا نظام رائج ہے۔

3۔ قانونی زر (Legal Tender)

اس سے مراد ایسا زر ہوتا ہے جسے قرضوں کی ادائیگی، قیمتوں کو ادا کرنے اور عام لین دین میں حکومت کی طرف سے قانوناً قبول کرنا پڑتا ہے اس کو قبول نہ کرنا جرم تصور کیا جاتا ہے۔ اس وقت پاکستان میں رائج تمام سکے اور کرنسی نوٹ قانونی زر کہلاتے ہیں۔ جنھیں قانونی طور پر قبول کرنے کی درج ذیل وجوہات ہیں۔

i۔ حکومتی پشت پناہی کے باعث قانونی زر بطور آلہ تبادلہ استعمال ہوتا ہے اور کوئی شخص اسے اشیا کے لین دین کے معاملے میں لینے سے انکار نہیں کر سکتا ہے۔

ii۔ اُدھار لین دین کے معاملے میں اگر قرض خواہ مقروض کی ادا کردہ قانونی زر کی ادائیگی کو قبول نہ کرے تو قرض خواہ نہ صرف

واجب الادا سود بلکہ اصل رقم سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

iii۔ حکومت اپنے فرائض کو سرانجام دینے کیلئے اسی قانونی زر کو واجبات کی وصولی اور اخراجات کی ادائیگی میں استعمال کرتی ہے۔ قانونی زر کو حکمی زر (Fiat Money) بھی کہتے ہیں کیونکہ حکومت نے اس کو عام لین دین میں قبول کرنے کا اعلان کیا ہوتا ہے۔ اس لیے ملک میں رائج قانون کی رو سے اسے قبول کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ قانونی زر کو قبول نہ کرنا جرم تصور ہوتا ہے اس لیے یہ قانونی زر بعض اوقات مشکلات کا باعث بنتا ہے مثلاً چھوٹے سکوں کی صورت میں ایک بڑی رقم کی ادائیگی وصول کنندہ کے لیے مصیبت کا باعث بن سکتی ہے۔ ایسے میں انکار جرم تصور ہوگا اس مشکل پر قابو پانے کے لیے حکومت نے قانونی زر کو دو اقسام میں بانٹ دیا ہے۔

(الف) محدود قانونی زر (Limited Legal Tender)

اشیاء و خدمات کے لین دین کے معاملے میں ایسے زر کو ایک خاص مالیت کی حد تک ہی قانوناً قبول کیا جاتا ہے لیکن اگر اس زر کی ادائیگی اپنی حد سے تجاوز کر جائے تو رقم کا وصول کنندہ اسے قبول کرنے سے انکار کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر اسلم نے اکرم کو پانچ ہزار روپے دینے ہوں۔ اب اگر اسلم، اکرم کو پانچ ہزار روپے کی مالیت کے برابر چھوٹے سکے ادا کرتا ہے تو اکرم کو قانونی طور پر حق حاصل ہے کہ وہ بوجہ زحمت شمار کرنے سے اس رقم کو لینے سے انکار کردے۔ اس لیے چھوٹے سکے ایک مقررہ حد تک ہی کسی ادائیگی میں دیئے جاسکتے ہیں۔

(ب) غیر محدود قانونی زر (Un-Limited Legal Tender)

اس سے مراد ایسا قانونی زر ہے جس کی ادائیگی میں اشیاء و خدمات کی خرید و فروخت کے دوران کسی قسم کی مقررہ حد کی پابندی نہیں یعنی اس زر کی صورت میں کتنی ہی بڑی رقم کی ادائیگی وصول کنندہ کو بلا حیل وحجت قبول کرنا پڑتی ہے۔ پاکستان میں غیر محدود قانونی زر کے زمرے میں پانچ روپے کے سکے سے لے کر پانچ ہزار روپے کے کرنسی نوٹ ہوتے ہیں۔ یاد رہے لین دین کے معاملے میں غیر محدود قانونی زر لینے سے انکار کی صورت میں جرم تصور ہوتا ہے اور وصول کنندہ کے خلاف قانونی چارہ جوئی بھی کی جاسکتی ہے۔ لہٰذا اشیاء و خدمات کے لین دین یا دیگر قیمتی سرگرمیوں کی ادائیگی کے لیے غیر محدود قانونی زر بلا خوف وخطر چھوٹی یا بڑی رقم کی صورت میں ادا کیا جاسکتا ہے۔

4۔ اعتباری زر (Credit Money)

اعتباری زر قرض خواہ (Creditor) اور قرض دار (Debtor) کے درمیان بھروسے یا اعتبار کی بنیاد پر گردش کرتا ہے۔ یہ زر بنکوں کے جاری کردہ چیک، ڈرافٹ، ہنڈیوں، کریڈٹ کارڈز وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ لہٰذا اعتباری زر محض اعتبار کی بنیاد پر گردش کرتا ہے۔ قانونی طور پر کوئی بھی شخص اعتباری زر کو لینے سے انکار کر سکتا ہے اگر وصول کنندہ کو اعتباری زر دینے والے پر بھروسہ یا اعتبار نہ ہو۔ چونکہ وصول کنندہ کو اعتباری زر یعنی چیک، ڈرافٹ وغیرہ کی صورت میں رقم وصول کرنے یا نہ کرنے کا پورا اختیار ہوتا ہے۔ اس لیے اعتباری زر کو اختیاری زر بھی کہتے ہیں۔ یاد رہے کسی بھی ملک میں زر کی کل رسد کا بیشتر حصہ اعتباری زر پر مشتمل ہوتا ہے۔ کیونکہ بڑی مقدار میں کرنسی نوٹوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اسطرح اعتباری زر قیمتوں اور قرضوں کی باآسانی ادائیگی کے لیے موثر کردار ادا کرتا ہے۔

5۔ قریبی زر (Near Money)

قریبی زر کو اشیاء و خدمات کے لین دین کے معاملات میں فوری طور پر بطور آلہ تبادلہ استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ یہ قانونی زر کی

طرح کرنسی نوٹوں اور سکوں کی شکل میں نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ بنکوں کی جاری کردہ میعادی امانتوں، بانڈز، کفالتوں، ہنڈیوں، بچت سرٹیفکیٹ، سرکاری حصص، ڈاک خانے کے سرٹیفکیٹ وغیرہ کی شکل میں دستیاب ہوتا ہے۔ جنہیں ضرورت پڑنے پر زر نقد میں تبدیل کروایا جاسکتا ہے۔ میعادی امانتیں چونکہ وقت سے پہلے نکلوائی نہیں جاسکتیں تاہم امانت دار کے نوٹس دینے پر ان امانتوں کو بھی تھوڑا نقصان برداشت کر کے کیش کروایا جاسکتا ہے۔ اس طرح سرکاری کفالتیں مثلاً انعامی بانڈز، ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹس، این آئی ٹی یونٹس خاص، ڈپازٹ اکاؤنٹس بھی ضرورت پڑنے پر کیش کروائے جاسکتے ہیں۔

6۔ حسابی زر (Unit of Account)

حسابی زر کو معیاری زر بھی کہتے ہیں۔ حسابی زر اشیاوخدمات کی قدر و مالیت کو جانچنے میں مدد دیتا ہے۔ کیونکہ یہ زر کی وہ معیاری اکائی ہے جس کی بدولت اشیا کی قیمتیں اور رقوم کی گنتی کی جاتی ہے۔ پاکستان میں زر کی حسابی اکائی روپیہ جس کی بدولت تمام اشیاوخدمات کی مالیت کا اندازہ کیا جاتا ہے اور ادائیگیاں کی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر کتاب کی قیمت 100 روپے ہے۔ قلم کی قیمت 20 روپے ہے وغیرہ۔ یاد رہے ہر ملک کی حسابی اکائی کا نام مختلف ہے۔ جیسے امریکہ کی حسابی اکائی ڈالر ہے۔ برطانیہ کا حسابی زر پاؤنڈ ہے لیکن کام کے لحاظ سے تمام قسم کی حسابی اکائیاں اشیاوخدمات کی قدر و مالیت کی پیمائش کے لیے ہی استعمال ہوتی ہیں۔

7۔ کریڈٹ کارڈ (Credit Card)

کریڈٹ کارڈ اشیاوخدمات کی ادائیگیاں چکانے کی جدید شکل ہے۔ بنکوں کی اس سہولت کے باعث کریڈٹ کارڈ کا مالک بنکوں کی مخصوص کردہ جگہوں سے زر نقد بغیر رقم کی ادائیگی مقررہ حد کے اندر کرسکتا ہے۔ فروخت کار اپنی اشیاوخدمات کی قیمتیں بنکوں سے وصول کر لیتے ہیں جبکہ کریڈٹ کارڈ ہولڈرز کو یہ رقوم سود سمیت بنکوں کو واپس لوٹانا پڑتی ہیں۔ اب خریدار انٹرنیٹ کے ذریعے کریڈٹ کارڈ استعمال کر کے اشیاوخدمات حاصل کر رہے ہیں۔ اس وقت دنیا کے بہت سے ممالک میں کاغذی زر کی جگہ کریڈٹ کارڈ کا استعمال عام ہو رہا ہے۔

2.6 اعتباری زر کے آلات (Instruments of Credit Money)

اعتباری زر کے درج ذیل آلات ہیں۔

1۔ کتابی حساب (Book Account)

اعتباری زر کی یہ قسم عام اور سادہ نوعیت کی ہوتی ہے۔ عام طور پر لوگ گلی محلوں میں دُوکانداروں سے اشیا اُدھار خرید لیتے ہیں۔ جن کی مالیت دوکاندار اپنی کاپی یا رجسٹر میں لکھ لیتا ہے۔ جب اُدھار لینے والے شخص کچھ دنوں کے بعد اُدھار کی رقم دوکاندار کو ادا کر دیتا ہے تو دوکاندار اپنے رجسٹر، کاپی یا کھاتے سے اُدھار کی رقم کاٹ دیتا ہے۔ لہٰذا دوکانداروں کے کھاتوں میں اُدھار دی جانے والی رقوم کا اندراج اور اخراج کتابی حساب کہلاتا ہے۔

2۔ تحریری وعدہ (Promissory Note)

اعتباری زر کی اس قسم کے تحت قرض خواہ اور مقروض کے درمیان اُدھار اشیا کے لین دین کے معاملے میں مقروض کی طرف سے اسٹامپ پیپر یا سادہ کاغذ پر تحریر لکھی جاتی ہے کہ قرض دار طے شدہ معاہدے کے تحت مقررہ وقت میں اُدھار کی رقم واپس کر دے گا۔ سادہ

کاغذ پر لکھی اس تحریر پر رسیدی ٹکٹ بھی ثبت کردی جاتی ہے تاکہ ضرورت پڑنے پر قرض خواہ مقروض کے خلاف رقم کی عدم ادائیگی کی صورت میں قانونی چارہ جوئی کر سکے۔ اس طرح قرض خواہ اور مقروض کے درمیان اُدھار لین دین کا تحریری وعدہ دونوں فریقین کے لیے قابل قبول ہوتا ہے۔

3۔ چیک (Cheque)

چیک بنکوں میں امانتیں جمع کروانے والے افراد کے حکم نامے ہوتے ہیں جو وہ چیک جاری کرتے وقت اپنے بنکوں کے نام لکھتے ہیں کہ وہ چیک پیش کرنے والے کو اس پر درج شدہ رقم، اس کی جمع شدہ امانت میں سے ادا کردیں۔ چیک کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ چیک جاری کرنے والے کے اکاؤنٹ میں چیک پر لکھی گئی یا اس سے زیادہ رقم موجود ہو ورنہ بنک چیک کے عوض رقم کی ادائیگی کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ چیک پر رقم کا اندراج، صحیح تاریخ، اکاؤنٹ نمبر اور چیک جاری کرنے والے کے دستخط موجود ہونے چاہیں۔ متذکرہ لوازمات کی غلطی یا فقدان چیک کی ادائیگی میں مشکلات کا باعث بنتا ہے۔

چیک کی درج ذیل چار اقسام ہیں:

i۔ حامل چیک (Bearer Cheque)

عام طور پر لوگ بنکوں سے رقوم نکلوانے کے لیے سب سے زیادہ حامل چیکوں کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا چیک ہے جو کوئی بھی بنک میں پیش کرے گا وہ بنک سے رقم حاصل کرلے گا اور بنک رقم حاصل کرنے والے سے کوئی شناخت یا پوچھ گچھ نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس پر حامل (Bearer) کا لفظ بھی درج ہوتا ہے۔ یعنی چیک پیش کرنے والے کو رقم ادا کردی جائے۔ اس لیے اگر حامل چیک گم ہو جائے یا غلطی سے کسی کے نام جاری کردیا جائے تو جو کوئی بھی اس چیک کو بنک میں پیش کریگا بنک اس کو رقم ادا کردے گا اور رقم ادا کرنے کے بعد کسی قسم کی ذمہ داری قبول نہیں کرے گا۔ اس لیے حامل چیک کو جاری کرنے سے پہلے پوری تسلی اور چھان بین کر لینی چاہیے۔

ii۔ حکمی چیک (Order Cheque)

یہ ایسا چیک ہے جس پر لکھی رقم کو وہی شخص بنک سے نکلوا سکتا ہے جس کے نام پر یہ چیک جاری کیا جاتا ہے۔ اس چیک پر حامل (Bearer) کے لفظ کو کاٹ دیا جاتا ہے۔ لہٰذا جس شخص کے نام یہ چیک جاری کیا جاتا ہے اسے اپنی شناخت بنک کے ملازم کو کروانا پڑتی ہے۔ شناخت کے لیے ضروری ہے کہ بنک کا کوئی ملازم یا اکاؤنٹ ہولڈر چیک ہذا اسے چیک کی پشت پر دستخط کروا کر اس کی تصدیق کرے کہ چیک کی رقم وصول کرنے والا ہی وہ شخص ہے جس کے نام چیک جاری کیا گیا ہے۔ اس قسم کے چیک کے گم ہو جانے یا غلطی سے جاری ہونے کی صورت میں چیک جاری کرنے والے کو کسی قسم کا نقصان نہیں ہوتا کیونکہ بنک رقم ادا کرنے سے پہلے ہر قسم کی تصدیق کر لیتا ہے۔

iii۔ نشان زدہ چیک (Crossed Cheque)

اس قسم کے چیک کے عوض بنک سے براہ راست رقم نکلوائی نہیں جاسکتی بلکہ جس شخص کے نام یہ چیک جاری کیا گیا ہو، چیک پر لکھی رقم اس شخص کے اکاؤنٹ میں منتقل کردی جاتی ہے جسے بعد میں حامل چیک کے ذریعہ نکلوایا جاسکتا ہے۔ حامل چیک کو نشان زدہ چیک بنانے کیلئے حامل چیک کے بائیں کونے کے اوپر والے حصے میں دو متوازی لائنیں کھینچ کر ان لائنوں کے اندر (Payee's Account

only & co) لکھ کر Bearer کا لفظ کاٹ دیا جاتا ہے۔ اب جو بھی رقم اس چیک پر درج ہوتی ہے وہ اس شخص کے اکاؤنٹ میں منتقل ہو جاتی ہے جس کے نام پہ یہ چیک لکھا گیا ہوتا ہے۔ رقم کو ادا کرنے یا ایک اکاؤنٹ سے دوسرے اکاؤنٹ میں منتقل کرنے کا یہ سب سے بہتر اور محفوظ طریقہ ہے۔

iv۔ سفری چیک (Traveller's Cheque)

سفری چیک ملک یا دوسرے ممالک میں سفر کرنے والے افراد کی سہولت کے لیے جاری کیے جاتے ہیں تا کہ سفر کے دوران نقد زر کی حفاظت اور دیگر غیر ملکی شرح تبادلہ کے مسائل سے بچا جا سکے۔ یہ چیک حاصل کرنے کیلئے لوگ اپنی رقم بنکوں میں جمع کروا کر سفری چیک حاصل کر لیتے ہیں اور پھر ان چیکوں کو بنک کی نامزد کردہ شاخوں میں جمع کروا کر چیک پر لکھی گئی رقم حاصل کی جا سکتی ہے۔ اسطرح سفر کرنے والے اپنی رقوم بحفاظت ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔ پاکستان میں سفری چیک "محافظ" کے نام سے حبیب بنک آف پاکستان اور "ہمراہ" کے نام سے یونائیٹڈ بنک نے جاری کر رکھے ہیں جو ہر جگہ قبول ہوتے ہیں۔

V۔ بنک ڈرافٹ (Bank Draft)

بنک ڈرافٹ بنک کی جاری کردہ ایسی دستاویز ہے جس کے ذریعے لوگ اپنی رقوم ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں۔ بنک ڈرافٹ بنوانے والا پہلے کسی بنک میں منتقل کی جانے والی رقم جمع کرواتا ہے جس کے بدلے وہ بنک اپنی شاخ یا کسی دوسرے بنک کے نام ڈرافٹ حاصل کرنے والے کو مطلوبہ رقم کا ڈرافٹ یا حکم نامہ جاری کر دیتا ہے۔ یہ ڈرافٹ جب اس بنک کے پاس لے جایا جاتا ہے جس کے نام یہ لکھا گیا ہوتا ہے وہ بنک ڈرافٹ پیش کرنے والے شخص کو ڈرافٹ پر لکھی ہوئی رقم ادا کر دیتا ہے۔ اسطرح لوگ اپنی رقوم بحفاظت ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر لیتے ہیں۔

vi۔ ہُنڈی (Bill of Exchange)

ہنڈی ایک ایسی دستاویز ہے جس پر اُدھار پر لیے گئے تجارتی مال کی نوعیت، قیمت، سودے کی تاریخ، واپسی رقم کی ادائیگی کی تاریخ اور رقم بمعہ سود کا اندراج ہوتا ہے۔ اس طرح ہُنڈی قرض خواہ اور قرضدار کے درمیان اُدھار لین دین کا ایک لچکدار ذریعہ ہے جس کی بنیاد پر آج کل زیادہ تر کاروباری سرگرمیاں سرانجام دی جا رہی ہیں۔ یاد رہے قرض خواہ اُدھار دیئے گئے تجارتی مال کی مالیت کے برابر رقم قرضدار سے ہُنڈی کی مقرر کردہ مدت ختم ہونے سے پہلے طلب نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر قرض خواہ کو متذکرہ رقم مدت ختم ہونے سے پہلے ہی درکار ہو تو وہ ہنڈی کو تجارتی بنک کے پاس فروخت کر کے مطلوبہ رقم حاصل کر سکتا ہے۔ بنک ہنڈی کے عوض قرضہ دینے کے عمل کو ہنڈی پر بٹہ لگانا (Discounting) کہتے ہیں۔ بنک کو ہنڈی کے عوض قرضہ دینے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مقررہ وقت پر قرضدار سے کل رقم کے حساب سے سود وصول کر لیتا ہے یعنی اگر قرض لوٹانے کی مدت تین ماہ ہو تو بنک قرضدار سے مطلوبہ رقم پر رائج شرح سود سے رقم وصول کر لیتا ہے۔ اسطرح بنک کو اصل رقم کے علاوہ سود بھی مل جاتا ہے۔

ہُنڈی کی اقسام (Kinds of Bill of Exchange)

i۔ درشنی ہُنڈی (Sight Bill of Exchange)

یہ ایسی کاروباری دستاویز ہے جس کو پیش کرتے وقت اسکی ادائیگی کرنی پڑتی ہے۔ درشنی ہُنڈی خریدار اور فروخت کار کے درمیان

ایسا کاروباری طریقہ کار ہے جس کے تحت تجارتی مال کا فروخت کار فروخت کردہ اشیا کو ریلوے یا کسی دوسرے نقل و حمل کے ذریعہ بک کروا کر مال کی مالیت کا بل، ٹرانسپورٹ کمپنی کی رسید اپنے بنک کو بھیج دیتا ہے اور اپنے بنک کو ہدایت کرتا ہے کہ مال خریدار کو مال کا بل بمعہ ٹرانسپورٹ خرچ وصول کر کے حوالے کر دے۔ اسطرح خریدار بل کی ادائیگی کر کے مال حاصل کر لیتا ہے اور بنک خریدار سے حاصل کردہ رقم فروخت کنندہ کو اپنے سروس چارجز کاٹ کر بھیج دیتا ہے۔

ii۔ مدتی ہُنڈی (Time Bill of Exchange)

یہ ہنڈی خریدار کے لیے بڑی فائدہ مند ثابت ہوتی ہے کیونکہ خریدار کو ایسی ہُنڈی کی ادائیگی ایک معینہ مدت کے بعد ادا کرنا ہوتی ہے اور خریدار اس ہُنڈی کی مدت کے دوران تجارتی مال فروخت کر کے اپنی رقم ادا کر سکتا ہے۔ مدتی ہُنڈی پر جتنی مدت درج ہوتی ہے اس مدت کے ختم ہونے کے بعد جب بھی اس ہُنڈی کو ادائیگی کے لیے پیش کیا جاتا ہے تو اس کی ادائیگی فوری طور پر کر دی جاتی ہے۔ ہاں اگر ہُنڈی کے مالک کو ہُنڈی پر درج رقم کی پہلے ہی ضرورت پڑ جائے تو وہ اسے تجارتی بنک سے بٹہ لگوا کر رقم حاصل کر سکتا ہے۔

کفالتیں (Securities)

بسا اوقات حکومت عام لوگوں یا اداروں سے قرضہ لیتی ہے ان کو ان قرضوں کے عوض رسیدیں یا تحریری وعدہ دیتی ہے۔ حکومت کی یہ رسیدیں اور تحریری وعدے کفالتیں کہلاتی ہیں۔ حکومت کی ان رسیدوں یا تحریروں پر قرض دینے والے کا نام قرض کی رقم، واپس ادائیگی کی تاریخ اور شرح سود درج ہوتی ہیں۔ ان رسیدوں یا تحریروں کو کھلے بازار یا سٹاک ایکسچینج (Stock Exchange) میں کسی بھی وقت خریدا اور بیچا جا سکتا ہے۔

2.7 زر کی طلب (Demand for Money)

عام اصطلاح میں زر کی طلب سے مراد زر کی وہ مقدار ہے جو افراد اور کاروباری ادارے اپنی روزمرہ ضروریات اور کاروباری لین دین کو نپٹانے کیلئے اپنے پاس نقد زر کی صورت میں رکھتے ہیں لیکن جے ایم کینز نے اپنے نظریہ زر کی طلب میں زر کو نقد صورت میں رکھنے کو ترجیح دینے کی بنیاد تین محرکات پر رکھی ہے۔ کینز کے نزدیک زر کی طلب کے یہ تینوں محرکات معاشی اصطلاح میں سیال پذیری کی ترجیح (Liquidity Preference) کے نام سے زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ کینز کے نزدیک زر کی طلب سے مراد وہ زر نقد ہے جو ایک خاص عرصہ وقت پر تمام افراد اور ادارے مختلف مقاصد کے محرکات کے لیے اپنے پاس رکھتے ہیں۔ جے ایم کینز کے بیان کردہ محرکات درج ذیل ہیں۔

(1) محرک روزمرہ ضروریات (Transaction Motive)

لوگ اپنی روزمرہ زندگی کی ضروریات کیلئے کل آمدنی کا کچھ حصہ نقد رقم کی صورت میں رکھتے ہیں۔ اس غرض سے جو رقم نقد صورت میں رکھی جاتی ہے اس کو دو زاویوں سے دیکھا جاتا ہے۔

i۔ گھریلو مقاصد:

اس مقصد کے لیے گھرانے (Households) کتنی رقم زر نقد کی صورت میں اپنے پاس رکھتے ہیں اس کا انحصار گھرانے کی آمدنی

اور آمدنی کی وصولی میں حائل وقفہ پر ہوتا ہے اگر گھرانے کی آمدنی کا معیار بلند ہو تو ضروریات پوری کرنے کیلئے نسبتاً زیادہ رقم زرِ نقد کی صورت میں رکھنا پڑتی ہے لیکن اگر آمدنی کا معیار پست ہو تو ضروریات پوری کرنے کیلئے کم رقم رکھی جائے گی۔ اس طرح اگر آمدنی کی وصولی میں لمبا عرصہ ہو تو گھرانے حفظ ماتقدم کے تحت ضرورت سے زیادہ رقم نقدی کی صورت میں طلب کرتے ہیں اور اگر آمدنی وصول کرنے کا عرصہ مختصر ہو تو کم رقم سے بھی کام چل جاتا ہے۔ مزید برآں ہم جانتے ہیں کہ اگر لوگوں کی آمدنیاں بڑھ گئی ہوں تو ان کی نقد رقم رکھنے کی خواہش بھی بڑھ جاتی ہے اور آمدنی میں کمی کے ساتھ کم ہو جاتی ہے۔ یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ افراد جو رقم روزمرہ کی ضروریات کے لیے اپنے پاس نقد صورت میں رکھتے ہیں اس کی طلب شرح سود سے متاثر نہیں ہوتی۔ شرح سود بڑھ جائے یا کم ہو جائے لوگ اس رقم کی نقدیت سے دستبردار نہیں ہوتے کیونکہ یہ رقوم انہیں ہر حال میں اپنے پاس روزمرہ کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے رکھنا پڑتی ہیں۔

ii۔کاروباری ضروریات (Business Motive)

کاروباری حضرات بھی اپنے روزمرہ کے کاروباری اخراجات کو پورا کرنے کیلئے آمدنی کا کچھ حصہ اپنے پاس نقد رقم کی صورت میں رکھتے ہیں۔ وہ اس رقم کو خام مال کی خریداری، مزدوروں کی اُجرتیں اور نقل و حمل کے اخراجات پر خرچ کرتے ہیں۔ کاروباری مقاصد کے لیے رکھی جانے والی نقد رقم کا انحصار کاروبار کی وسعت اور پھیلاؤ پر ہوتا ہے۔ اگر کاروبار کا پیمانہ بڑا ہو تو روزمرہ کے لیے زیادہ رقم مختص کی جاتی ہے اور چھوٹے کاروبار کے لیے کم رقم زرِ نقد کی صورت میں رکھی جاتی ہے۔ گھریلو مقاصد کے لیے رکھی جانے والی رقوم کی طرح کاروباری رقوم بھی شرح سود سے متاثر نہیں ہوتیں۔ بلکہ شرح سود کچھ بھی ہو یہ جوں کی توں طلب کی جاتی ہیں۔ جیسا کہ ڈائیگرام سے ظاہر ہے کہ زر کی طلب برائے روزمرہ ضروریات کا خط Y,Mtd محور کے متوازی ہے جس کا مطلب ہے زر کی طلب برائے لین دین یا روزمرہ ضروریات کے لیے زر کی طلب شرح سود سے متاثر نہیں ہوتی۔ شرح سود R1 سے R2 ہو جاتی ہے لیکن زر کی روزمرہ ضروریات کی طلب Mtd ہی رہتی ہے۔

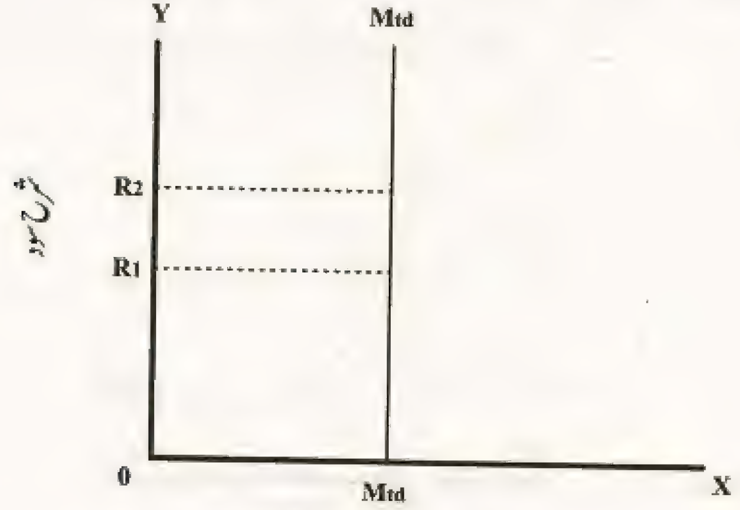

زر کی روزمرہ ضروریات کی طلب

(2) ناگہانی ضروریات کا محرک (Precautionary Motive)

ناگہانی ضروریات کے محرک کو محرک پیش بندی بھی کہتے ہیں۔ گھرانوں کو بیماری، ناخوشگوار حادثات، بے روزگاری یا تعلیم و تربیت اور کئی دوسرے ہنگامی معاملات کو نپٹانے کیلئے زر نقد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ناگہانی ضروریات کا مقابلہ کرنے کیلئے جو رقم رکھی جاتی ہے اس کا انحصار بھی لوگوں کی مالی حیثیت پر ہوتا ہے۔ امیر لوگ اس مد میں زیادہ رقم رکھتے ہیں جبکہ کم آمدنی والوں کو کم رقم درکار رہوتی ہے۔ چونکہ پیش بندی محرک کے تحت رکھی جانے والی رقوم آمدنی کا معمولی حصہ ہوتی ہیں۔ اس لیے یہ شرح سود سے متاثر نہیں ہوتی۔ گھرانوں کی طرح کاروباری اداروں کو بھی مستقبل میں ہنگامی حالات (مثلاً مشین خراب ہوجانا، فیکٹری میں اچانک آگ بھڑک اٹھنا۔ مخالف فرموں کا مقابلہ کرنا۔ غیر متوقع کاروباری لین دین وغیرہ) سے بخوبی نپٹنے کے لیے کچھ رقم بحیثیت زر نقد رکھنا پڑتی ہے تاکہ برے حالات میں متذکرہ معاملات کو احسن طریقہ سے حل کیا جاسکے۔ چونکہ کاروباری مقاصد کے لیے رکھی جانے والی رقوم بھی کل آمدنی کا معمولی حصہ ہوتی ہیں اس لیے شرح سود ان کو متاثر نہیں کرسکتی۔ لہٰذا اس قسم کی زر کی طلب کا خط بلحاظ شرح سود غیر لچکدار رہوتا ہے۔

(3) تخمینی محرک (Speculative Motive)

تخمینی محرک کو سٹہ بازی بھی کہتے ہیں۔ لوگ اپنی پس انداز کی ہوئی رقم کو مختلف اداروں کی کفالتوں کی خرید و فروخت پر خرچ کر کے منافع کماتے ہیں۔ چونکہ شرح سود میں اُتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے اس لیے سٹہ باز مستقبل میں قیمتوں میں تبدیلی کے رجحان کا فائدہ اٹھانے کیلئے مختلف کمپنیوں کے حصص اور بانڈز خرید لیتے ہیں۔ لہٰذا مستقبل میں بڑھتی ہوئی شرح سود کا فائدہ اٹھانے کیلئے سٹہ باز اپنی آمدنی کا نمایاں حصہ اسی مقصد کے لیے زر نقد کی صورت میں رکھ لیتے ہیں۔ زر کی طلب براہ راست شرح سود سے متاثر ہوتی ہے۔ یعنی شرح سود بڑھنے کی صورت میں لوگ زر اپنے پاس رکھنے کی بجائے قرضوں میں دے کر بلند شرح سود کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس طرح بلند شرح سود پر زر کی طلب گر جاتی ہے اور شرح سود کم ہونے پر زر کی طلب بڑھ جاتی ہے۔ جیسا کہ ڈائیگرام میں دیکھایا گیا ہے۔ شرح سود R1 ہے تو زر کی تخمینی طلب Msd1 ہے۔ جب شرح سود کم ہو کر R2 ہوجاتی ہے تو زر کی تخمینی طلب بڑھ کر Msd2 ہوجاتی ہے۔

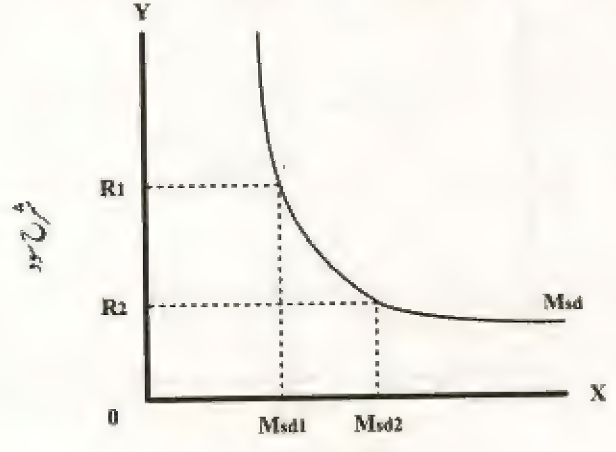

زر کی تخمینی طلب

2.8 زر کی رسد (Supply of Money)

زر کی رسد سے مراد زر کی وہ مقدار جو ایک خاص عرصہ وقت میں معیشت کے اندر گردش کر رہی ہوتی ہے۔ یعنی زر کی جو مقدار لوگوں کے پاس سکوں، کاغذی نوٹوں اور اعتباری زر کی صورت میں موجود ہوتی ہے وہ زر کی رسد کہلاتی ہے۔ کسی ملک میں زر کی جتنی مقدار گردش میں ہوگی اتنی ہی زر کی رسد زیادہ ہوگی۔ زر کی رسد کے مفہوم کو بہتر طور پر سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ زر کی رسد اور اشیا کی رسد کی فنی نوعیت کا فرق واضح کر دیا جائے۔ اشیا کی رسد سے مراد وہ مقدار ہے جو تاجر حضرات فروخت کرتے ہیں۔ ان اشیا کی رسد ایک مسلسل بہاؤ (Continuous Flow) کی مانند ہوتی ہے کیونکہ اشیا کی پیداوار اور رسد میں دائرہ کی بہاؤ پایا جاتا ہے۔ یعنی ایک طرف اشیا پیدا کی جاتی ہیں تو دوسری طرف ان کو استعمال کر لیا جاتا ہے۔ اشیا کی پیدائش اور صرف کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے لیکن اس کے برعکس زر کی رسد معینہ ذخیرہ کی مانند ہوتی ہے جو لوگوں اور اداروں کے پاس سکوں، کرنسی نوٹوں اور بنکوں کی جاری کردہ طلبی امانتوں کی صورت میں موجود ہوتی ہے۔ زر کو اشیا کی طرح براہ راست استعمال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ زر کوئی کھانے یا پینے والی شے کا نام نہیں۔ زر صرف اشیا کے تبادلے کا ایک ذریعہ ہے جو لوگوں اور اداروں کے درمیان ایک بہاؤ کی صورت میں گردش کرتا رہتا ہے اور مختلف مقاصد کی تکمیل کے لیے بار بار استعمال ہوتا رہتا ہے۔

زر کی رسد درج ذیل عوامل پر منحصر ہے۔

i۔ زیرِ گردش زر (Money in Circulation)

کسی ملک میں زر کی رسد قانونی طور پر جاری کردہ سکوں، کرنسی نوٹوں پر مشتمل ہوتی ہے جن کو اشیا و خدمات کے لین دین کے معاملات میں بلا حیل و حجت قبول کیا جاتا ہے۔ یہ سکے اور کاغذی نوٹ اشیا کی قدر و قیمت جاننے کیلئے حسابی اکائی کا کام دیتے ہیں۔ ان کو حکومت پاکستان اور مرکزی بنک جاری کرتا ہے۔ پاکستان میں دھاتی سکے حکومت پاکستان اور کاغذی نوٹ سٹیٹ بنک جاری کرتا ہے۔ ملکی کرنسی کا بیشتر حصہ کاغذی نوٹوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ملکی کرنسی کے حجم کا انحصار مرکزی بنک کے پاس موجود سونے، چاندی اور منظور شدہ زرتبادلہ کے ذخائر پر ہوتا ہے۔ مرکزی بنک کو کاغذی نوٹ چھاپتے وقت ضمانت کے طور پر چھاپے جانے والے تمام نوٹوں کی کل مالیت کا 30 فیصد کے برابر سونا، چاندی یا زرتبادلہ رکھنا پڑتا ہے۔ لہٰذا اگر ملک میں سونے چاندی کی مقدار زیادہ ہو تو مرکزی بنک زیادہ نوٹ چھاپ کر زر کی رسد بڑھا سکتا ہے۔ کسی ملک میں زر کی رسد کو وہاں کے معاشی حالات بھی متاثر کرتے ہیں مثلاً اگر ملک میں کساد بازاری کے حالات پائے جائیں تو معیشت زوال پذیری کی طرف بڑھنے لگتی ہے۔ بے روزگاری پھیل جاتی ہے۔ ان حالات میں حکومت ضرورت سے زیادہ سرمایہ کاری کرتی ہے۔ ٹیکسوں میں کمی کر دیتی ہے جس سے لوگوں کی قوت خرید مزید بڑھ جاتی ہے۔ حکومتی خرچ میں اضافہ سے زر کی رسد بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس کے برعکس افراط زر کے حالات میں حکومت اشیا و خدمات کی مجموعی طلب میں کمی کرنے کے لیے ٹیکسوں کی شرح بڑھا دیتی ہے۔ زر وقتی طور پر حکومت کی طرف منتقل ہو جاتا اور زر کی رسد کم ہو جاتی ہے۔

ii۔ زر اعتبار (Credit Money)

زر کی رسد کا ایک بڑا حصہ اعتباری زر پر مشتمل ہوتا ہے جو لوگوں کے درمیان اعتبار یا بھروسے کی بنا پر گردش کرتا ہے مثلاً تجارتی بنک ضرورت مند تاجروں کو قرضے جاری کرتے وقت نقد زر دینے کی بجائے قرضوں کی رقوم قرض لینے والے افراد کے نام کھولے جانے

والے کھاتوں میں منتقل کر دیتے ہیں اور انہیں بنک کی چیک بک جاری کر کے ہدایت کرتے ہیں کہ وہ جب چاہیں اپنی امانتیں بنکوں سے چیکوں کے ذریعے نکلوا سکتے ہیں۔ چنانچہ بنکوں کے پاس جس قدر طلبی امانتیں ہوتی ہیں اتنی ہی مالیت کے چیک ملک میں گردش کرتے ہیں لہٰذا بنکوں کی جاری کردہ طلبی امانتوں کے برابر جتنے چیک گردش کر رہے ہونگے وہ زر کی رسد ہوتی ہے۔

iii۔ بچتیں (Savings)

ملک میں رہنے والے افراد جو رقوم روزمرہ ضروریات پر خرچ نہیں کرتے بلکہ بچا کر الگ رکھ لیتے ہیں ان کو بچتیں کہتے ہیں۔ لہٰذا جتنا زیادہ روپیہ لوگ پس انداز کرتے ہیں اتنا ہی زیادہ زر کی رسد ہوتی ہے۔ کسی ملک میں بچتوں کے تین اہم ذرائع ہوتے ہیں۔

الف۔ انفرادی بچتیں (Individual Savings)

انفرادی طور پر سب لوگ آمدنی کا جو حصہ اشیا و خدمات کی خریداری پر خرچ نہیں کرتے اور بچا لیتے ہیں وہ ان کی انفرادی بچت ہوتی ہے۔ اگر ایسی بچتیں بنکوں میں جمع کرادی جائیں تو بنک ان جمع کرائی گئی رقوم کی بنیاد پر کئی گنا قرضے جاری کر دیتے ہیں اور ملک میں زر کی رسد بڑھ جاتی ہے۔

ب۔ کاروباری بچتیں (Corporate Savings)

کاروباری ادارے اپنا سالانہ منافع سارے کا سارا حصہ داروں میں تقسیم نہیں کرتے بلکہ اس کا کچھ حصہ محفوظ کر کے مستقبل میں کاروبار پھیلانے کیلئے رکھ لیتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر کاروبار کو وسعت دینے کیلئے استعمال کر لیتے ہیں۔ کاروباری اداروں کی بچائی ہوئی ان رقوم کو غیر منقسم منافع جات بھی کہتے ہیں۔ جب یہ غیر منقسم منافع جات بنکوں میں جمع کروا دیئے جاتے ہیں تو تجارتی بنک ان رقوم کو قرضوں میں جاری کر کے زر کی رسد میں اضافہ کرتے ہیں۔

ج۔ سرکاری بچتیں (Public Savings)

حکومت ہر سال اپنا بجٹ بناتی ہے۔ جس میں سال بھر کے دوران اٹھنے والے اخراجات اور وصولیوں کا ذکر کیا جاتا ہے اگر سرکاری بجٹ فاضل (Surplus) ہو تو اس کے معنی ہیں کہ حکومت کی وصولیاں اخراجات سے زیادہ ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں اگر حکومت اپنی فاضل آمدنی بنکوں میں جمع کرادے تو بنک ان رقوم کو قرضے جاری کرنے میں استعمال کر لیتے ہیں۔ جس سے ملک میں زر کی رسد بڑھ جاتی ہے۔ اس کے برعکس اگر حکومتی بجٹ خسارے (Deficit) کا ہو تو حکومت کے اخراجات، آمدنی سے تجاوز کر جاتے ہیں اور زر کی رسد گھٹ جاتی ہے۔

iv۔ بیمہ کمپنیاں (Insurance Companies)

بیمہ کمپنیاں بھی زر کی رسد بڑھانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ یہ کمپنیاں لوگوں کو غیر متوقع نقصانات کی تلافی کے لیے ترغیب دیتی ہیں کہ اپنی زندگی یا اثاثوں کا بیمہ کروائیں۔ جب لوگ اپنے مستقبل کو بہتر کرنے کے لیے بیمہ کرواتے ہیں تو وہ خاص شرح سے بیمہ پالیسی پر پریمیم (Premium) ادا کرتے ہیں۔ بیمہ کمپنیاں یہ رقوم اکٹھی کر کے سرمایہ کاری میں لگا دیتی ہیں جس سے ملک میں زر کی

رسد بڑھ جاتی ہے۔

v۔ بازار حصص (Stock Exchange)

بازار حصص سے مراد کھلے بازار کا وہ عمل ہے جس میں حکومت اور نیم سرکاری ادارے اپنے حصص، کفالتیں، تمسکات، بانڈز اور ہُنڈیاں وغیرہ خریدتے اور فروخت کرتے ہیں۔ جن لوگوں کے پاس وافر مقدار میں سرمایہ موجود ہوتا ہے وہ اپنا سرمایہ بازار حصص میں مختلف حصص یا کفالتیں خریدنے پر خرچ کردیتے ہیں۔ اس طرح ملک میں سرمائے کی گردش بڑھ جاتی ہے اور زر کی رسد میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

2.9 زر کی قدر (Value of Money)

زر بطور آلہ تبادلہ کی حیثیت سے اشیاوخدمات کے لین دین اور قدروقیمت کی پیمائش کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جبکہ خود زر کی قدر کی پیمائش اشیا کی مدد سے کی جاتی ہے۔ یعنی زر کی ایک خاص مقدار کے عوض اشیا کی جتنی مقدار حاصل کی جاسکتی ہو وہ زر کی قدر کہلاتی ہے۔ چونکہ زر کی قدر کا انحصار اشیاوخدمات کی قیمتوں پر ہوتا ہے اس لیے جب اشیا کی قیمتیں بڑھتی ہیں تو زر کی قدر کم ہوجاتی ہے اور قیمتیں گرنے سے زر کی قدر بڑھ جاتی ہے۔ اس طرح زر کی قدر اور قیمتوں میں معکوس (الٹ) رشتہ پایا جاتا ہے۔

بالفاظ دیگر زر کی قدر سے مراد ہے زر کی وہ قوت خرید ہے جس کے بدلے وہ دیگر اشیا کی جتنی مقدار حاصل کرنے کی قوت یا صلاحیت رکھتی ہے۔

لہٰذا زر کی قدر سے مراد قوت تبادلہ یا قوت خرید ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک کلو سیب کی قیمت 50 روپے ہو تو 50 روپے کی قدر ایک کلوگرام سیب ہے۔ اب اگر سیب مہنگے ہوجاتے ہیں اور 50 روپے کے عوض صرف آدھا کلوگرام سیب حاصل کیے جاسکتے ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ زر کی قدر گھٹ گئی ہے کیونکہ جو سیب پہلے 50 روپے میں ایک کلوگرام ملتے تھے اب صرف آدھا کلو حاصل کیے جاسکتے ہیں اس طرح اگر سیبوں کی قیمت گرجاتی ہے اور 50 روپے کے عوض ڈیڑھ کلوگرام سیب حاصل کیے جاسکتے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ زر کی قدر بڑھ گئی ہے۔ مذکورہ مثال سے ثابت ہوا ہے کہ جب اشیا کی قیمتیں گرتی ہیں تو زر کی قدر بڑھ جاتی ہے اور اشیا کی قیمتیں بڑھنے سے زر کی قدر گھٹ جاتی ہے۔

2.10 نظریہ مقدار زر (Quantity Theory of Money)

زری معیشت میں زر کی رسد قیمتوں کے معیار اور زر کی قدر کے مابین ایک مخصوص تفاعلی تعلق قائم ہے کیونکہ جب ملک میں زر کی مقدار میں تبدیلی رونما ہوتی ہے تو ساتھ ہی اشیا کی قیمتیں بھی متاثر ہوتی ہیں اور زر کی قدر بدل جاتی ہے۔ اگر زر کی مقدار (رسد) میں اضافہ ہو جائے تو قیمتیں بڑھ جاتی ہیں اور زر کی قدر کم ہوجاتی ہے۔ اس کے برعکس زر کی مقدار میں کمی سے قیمتیں گرجاتی ہیں اور زر کی قدر بڑھ جاتی ہے۔

پروفیسر ٹازگ نے زر کی مقدار، قیمتوں کے معیار اور زر کی قدر کے باہمی تعلق کو یوں بیان کیا ہے۔ "اگر کسی معیشت میں زر کی مقدار دوگنی کردی جائے تو قیمتیں بھی دوگنی ہوجاتی ہیں اور قدر زر نصف رہ جاتی ہے اور اگر زر کی مقدار نصف کردی جائے تو قیمتیں بھی نصف ہو جاتی ہیں اور قدر زر دوگنی ہوجاتی ہے۔ بشرطیکہ دیگر حالات بدستور رہیں۔"

مساوات تبادلہ(Equation of Exchange)

ارونگ فشر (Irving Fisher) نے 1911 میں نظریہ مقدار زر کی وضاحت درج ذیل مساوات کی شکل میں کی:

$$PT = MV + M'V'$$

قیمتوں کے تعین کیلئے مساوات کو معیاری حالت میں درج ذیل طریقہ سے لکھا جاسکتا ہے:

$$P = \frac{MV + M'V'}{T}$$

P = قیمتوں کا معیار(Price level)

T = اشیاوخدمات کی کل مقدار(Transactions)

M = زر کی مقدار یا کرنسی کی مقدار (Money)

V = زر کی گردش کی رفتار(Velocity)

M' = زر اعتبار کی مقدار(Credit Money)

V' = زر اعتبار کی گردش کی رفتار(Velocity of Credit Money)

مساوات میں PT سے مراد زر کی طلب اور MV + M'V' سے مراد زر کی رسد لی جاتی ہے۔ یاد رہے (M'v')اور(Mv) کا حاصل جمع کل زر کی رسد کو ظاہر کرتا ہے۔لہٰذا m'v'اور mv کے حاصل جمع کو Mv سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

لہٰذا $PT = MV\ (MV = MV + M'V')$

$$P = \frac{MV}{T}$$

ارونگ فشر نے مساوات کی وضاحت کرتے ہوئے (T) یعنی اشیاوخدمات کی مقدار اور (V) گردش زر کو معین تصور کیا ہے۔ کیونکہ فشر کے مطابق عرصہ قلیل میں اشیاوخدمات کی مقدار اور زر کی گردش جوں کی توں رہتی ہے۔مزید برآں فشر کے مطابق اشیا پیدا کرنے کے طریقے بھی نہیں بدلتے۔

فشر کی مساوات تبادلہ میں فرضی قیمتیں درج کر کے زر کی قدر کو جانچا جاسکتا ہے۔فرض کریں کہ

$$M = 200, \quad V = 3, \quad T = 30$$

$$P = \frac{MV}{T} = \frac{200 \times 3}{30} = \frac{600}{30} = 20$$

P = 20روپے

اب اگر ابتدائی مساوات میں زر کی مقدار کو نصف کر دیا جائے تو قیمت بھی نصف ہوجاتی ہے اور زر کی قدر دوگنا ہوجاتی ہے۔

$$M = 100, \quad V = 3, \quad T = 30$$

لہٰذا

$$P = \frac{MV}{T} = \frac{100 \times 3}{30} = \frac{300}{30} = 10$$

گویا P = 10روپے

اب اگر زر کی مقدار کو دوگنا کر دیا جائے قیمتیں بھی دوگنی ہو جاتی ہیں اور زر کی قدر نصف رہ جاتی ہے۔

$$M = 400, \quad V = 3, \quad T = 30$$

یعنی

$$P = \frac{MV}{T} = \frac{400 \times 3}{30} = \frac{1200}{30} = 40$$

گویا P = 40روپے

درج بالا مساوات میں فرضی قیمتیں درج کرنے سے ثابت ہوا کہ مقدار زر میں دوگنا اضافہ ہونے سے قیمتیں دوگنی اور زر کی مقدار نصف رہ جاتی ہے جبکہ مقدار زر میں کمی سے قیمتوں میں کمی اور زر کی قدر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

نظریہ مقدار زر کے مفروضات (Assumptions)

1۔ اشیا و خدمات کی مقدار (T) اور گردش زر (V) معین رہتی ہیں۔

2۔ معیشت میں مکمل روزگار قائم رہتا ہے۔

3۔ زر کی مقدار اور قیمتوں کے معیار میں متناسب رشتہ پایا جاتا ہے۔

4۔ غیر زری شعبے (Non-monetised Sector) میں تبدیلی واقع نہیں ہونی چاہیے۔ ورنہ زر کی مقدار میں ہونے والا اضافہ اس شعبے میں کھپ جائے گا۔

نظریہ مقدار زر پر تنقید (Criticism)

نظریہ مقدار زر کو درج ذیل نکات کی بنیاد پر تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔

1۔ زر کی گردش اور اشیا و خدمات کا حجم
(Circulation of Wealth and Volume of Goods and Services)

نظریہ مقدار زر میں گردش زر اور اشیا و خدمات کے حجم کو ساکن فرض کیا گیا ہے۔ جبکہ عام طور پر یہ تغیر پذیر ہوتا ہے۔ چونکہ اشیا و خدمات کی مقدار کا تعلق موسمی حالات، کاروباری اتار چڑھاؤ، ملکی سیاسی حالات اور دیگر کئی عوامل پر ہوتا ہے۔ اس لیے اشیا و خدمات کی مقدار بدلتی رہتی ہے اور یکساں نہیں رہتی۔ دوسری طرف معاشی پھیلاؤ اور سکڑاؤ کے دوران زر کی گردش متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ جب معیشت پھلتی پھولتی ہے تو زر کی گردش تیز ہونے سے اشیا و خدمات اور گردش زر میں تیزی سے اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس سرد بازاری کے حالات میں زر کی گردش اور اشیا و خدمات کی پیدائش سست روی کا شکار بن جاتی ہے۔

2۔ آزاد متغیرات (Independent Variables)

اس نظریہ میں فرض کیا گیا ہے کہ زر کی گردش (V) اور زر کی مقدار (M) آزاد متغیرات ہیں۔ حالانکہ یہ متغیرات ایک دوسرے کے تابع (dependent) ہیں۔ کیونکہ جب مقدار زر میں اضافہ یا کمی واقع ہوتی ہے تو گردش زر بھی کم یا زیادہ ہو جاتی ہے۔ یعنی زر کی مقدار بدلتی ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کی گردش معاشی و تجارتی سرگرمیوں کے بدلنے سے اثر پذیر ہوتی ہے۔ پیداواری عمل کے بڑھنے سے اشیا و خدمات کی پیدائش تیز ہو جاتی ہے اور زر تیزی سے معیشت میں گردش کرنے لگتا ہے۔ اس کے برعکس زر کی گردش رک جاتی ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ زر کی مقدار اور گردش زر ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم متغیرات ہیں۔

3۔ قیمتوں میں متناسب تبدیلی (Proportionate Change in Prices)

اس نظریہ میں فرض کیا گیا ہے کہ زر کی مقدار اور قیمتوں میں متناسب تبدیلی رونما ہوتی ہے جبکہ حقیقت میں یہ ممکن نہیں ہوتا۔ کیونکہ ضروری نہیں کہ جب زر کی مقدار میں 100 فی صد اضافہ ہو تو قیمتوں میں بھی 100 فیصد اضافہ ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ قیمتیں 200 فیصد یا اس سے بھی زیادہ بڑھ جائیں۔ اس لیے مقدار زر اور قیمتوں کے تناسب کا مقرر کرنا درست نہیں لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ زر کی مقدار بڑھنے یا گھٹنے سے قیمتیں متاثر ہوتی ہیں لیکن اس نسبت سے نہیں جس نسبت سے زر کی مقدار میں کمی یا بیشی ہوتی ہے۔ کیونکہ قیمتوں کے بدلنے میں زر کی گردش کے علاوہ کئی دوسرے عوامل شامل ہوتے ہیں۔

4۔ بیکار وسائل کا استعمال (Utilization of Wasteful Resources)

اس نظریہ کے مطابق مقدار زر میں اضافہ سے قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جبکہ حقیقت میں مقدار زر میں اضافہ کی بدولت ملک کے بیکار دفینوں اور پیداواری وسائل کو بروئے کار لا کر پیداوار میں کئی گنا اضافہ کیا جاتا ہے۔ زر کی قدر بڑھ جاتی ہے اور اشیا و خدمات کم قیمتوں پر بھی دستیاب ہوتی ہیں۔

5۔ مفروضات درست نہیں (Incorrect Assumptions)

اس نظریہ میں قیمتوں میں تبدیلی کو زر کی رسد سے منسوب کیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت میں تبدیلی کا انحصار دیگر عوامل مثلاً جنگ، آبادی کا دباؤ اور اشیا کی مصنوعی قلت پر بھی ہوتا ہے۔

6۔ گردش زر کا تصور (Concept of Circulation of Wealth)

الفرڈ مارشل نظریہ مقدار زر کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے لکھتے ہیں کہ گردش زر کا تصور مبہم (Ambiguous) اور ساکن (Static) نوعیت کا ہے۔ کیونکہ زر کی مقدار عام طور پر آبادی کے بڑھنے، زر کی طلب وغیرہ سے متاثر ہوتی ہے۔ اس لیے زیادہ تر معیشت دان زر کی گردش کے مقابلے میں زر کی طلب کو زر کی قدر متعین کرنے میں زیادہ موثر سمجھتے ہیں۔

7۔ عناصر کی نوعیت میں فرق (Difference in the Nature of Elements)

جارج ہام (George Halm) نے نظریہ مقدار زر کی مساوات تبادلہ کو رد کرتے ہوئے کہا کہ اس مساوات میں ایک فنی خرابی موجود ہے جو اوسط قیمت کے معیار اور مقدار زر کے تعلق کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہے۔ ہام کے مطابق قیمت کا معیار (P) اور زر کی

مقدار (M) کا تعلق ایک خاص عرصہ وقت سے ہوتا ہے جس سے زر کی گردش (V) اور تجارت کا حجم (T) بھی بدلتے رہتے ہیں۔ چنانچہ مقدار زر (M) اور گردش زر (V) کو آپس میں ضرب نہیں دی جاسکتی۔ جیسے کرسیوں کی تعداد میں کتابوں کی تعداد جمع نہیں کی جاسکتی۔ دوسری طرف (MV) کے حاصل ضرب کو تجارت کے حجم (T) پر تقسیم کرنے سے اوسط قیمت کا معیار بھی معلوم نہیں کیا جاسکتا۔

مشقی سوالات

سوال 1: نیچے دیے گئے ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات میں سے دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

1۔ ذیل میں سے کوئی ایک زر کے فرائض میں شامل نہیں ہے۔

(الف) آلہ تبادلہ (ب) مشترک پیمانہ قدر

(ج) انتقال پذیری (د) شرح سود کا تعین

2- ایسا زر جس کی ظاہری قدر اور حقیقی قدر آپس میں برابر ہوں وہ ہوتا ہے۔

(الف) کاغذی زر (ب) قریبی زر

(ج) اعتباری زر (د) علامتی زر

3۔ ذیل میں سے کوئی ایک اعتباری زر کی قسم ہے۔

(الف) کاغذی نوٹ (ب) معیاری زر

(ج) کریڈٹ کارڈ (د) قانونی زر

4۔ ایسا چیک جس کے ذریعے چیک حامل ہذا براہ راست بنک سے رقم نہیں نکلوا سکتا ہو، کہلاتا ہے۔

(الف) حامل چیک (ب) سفری چیک

(ج) حکمی چیک (د) نشان زدہ چیک

5۔ چیک بنکوں میں امانتیں جمع کروانے والوں کے ہوتے ہیں۔

(الف) اثاثے (ب) حکم نامے

(ج) اکاؤنٹ (د) معاہدے

سوال 2: درج ذیل جملوں میں دی گئی خالی جگہیں پُر کریں۔

1۔ اشیا کے بدلے اشیا کا لین دین ---------------- کہلاتا ہے۔

2۔ پاکستان میں تمام کرنسی نوٹ ---------------- کاغذی زر ہیں۔

3۔ ---------------- چیک کے ذریعے کوئی شخص بنک سے رقم نکلوا سکتا ہے۔

4۔ زر کی مقدار بڑھنے سے زر کی قدر میں ---------------- واقع ہو جاتی ہے۔

5۔ زر کی مقدار اور زر کی قدر میں ---------------- تعلق پایا جاتا ہے۔

6۔ حبیب بنک کا "محافظ" ---------------- چیک کی مثال ہے۔

7۔ ایسی ہنڈی جس کی فوری ادائیگی کر دی جاتی ہے وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہلاتی ہے۔

8۔ پاکستان میں دھاتی سکے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جاری کرتی ہے۔

9۔ حکومت کی جاری کردہ رسیدیں یا تحریریں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہلاتی ہیں۔

10۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ قرض خواہ اور قرض دار کے درمیان بھروسے اور اعتبار کی بنا پر گردش کرتا ہے۔

سوال3: کالم (الف) اور کالم (ب) میں دیئے گئے جملوں میں مطابقت پیدا کر کے دُرست جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
تخمینی محرک کا انحصار	محدود قانونی زر	
مساوات تبادلہ	بچتوں پر	
تمسکات	شرح سود	
دھاتی سکے	اعتباری زر	
زر کی رسد کا انحصار	قانونی زر	
	$T = \frac{MV}{P}$	
	$P = \frac{MV + M'V'}{T}$	

سوال4: درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے۔

1۔ براہِ راست تبادلہ سے کیا مراد ہے؟

2۔ پروفیسر جے ایم کینز کی تحریر کردہ زر کی تعریف بیان کریں۔

3۔ دھاتی زر سے کیا مراد ہے؟

4۔ اعتباری زر سے کیا مراد ہے؟

5۔ حکمی چیک اور حامل چیک میں فرق بیان کریں۔

6۔ زر کی طلب سے کیا مراد ہے؟

7۔ مدتی اور درشنی ہنڈی میں فرق بیان کریں۔

8۔ بدل پذیر اور غیر بدل پذیر زر میں فرق بیان کریں۔

9۔ کاغذی زر سے کیا مراد ہے؟

سوال5: درج ذیل سوالات کے جوابات تفصیل سے تحریر کریں۔

1۔ براہِ راست تبادلہ کے نظام کی مشکلات کا ذکر تفصیلاً کریں۔

2۔ زر سے کیا مراد ہے؟ زر کے فرائض بیان کریں۔

3 زر کی اہم اقسام پر روشنی ڈالیں۔

باب 3
بنک (BANK)

ارتقائی اعتبار سے لفظ "بنک" بیشتر معیشت دانوں کے نزدیک اطالوی زبان کے الفاظ بنکس (Bancus)، بنکو (Banco) یا بنک (Banque) سے ماخوذ ہے جو بعد میں انگریزی زبان کے لفظ بنک (Bank) کے نام سے مشہور ہوا۔ ابتدا میں جب بنک موجود نہیں تھے تو لوگ اپنی پس انداز کی ہوئی فالتو رقوم اور قیمتی اشیا سوداگروں (Merchants)، مہاجنوں (Money Lenders) یا سناروں (Gold Smiths) کے پاس بطور امانت رکھوا دیتے تھے۔ قدیم زمانے میں سوداگروں، مہاجنوں اور سناروں کو معاشرے کا معزز، دولت منداور قابل اعتماد طبقہ سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے لوگ بلاخوف وخطرہ اپنی قیمتی اشیا مثلاً سونا، چاندی اور زروغیرہ ان کے پاس جمع کروا دیتے تھے اور ضرورت پڑنے پر بغیر کسی معاوضہ یا صلہ دیئے واپس لے لیتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب زری اثاثوں کو محفوظ رکھنے والوں نے محسوس کیا کہ چند ہی لوگ اپنی امانتیں وقت سے پہلے واپس لینے کا مطالبہ کرتے ہیں اور رقوم بیکار پڑی رہتی ہیں جبکہ کئی لوگ ان رقوم کو قرضہ پر حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں زر کو محفوظ رکھنے والوں نے اپنے فائدے کی غرض سے ضرورت مندوں کو قرضے دینے شروع کر دیئے جس پر اصل رقوم کے علاوہ زائد رقم سود کی شکل میں لینا شروع کر دی۔ دوسری طرف اپنے امانتداروں کی طلبی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اتنی رقوم اپنے پاس زر محفوظ کی صورت میں رکھ لیتے تھے جس سے لوگوں کو پریشانی نہ ہو اور ان کا اعتبار اور بھروسے کا مضبوط رشتہ قائم ہوتا چلا گیا جو اب باقاعدہ بنک کی شکل میں اپنے فرائض سرانجام دے رہا ہے۔ اس طرح بنک دورِ حاضر کی معاشی سرگرمیوں اور سرمایہ کاری کو فروغ دینے کے لیے نہایت مفید کردار ادا کر رہے ہیں۔

3.1 بنک کا مفہوم (Meaning of Bank)

بنک ایک ایسا مالیاتی ادارہ ہے جو لوگوں کی بچائی ہوئی رقوم کو زر محفوظ کی حیثیت سے اپنے پاس رکھتا ہے اور ضرورت مندوں کو ان کی ضرورت کے وقت قرضے فراہم کرتا ہے۔ بالالفاظ دیگر بنک زر کا کاروبار کرتا ہے۔ یہ لوگوں سے ان کی فالتو رقوم قرض پر لیتا ہے اور کاروبار میں سرمایہ لگانے کے خواہشمند لوگوں کو قرض دیتا ہے۔

پروفیسر جی کراؤتھر (Professor G. Crowther) نے بنک کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کی ہے۔

"بنک قرضوں کا کاروبار کرتا ہے۔ عوام سے امانتیں وصول کرتا ہے اور ضرورت مند لوگوں کو قرضہ مہیا کرتا ہے۔ چونکہ بنک کی جاری کردہ رسیدیں عوام بغیر کسی عذر قبول کر لیتے ہیں اور انہیں بطور زر استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح بنک زر کی تخلیق کرتے ہیں۔ اس طرح موجودہ دور کے بنک سوداگروں کی طرح مستقبل میں ادائیگیوں کے لیے تحریری اجازت ناموں کی طرح ڈرافٹ، مہاجنوں کی طرح قرضے فراہم کرتے ہیں اور سناروں کی طرح رسیدیں جاری کر کے زر اعتبار کی تخلیق کرتے ہیں۔"

پروفیسر سٹینلے (Professor Stanely) کے نزدیک

"Modern Commercial banks are profit making financial intermediaries. They attract funds through deposits or borrowing and use the funds to make loan."

موجودہ دور کے تجارتی بنک منافع کمانے والے مالی متوسلین ہوتے ہیں وہ ایک طرف امانتوں کے ذریعے عوام سے رقوم وصول کرتے ہیں اور دوسری طرف یہی امانتیں قرضہ دینے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح دورِ جدید کے تجارتی بنک درج ذیل کام سرانجام دیتے ہیں۔

(i) بنک لوگوں کی بچائی ہوئی رقوم بحفاظت اپنے پاس امانت کے طور پر رکھتے ہیں۔

(ii) بنک قرضے جاری کرنے کا کاروبار کرتے ہیں۔

(iii) بنک رقوم قرضوں میں جاری کر کے منافع کماتے ہیں۔

(iv) بنک زرِ اعتبار کی تخلیق کرتے ہیں۔

3.2 بنکوں کی اقسام (Kinds of Banks)

بنکوں کی اہم اقسام درج ذیل ہیں۔

(1) مرکزی بنک (Central Bank)

مرکزی بنک کسی ملک کے بنکاری نظام اور مالی اداروں کو مستحکم کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ تمام تجارتی بنکوں کا ناظم اور رہبر ہوتا ہے۔ نفع کمانا اس کے لیے ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بنک عوام کی بھلائی اور معاشی ترقی کے لیے کام کرتا ہے۔

پروفیسر ڈی کاک (Professor De Kock) کے مطابق:

"مرکزی بنک ملک کے بنکاری اور زری نظام کا سربراہ ہوتا ہے۔ یہ بنک ملک کے معاشی مفاد اور ترقی کی خاطر بہت سے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ یہ منافع کمانے کی بجائے عوام کی بھلائی اور اقتصادی ترقی کے لیے کام کرتا ہے۔ نفع کمانا اس کے لیے ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔"

مرکزی بنک نوٹ جاری کرتا ہے اور حکومت کے لیے بنکاری کی خدمات بھی سرانجام دیتا ہے۔ قومی پیداوار کی مقدار میں اضافہ کرنے، قومی وسائل کا بھرپور استعمال کرنے، زر کی قدر میں استحکام پیدا کرنے اور بچت و سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کے لیے اپنی پالیسی وضع کر کے اپنے زیرِ نگرانی مالیاتی اداروں سے اس پالیسی پر عمل درآمد کرواتا ہے تاکہ زر کی مقدار کو کنٹرول کر کے قیمتوں کو استحکام بخشا جا سکے۔

پاکستان کے مرکزی بنک کا نام سٹیٹ بنک آف پاکستان ہے۔ یہ بحیثیت مرکزی بنک درج ذیل کام سرانجام دیتا ہے۔

(i) ملک کے سارے بنکاری نظام کو کنٹرول کرتا ہے۔

(ii) یہ بنک ملک میں نوٹ چھاپنے کی اجارہ داری رکھتا ہے۔

(iii) گردشِ زر کو کنٹرول کر کے ملک کے معاشی اور مالیاتی نظام کو استحکام بخشتا ہے۔

(iv) ملک میں موجود زر کی مقدار قیمتی دھاتوں اور زرِ مبادلہ کا محافظ ہوتا ہے۔

(v) یہ بنک عوام کی بھلائی اور معاشی بہتری کے لیے کام کرتا ہے۔ منافع کمانا اس بنک کا محض ثانوی عمل ہوتا ہے۔

(2) تجارتی بنک (Commercial Banks)

تجارتی بنک ملکی تجارت اور معاشی سرگرمیوں کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ بنک منافع کمانے کی غرض سے وجود میں لائے جاتے ہیں اس لیے یہ بنک لوگوں کی فالتو رقوم کو بطور امانت وصول کرتے ہیں اور انہیں منافع کمانے کی غرض سے شرح سود مقرر کر کے ضرورت مندوں کو قرضہ کی حیثیت سے دے دیتے ہیں۔ کاروباری حضرات کو قرضہ دینا، ان کی امانتیں محفوظ رکھنا، اور ہنڈیوں کو بٹہ لگانا ان بنکوں کے اہم فرائض ہیں۔ اس کے علاوہ بنک اپنے جاری کردہ قرضوں کی بنیاد پر زر کی تخلیق بھی کرتے ہیں اور اصل امانت میں سے کچھ رقم زر نقد محفوظ رکھ کر بقیہ رقم کا نیا قرضہ جاری کر دیتے ہیں۔ اس طرح حقیقی امانت کی بنیاد پر کئی گنا مالیت کے قرضے جاری کر دیتے ہیں۔

فشر (Fisher) کے مطابق:

"تجارتی بنک ایسے مالی ادارے ہوتے ہیں جو حکومت کی منظوری سے قائم کئے جاتے ہیں۔ یہ بنک لوگوں سے امانتیں وصول کرنے اور قرضے جاری کرنے کا کاروبار کرتے ہیں۔"

ماضی میں یہ بنک تجارتی مقاصد کی تکمیل کے لیے قلیل المیعاد قرضے فراہم کرتے تھے لیکن اب یہ بنک صنعت سازی، زرعی ترقی، صرفی ضروریات اور کاروبار کی توسیع اور ترقی کے لیے آسان شرائط پر قلیل اور طویل مدت قرضے جاری کرتے ہیں۔ پاکستان کے بڑے بڑے تجارتی بنک مثلاً حبیب بنک، مسلم کمرشل بنک، نیشنل بنک، الائیڈ بنک، یونائیٹڈ بنک، پنجاب بنک، فرسٹ وویمن بنک وغیرہ اپنی بنکاری خدمات بڑی مہارت سے ادا کر رہے ہیں۔ تجارتی بنکوں کی دو اہم اقسام ہوتی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(i) فہرستی بنک (Scheduled Banks)

یہ بنک اپنے بنکاری فرائض مرکزی بنک کے متعین کردہ اصول وضوابط کے مطابق سرانجام دیتے ہیں۔ ایسے بنکوں کو اپنا کاروبار شروع کرنے سے پہلے ملک کے مرکزی بنک سے اجازت لینا پڑتی ہے۔ ان بنکوں کو اپنی کل امانتوں کا ایک خاص تناسب زر نقد مرکزی بنک کے پاس محفوظ رکھنا پڑتا ہے تاکہ بُرے حالات میں مرکزی بنک ان کی مدد کر سکے۔ اس وقت پاکستان میں تقریباً تمام بنک فہرستی بنکوں کے زمرے میں آتے ہیں۔ فہرستی بنک دو طرح کے ہوتے ہیں۔ قومیائے گئے فہرستی بنک (Nationalized Scheduled Bank) اور پرائیویٹ فہرستی بنک (Private Scheduled Bank)۔ قومیائے گئے فہرستی بنکوں میں نیشنل بنک، پنجاب بنک اور فسٹ وویمن بنک شامل ہیں اور باقی پرائیویٹ فہرستی بنکوں میں شمار ہوتے ہیں۔

(ii) غیر فہرستی بنک (Non-Scheduled Banks)

یہ بنک بھی فہرستی بنکوں کی طرح مرکزی بنک کے متعین کردہ اصول وضوابط کے مطابق اپنے کام تو سرانجام دیتے ہیں لیکن کئی معاملات میں فہرستی بنکوں کی طرح پابند نہیں ہوتے جیسا کہ ایک خاص تناسب سے زر نقد مرکزی بنک کے پاس محفوظ رکھنا وغیرہ۔ ان بنکوں کے لیے سرمایہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہوتی اور نہ ہی مرکزی بنک بُرے حالات میں ان کی مدد کرتا ہے۔

(3) زرعی بنک (Agriculture Banks)

زرعی بنک خاص طور پر زرعی شعبہ کی توسیع و ترویج کے لیے عمل میں لائے جاتے ہیں یہ بنک زراعت کی ترقی کے لیے کسانوں اور

کاشتکاروں کو آسان شرائط پر قلیل المیعاد اور طویل المیعاد قرضے فراہم کرتے ہیں تاکہ کاشتکار حضرات بروقت کھاد، اعلیٰ بیج، ادویات اور زرعی آلات خرید سکیں۔ زرعی بنک کسانوں کو آبیانہ ادا کرنے اور سیم وتھور سے متاثرہ زمینوں کو قابل کاشت بنانے کے لیے بھی قرضے فراہم کرتے ہیں۔ جن ممالک میں زراعت، معیشت کا سب سے بڑا شعبہ ہوتا ہے وہاں پیداوار، زراعت کی ترقی اور زرعی جدت سازی میں اضافہ کے لیے یہ بنک بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ پاکستان میں زرعی ترقیاتی بنک لمیٹڈ (Zarai Taraqiati Bank Ltd) زراعت کی ترقی کے لیے نہایت اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ اس بنک نے کسانوں کو زرعی ضروریات کی تکمیل کے لیے قرضے دینے کا ایک وسیع وعریض نظام قائم کر رکھا ہے جس میں زرعی ترقیاتی بنک کے موبائل کریڈٹ آفیسر زدیہاتوں میں جا کر کسانوں کو زرعی قرضے اور ماہرانہ مشورے دیتے ہیں۔

(4) صنعتی بنک (Industrial Banks)

یہ بنک صنعتی ترقی اور صنعت کی کارکردگی کو بڑھانے کے لیے قائم کئے جاتے ہیں۔ حکومتِ پاکستان نے اس سلسلے میں 1957 میں پاکستان انڈسٹریل کریڈٹ اینڈ انوسٹمنٹ کارپوریشن (Pakistan Industrial Credit and Investment Corporation) (PICIC) اور 1961 میں صنعتی ترقیاتی بنک (Industrial Development Bank of Pakistan) کے نام سے بنک قائم کر رکھے ہیں جو صنعتکاروں کو قلیل المیعاد اور طویل المیعاد ملکی وغیر ملکی قرضے فراہم کرتے ہیں۔ چونکہ صنعتکاروں کو پیداواری عمل کو بڑھانے، مشینیں، آلات، عمارات کی تعمیر اور صنعتی ضروریات کی تکمیل کے لیے سرمائے کی ضرورت پڑتی ہے تو ایسے میں مذکورہ بنک صنعتکاروں کو آسان شرائط پر قرضے فراہم کر دیتے ہیں۔ جس کی بدولت ملکی صنعت خوب ترقی کرتی ہے۔ ملکی مصنوعات میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ صنعتوں میں ٹیکنالوجی اور مہارت کا استعمال بڑھ جاتا ہے۔ مصارف پیدائش کم ہوجاتے ہیں اور صنعتوں کو پھلنے پھولنے کا موقع ملتا ہے۔ پاکستان میں صنعت افروزی کے لیے اور بھی مالیاتی ادارے اپنی خدمات بڑی مہارت سے سرانجام دے رہے ہیں جن میں انوسٹمنٹ کارپوریشن آف پاکستان Investment Corporation of Pakistan(ICP)، ایکویٹی پارٹیسپیشن فنڈ (Equity Participation Fund) (EPE) اور بینکرز ایکویٹی لمیٹڈ (Bankers Euqity Ltd.) قابل ذکر ہیں۔

(5) تعاونی بنک (Cooperative Banks)

یہ بنک زرعی پیداواری شعبوں میں تعاونی کاروباری سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے آسان شرائط پر قرضے فراہم کرتے ہیں۔ یہ بنک اپنی مدد آپ کے اصول کے تحت کام کرتے ہیں۔ یہ بنک زمینداروں اور کاشتکاروں کو قرضے فراہم کرتے ہیں جو امداد باہمی کی انجمنوں کے اراکین ہوتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ بنک عموماً امداد باہمی کی قرضہ کی انجمنوں کو قرضے دیتے ہیں۔ امداد باہمی کی انجمنوں کے اراکین مشترکہ قرضوں سے جدید مشینری، آلات، ٹریکٹر، ویٹ تھریشر اور دیگر زرعی مداخل خریدتے ہیں اور زراعت کی ترقی کا باعث بنتے ہیں۔ پاکستان میں تحصیل کی سطح پر تعاونی بنک قائم ہیں یہ بنک اپنے مالی وسائل، صوبائی تعاونی بنکوں سے حاصل کرتے ہیں جبکہ صوبائی تعاونی بنک، وفاقی تعاونی بنکوں سے مالی وسائل حاصل کرتے ہیں۔ ان تمام امدادی تعاونی بنکوں کی سرپرستی حکومت پاکستان اور سٹیٹ بنک آف پاکستان کے ذمہ ہے۔

(6) بچت بنک (Saving Banks)

بچت بنک دراصل کوئی مخصوص بچت کے مالیاتی ادارے نہیں ہوتے بلکہ تمام تجارتی بنک، قومی بچت کے مراکز اور ڈاک خانے

کے بنک، بچت بنک کے نام سے لوگوں کے اندر بچتوں کا رجحان پیدا کرنے کے لیے اپنے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ان بنکوں میں عموماً کم آمدنی پانے والے افراد اپنی پس انداز کی ہوئی رقوم باقاعدگی سے جمع کرواتے ہیں اور ان پر سود حاصل کرتے ہیں۔ پاکستان میں مرکزی بنک کے علاوہ تمام مذکورہ مالیاتی ادارے بچت بنک کی حیثیت سے لوگوں کو بچتیں جمع کروانے کی سہولتیں فراہم کر رہے ہیں اور لوگوں کی رقوم کو سرمایہ کاری اور کفالتوں کی خریداری پر خرچ کر کے خاطر خواہ منافع حاصل کرتے ہیں اور اسی منافع سے لوگوں کو ان کی امانتوں پر ایک معقول شرح سے سود ادا کرتے ہیں۔اس طرح لوگوں کے اندر بچت کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

(7) مبادلہ بنک (Exchange Banks)

یہ بنک ملکی کرنسی کو غیر ملکی کرنسی میں بدلنے کا کام سرانجام دیتے ہیں اور کمیشن وصول کرتے ہیں۔ یہ بنک درآمد کنندگان اور برآمد کنندگان کو تجارتی لین دین میں آسانی کے لیے برآمدی تاجروں کی پیش کردہ غیر ملکی ہنڈیوں پر بٹہ لگا کر انہیں مالی وسائل مہیا کرتے ہیں اور ڈرافٹ کی سہولت فراہم کر کے غیر ملکی ادائیگیوں کو آسان بنا دیتے ہیں۔ یاد رہے تبادلہ کے بنک علیحدہ سے قائم نہیں کئے جاتے بلکہ تمام ملکی و غیر ملکی تجارتی بنک سٹیٹ بنک آف پاکستان کی اجازت سے اس کے ایجنٹ کی حیثیت سے اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ پاکستان میں مبادلہ بنک کے فرائض نیشنل بنک آف پاکستان، مسلم کمرشل بنک، الائیڈ بنک، یونائیٹڈ بنک، حبیب بنک اور غیر ملکی بنک مثلاً امریکن ایکسپریس، چارٹرڈ بنک، نیشنل اینڈ گرینڈلیز بنک لمیٹڈ بڑی مہارت سے زرمبادلہ کا کاروبار کر رہے ہیں۔

(8) رہن رکھنے کے بنک (Mortgage Banks)

یہ بنک قرض حاصل کرنے والوں کی جائیدادیں، مکانات، فیکٹریاں اور دیگر قیمتی اشیا بطور رہن رکھ کر انہیں قرضے فراہم کرتے ہیں۔ پاکستان میں ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن (House Building Finance Corporation)(HBFC) اور تمام تجارتی بنک رہن رکھنے کی سہولت فراہم کر رہے ہیں۔ دور حاضر میں معاشی سرگرمیوں کے پھیلاؤ میں رہن رکھنے کی پالیسی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ زیادہ تر تجارتی قرضے لوگوں کے قیمتی اثاثوں کو رہن رکھ کر ہی جاری کرتے ہیں اور قرضوں کی واپسی تک یہ بنک ان اثاثوں کو اپنی ملکیت میں رکھ کر ان سے مالی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

3.3 تجارتی بنکوں کے فرائض (Functions of Commercial Banks)

تجارتی بنکوں کے اہم فرائض درج ذیل ہیں۔

(1) لوگوں کی امانتیں وصول کرنا (Accepting Deposits)

عام مشاہدے میں آیا ہے کہ جن لوگوں کے پاس روزمرہ ضروریات کی خرید و فروخت اور اخراجات کے بعد جو زائد رقوم بچ جاتی ہیں انھیں وہ بنکوں میں جمع کروا دیتے ہیں کیونکہ ان کے پاس نہ تو ان رقوم کو حفاظت سے رکھنے کا کوئی انتظام موجود ہوتا ہے اور نہ ہی وہ عام طور پر ان رقوم کو کسی کاروبار میں لگاتے ہیں۔ بنک لوگوں کو ان رقوم پر نہ صرف سود کی شکل میں منافع دیتے ہیں بلکہ ان امانتوں کے مکمل تحفظ کی یقین دہانی کے ساتھ لوگوں کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ جب چاہیں اپنی امانتیں بلا روک ٹوک واپس لے سکتے ہیں۔اس طرح بنکوں کے

فراہم کردہ اعتماد اور بھروسے کی وجہ سے لوگ بغیر کسی خوف و خطر اپنی امانتیں بنکوں میں درج اپنے کھاتوں میں جمع کرواتے ہیں۔

(i) طلبی کھاتے یا امانتیں (Demand Deposits)

طلبی امانتوں کو چلنت یا رواں کھاتہ (Current Account) بھی کہتے ہیں یہ ایسی امانتیں ہوتی ہیں جنہیں ان کے مالک جب چاہیں بنکوں سے نکلوا سکتے ہیں۔ ان امانتوں پر بنک کوئی سود ادا نہیں کرتا۔ کیونکہ بنک ایسی امانتوں کو نہ تو قرضوں کی صورت میں جاری کرتا ہے اور نہ ہی انہیں کسی کاروبار میں لگاتا ہے۔ عموماً کاروباری حضرات اپنی رقوم طلبی امانتوں کے کھاتوں میں محفوظ رکھنے کے لیے جمع کرواتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت انہیں بنک سے نکلوا کر فوری ادائیگیوں کے لیے استعمال میں لا سکیں۔ ایسی امانتوں کو بنک کے اوقات کے دوران جتنی بار چاہیں جمع کروایا نکلوا سکتے ہیں۔ بنک صرف امین کے طور پر اپنا فرض ادا کرتا ہے اور کسی قسم کی پابندی یا شرط لاگو نہیں کرتا۔

(ii) میعادی امانتیں (Time Deposits)

جن لوگوں کے پاس فالتو رقوم ہوتی ہیں اور وہ انہیں ایک خاص عرصہ تک استعمال میں نہیں لانا چاہتے تو وہ انہیں بنکوں کے میعادی کھاتوں میں جمع کرا دیتے ہیں۔ چنانچہ بنک ایسی امانتوں کو مقررہ میعاد پوری ہونے سے پہلے اپنے استعمال میں لا کر شرح سود کما سکتے ہیں۔ ایسی امانتوں کی واپسی کی میعاد جتنی زیادہ طویل عرصہ پر محیط ہوتی ہے بنک اسی شرح سے امانت داروں کو سود (یعنی منافع) ادا کرتا ہے۔ ایسی امانتوں کو مقررہ وقت سے پہلے بنک سے نکلوایا نہیں جا سکتا کیونکہ بنک ان امانتوں پر دیگر کھاتوں کی نسبت زیادہ شرح سود یا منافع ادا کرتا ہے۔ تاہم اگر امانت دار کو غیر متوقع طور پر رقم کی اشد ضرورت پیش آ جائے تو بنک اپنے گاہکوں کو سہولت فراہم کرتے ہیں کہ وہ پیشگی نوٹس دیکر اپنی رقوم نکلوا سکتے ہیں جن پر بنک اپنے اصول و ضوابط کے تحت سروس چارجز کاٹ لیتا ہے۔

(iii) بچت امانتیں (Saving Deposits)

ایسی امانتیں عام طور پر لوگوں کی بچائی ہوئی چھوٹی چھوٹی رقوم پر مشتمل ہوتی ہیں۔ جن پر بنک انہیں ایک خاص شرح سود یا منافع ادا کرتا ہے۔ ایسے کھاتے نہ صرف لوگوں میں بچت کرنے کی ترغیب کو فروغ دیتے ہیں بلکہ بنکوں کو سرمایہ کاری کے لیے خاطر خواہ مالی وسائل حاصل ہو جاتے ہیں جن پر وہ شرح سود حاصل کرتے ہیں۔ ایسی امانتوں کو بنکوں سے بیک وقت نکلوایا نہیں جا سکتا بلکہ ہفتہ میں ایک یا دو بار تھوڑی تھوڑی سی مقدار میں نکلوایا جا سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ بنک سے نکلوائی جانے والی رقم کی مالیت بنک کی مقرر کردہ مقدار سے زیادہ نہ ہو بصورت دیگر بنک کو رقم نکلوانے سے پہلے نوٹس دینا ضروری ہوتا ہے۔ بنک ایسی امانتوں پر میعادی قرضوں کے مقابلے میں کم شرح سے سود یا منافع ادا کرتا ہے۔

(iv) نفع و نقصان کی شراکتی امانتیں (Profit & Loss sharing Deposits)

پاکستان نے یکم جولائی 1981 کو پاکستان میں تمام بنکوں میں بلاسود بنکاری نظام کو رائج کر دیا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے امانت داروں کے لیے نفع و نقصان کے شراکتی کھاتے کھولے گئے جن کو یکم جولائی 1985 میں تمام بنکوں نے جاری کر دیا۔ بنک ایسی امانتوں پر پیشگی طے شدہ سود کی بجائے مختلف شرح سے منافع یا نقصان ادا کرتا ہے۔ کیونکہ ایسی امانتوں کو قرضوں میں جاری کر کے اگر بنک کو منافع ہو تو امانت دار کو منافع میں سے حصہ دیا جاتا ہے اور نقصان کی صورت میں امانت دار بھی نقصان برداشت کرتا ہے۔ اس طرح امانتیں

جمع کروانے والے بنک کو ہونے والے نقصان اور منافع میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ نفع و نقصان کے شراکتی کھاتے پیچیدگیوں کی بنا پر کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے اور محض سود کا نام تبدیل کر کے منافع رکھ دیا گیا۔ بہر حال ان کھاتوں پر منافع کی شرح مقرر نہیں ہوتی بلکہ بنک ہر چھ ماہ بعد اپنے کاروباری منافع کی بنیاد پر منافع کی شرح کا اعلان کرتے ہیں جو مختلف وقتوں میں مختلف ہوتی ہے۔

(2) قرضے جاری کرنا (Advancing Loans)

تجارتی بنکوں کا دوسرا اہم فرض ضرورت مندوں، تاجروں اور آجروں کو قرضے فراہم کرنا ہے۔ بنک اس سہولت کے تحت لوگوں کو تجارتی اور صرفی مقاصد کے لیے قلیل المیعاد اور طویل المیعاد قرضے فراہم کرتا ہے اور ان قرضوں پر بھاری مقدار میں شرح سود وصول کرتا ہے۔ قرضوں کے اجرا کے وقت ہر بنک کو اپنے نقد ذخائر اور قرض میں اس دی جانے والی رقوم کے درمیان ایک خاص توازن برقرار رکھنا پڑتا ہے تا کہ امانت داروں کے مطالبات پورے ہو سکیں اور ان کی ساکھ کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔ اس مقصد کے لیے ہر بنک اپنی کل امانتوں کا 20 سے 30 فیصد حصہ زر نقد کی صورت میں محفوظ رکھتا ہے تا کہ بوقت ضرورت امانتداروں کو ان کی طلب کے مطابق رقم ادا کر سکے۔ یاد رہے زر نقد محفوظ رکھنے کا تناسب مرکزی بنک طے کرتا ہے۔ اس لیے بنکوں کے جاری کردہ قرضے زر نقد محفوظ رکھنے کے تناسب سے منسلک ہوتے ہیں۔ بنک لوگوں کو قرضے جاری کرتے وقت ان کی جائیدادیں، زمینیں، زیورات، کفالتیں اور قیمتی اشیا بطور ضمانت رہن رکھتا ہے تا کہ قرضوں کی واپسی میں مشکلات درپیش نہ آئیں۔ بنک لوگوں کو درج ذیل طریقوں سے قرضے جاری کرتے ہیں۔

(i) قرضوں کا حساب کھولنا (Opening Loan Account)

تجارتی بنک قرض جاری کرتے وقت گاہکوں سے قرضے کی رقم سے زیادہ مالیت کی جائیداد یا قیمتی اثاثے ضمانت کے طور پر طلب کرتے ہیں۔ اگر قرض حاصل کرنے والا بنک کا مطالبہ پورا کر دے تو بنک اسے قرضے جاری کر دیتا ہے لیکن قرض دیتے وقت گاہک کو فوری زر نقد حوالے نہیں کرتا بلکہ گاہک کے نام ایک نیا کھاتہ کھولتا ہے۔ قرض کی رقم اس کے کھاتے میں جمع کر کے چیک بک اس کے حوالے کر دیتا ہے اور سہولت دیتا ہے کہ وہ جب چاہے اپنی رقم چیک کے ذریعہ بنک سے نکلوا سکتا ہے۔ بنک کے اس عمل سے قرضے میں دی جانے والی رقم نہ صرف چیکوں کی بدولت بنکوں کی تحویل میں رہتی ہے بلکہ ہر نئی امانت زر کی تخلیق کا باعث بنتی ہے۔ جن سے بنکوں کو خوب فائدہ حاصل ہوتا ہے اور وہ قرض داروں سے خاطر خواہ سود حاصل کرتے ہیں۔

(ii) اوورڈرافٹ کی سہولت (Over Draft Facility)

بنک یہ سہولت صرف ان کھاتے داروں کو فراہم کرتا ہے جن کے لین دین کا معاملہ بنک کے ساتھ اچھا اور مستقل نوعیت کا ہو۔ لہٰذا قرض دار اس سہولت کے تحت بھی بنکوں سے قرضے حاصل کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی کاروباری شخص کو بنک میں موجود اپنی رقم سے زائد رقم کی ضرورت پیش آ جائے تو بنک اسے کھاتے میں موجود رقم سے زیادہ مالیت کی رقم نکالنے کی اجازت دے دیتا ہے۔ لیکن زائد رقم دینے کی حد ہر گاہک کے لیے مختلف ہوتی ہے۔ اس لیے اسے اوورڈرافٹ کی حد بھی کہتے ہیں۔ یاد رہے بنک صرف اوورڈرافٹ کے تحت دی جانے والی رقم پر ہی سود حاصل کرتا ہے اس لیے کاروباری حضرات اوورڈرافٹ کے ذریعے ہی زیادہ قرضے جاری کرواتے ہیں۔ بنکوں کی اس سہولت کے تحت نہ صرف قرض داروں کو فائدہ ہوتا ہے بلکہ کاروبار کو وسعت ملتی ہے اور بنکوں کے منافع جات بھی بڑھ جاتے ہیں۔

(iii) ہنڈیوں پہ بٹہ لگانا (Discounting Bill of Exchange)

ہنڈی ایک ایسی کاروباری دستاویز ہے جس پر اُدھار لیے گئے تجارتی مال کی نوعیت، قسم، قیمت، سودے کی تاریخ، رقم واپس ادا کرنے کی تاریخ اور اصل رقم بمعہ واجب الادا سود درج ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ہنڈی پر قرضدار کی دستخط شدہ تحریر لکھی ہوتی ہے کہ وہ قرض لے جانے والی رقم بمعہ سود قرض خواہ کو ہنڈی پر درج وقت کے اندر ادا کر دے گا۔ اس طرح قرض دار اور قرض خواہ کے درمیان جو تحریری معاہدہ طے پاتا ہے وہ ہنڈی کہلاتا ہے۔ قرض خواہ یہ ہنڈی اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور وقت مقررہ سے پہلے سود کی رقم قرضدار سے طلب نہیں کرسکتا۔ تاہم اگر قرض خواہ کو ہنڈی کی رقم مدت ختم ہونے سے پہلے ہی درکار ہو تو وہ ہنڈی کسی بھی تجارتی بنک کے پاس فروخت کر کے مطلوبہ رقم حاصل کرسکتا ہے۔ بنک کے ہنڈی کے عوض قرضے دینے کے عمل کو ہنڈی پر بٹہ لگانا کہتے ہیں۔ یاد رہے بنک ہنڈی پر بٹہ لگاتے وقت سود کی رقم کاٹ کر باقی رقم ادا کرتا ہے اور خود مدت پوری ہونے پر ہنڈی پر درج رقم قرض دار سے بمعہ سود وصول کر لیتا ہے۔ اس طرح بنک کو دُہرا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

(3) سہل آلہ مبادلہ (Convenient Medium of Exchange)

تجارتی بنکوں نے کاروباری لین دین کے معاملات میں چیکوں اور ڈرافٹ کو جاری کر کے رقوم کی ادائیگیوں میں بڑی آسانیاں پیدا کردی ہیں۔ کیونکہ جب کوئی بڑی کاروباری ادائیگی کرنسی نوٹوں میں کی جاتی ہے تو ان کرنسی نوٹوں کو بحفاظت منتقل کرنا، گننا اور اصلی نقلی کی شناخت کرنا بڑا دشوار گذار کام ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسی ادائیگیوں میں بنکوں کے چیک اور ڈرافٹ نسبتاً آسان آلہ مبادلہ ثابت ہوتے ہیں اور لوگوں میں قابل قبول بھی ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بنک اپنے گاہکوں کے لیے ملکی، غیر ملکی سفر کے دوران سفری چیک (Travelling Cheque) بھی جاری کرتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت ان کو کیش کروا کر اپنی ادائیگیاں چکا سکیں۔

(4) انتقال زر (Transfer of Money)

تجارتی بنک اپنے گاہکوں کی رقوم ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے چیک، پے آرڈر، ڈرافٹ، ٹیلی فونک اور برقیاتی منتقلی جیسی سہولتیں فراہم کرتے ہیں۔ جن کے ذریعے لوگ اپنی رقوم باحفاظت اور مختصر وقت میں اپنی خواہش کے مطابق جہاں چاہیں منتقل کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی شخص کو دوسرے شہر بھاری رقم منتقل کرنا ہو تو رقم ارسال کرنے والا شخص اپنے شہر کے کسی بھی بنک میں رقم جمع کروا کر ڈرافٹ حاصل کر لیتا ہے جس پر رقم کی مالیت، رقم وصول کرنے والے کا نام اور اس کے شہر میں موجود بنک کی شاخ کا نام درج ہوتا ہے۔ ارسال کنندہ اس ڈرافٹ کو بذریعہ ڈاک یا کسی دوسرے ذریعہ سے وصول کنندہ کو بھیج دیتا ہے۔ وصول کنندہ یہ رقم مطلوبہ بنک سے حاصل کر لیتا ہے۔ اس طرح ایک بڑی رقم بحفاظت دوسرے شہر منتقل ہو جاتی ہے۔ یاد رہے کہ بنک ایسی تمام سہولتوں کے عوض رقم کی مالیت کے تناسب سے معمولی سا معاوضہ سروس چارجز کی صورت میں وصول کر لیتا ہے۔

(5) سرمایہ کاری کا ذریعہ (Means of Investment)

تجارتی بنک نہ صرف خود ترقیاتی منصوبوں میں منافع کمانے کی غرض سے سرمایہ کاری کرتے ہیں بلکہ لوگوں کو بھی سرمایہ کاری کرنے کے لیے رہنمائی کرتے ہیں تجارتی بنک مختلف کمپنیوں کے حصص اور حکومت کی تمسکات اور کفالتیں خریدتے اور بیچتے ہیں اور لوگوں کو بھی ان حصص اور تمسکات کی خرید و فروخت میں مدد دیتے ہیں۔ اس طرح عام لوگ اور بنک سرمایہ کاری سے خوب استفادہ کرتے ہیں۔ بنک

سرمایہ کاری کو فروغ دینے کے لیے لوگوں کو قرضے جاری کرنے کے ساتھ ساتھ انھیں بحیثیت رہنما سرمایہ کاری کے مواقع بھی فراہم کرتے ہیں۔اس طرح سرمایہ کاری کے فروغ کے ساتھ ملکی معاشی ترقی میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

(6) قیمتی اشیا کا محافظ (Safe Custodian of Valuables)

تجارتی بنک اپنے گاہکوں کی قیمتی اشیا مثلاً وصیتیں، زیورات، پرائز بانڈز، ہیرے جواہرات اور جائیداد کی رجسٹریاں وغیرہ کو بحفاظت رکھنے کے لیے لاکرز مہیا کرتے ہیں اور معمولی سروس چارجز لے کر لوگوں کی قیمتی اشیا کی حفاظت کو یقینی بناتے ہیں۔اس طرح لوگوں کی قیمتی اشیا چوری ہونے یا خورد برد ہونے سے بچ جاتی ہیں اور بنک انکی پوری حفاظت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

(7) متفرق فرائض (Miscellaneous Functions)

مذکورہ بالا فرائض کے علاوہ درج ذیل کام بھی تجارتی بنک بڑی مہارت سے سرانجام دیتے ہیں۔

(i) تجارتی بنک غیر ملکی کرنسی کا لین دین بھی کرتے ہیں اور تاجروں کو درآمدات و برآمدات میں مالی سہولت مہیا کرتے ہیں۔

(ii) ملکی شعبوں میں مثلاً صنعت، زراعت وغیرہ کی ترقی کے لیے کثیر سرمایہ فراہم کرتے ہیں۔

(iii) بنک پسماندہ علاقوں میں اپنی برانچیں کھول کر کسانوں کو قرضہ کی سہولتیں دیتے ہیں۔

(iv) قیمتوں میں ہونے والے اُتار چڑھاؤ کو کم کرکے سرمایہ کاری اور معاشی ترقی کی رفتار کو مستحکم بناتے ہیں۔

(v) تجارت اور صنعت کو سرمایہ مہیا کرکے اشیا و خدمات کی پیداوار میں اضافے کا باعث بنتے ہیں اور معیشت میں ترقی کے راستے کھل جاتے ہیں اور لوگوں کا معیارِ زندگی بلند ہو جاتا ہے۔

3.4 زرِ اعتبار کی تخلیق (Credit Creation)

اعتباری زر کی تخلیق تجارتی بنکوں کے فرائض میں سے سب سے اہم اور مقدم فریضہ ہوتا ہے جس کی بنیاد پر وہ اصل امانتوں کی بنیاد پر کئی گنا زیادہ مالیت کے قرضے جاری کر کے اپنے کاروبار کو فروغ دیتے ہیں۔بنکوں کے اس عمل کی وجہ سے انھیں زرِ اعتبار پیدا کرنے کے کارخانے کہا جاتا ہے۔بنکوں کا یہ رجحان جس میں بنک اپنے پاس موجود جمع شدہ امانتوں کی بنیاد پر کئی گنا زر پیدا کر دیتے ہیں اسے معاشیات میں اعتباری زر کی تخلیق کا نام دیا جاتا ہے۔گویا تجارتی بنک زر کے تاجر ہی نہیں ہوتے بلکہ وہ صحیح معنوں میں زر کے خالق ہوتے ہیں۔بنکوں کو روزمرہ کے کاروبار سے گہرا اندازہ ہوتا ہے کہ چند لوگ اپنی جمع کرائی ہوئی امانتوں کو بنک سے نکلوانے آتے ہیں جن کو ادا کرنے کے لیے انہوں نے اپنے پاس زرِ نقد محفوظ رکھا ہوتا ہے تاکہ وہ لوگوں کی طلبی ضروریات کو پورا کر سکیں۔لوگوں کی جمع کروائی ہوئی باقی رقم وہ قرضوں میں جاری کر کے کئی گنا زرِ اعتبار پیدا کر لیتے ہیں۔لہٰذا بنکوں کا جاری کردہ ہر قرضہ نئی فرضی امانت بن جاتا ہے۔کیونکہ کوئی گاہک بنک سے قرضہ لینے آتا ہے تو بنک قرض کی رقم سردست قرض دار کو نقد کی صورت میں ادا نہیں کرتا بلکہ اس کے نام نیا کھاتہ کھول کر رقم اس کے کھاتے میں جمع کر دیتا ہے اور قرض دار کو چیک بک حوالے کر کے اجازت دیتا ہے وہ ضرورت پڑنے پر چیک پیش کر کے مطلوبہ رقم بنک سے نکلوا سکتا ہے۔اس طرح جاری کیا گیا قرضہ بنک کے لیے نئی فرضی امانت بن جاتا ہے اور جب یہ فرضی امانت چیک کی صورت میں کسی دوسرے بنک میں جمع کرائی جاتی ہے تو وہ بنک بھی اس امانت کا 20 سے 30 فیصد سرمایہ محفوظ رکھ کر باقی رقم کسی اور گاہک کو قرض میں دے دیتا ہے جو پہلے کی طرح

ایک نئی فرضی امانت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ بنکوں کے قرضے جاری کرنے کا یہ سلسلہ تب تک جاری رہتا ہے جب تک آخری امانت صفر رقم تک نہیں پہنچ جاتی۔ اگر جاری کردہ قرضوں کی مقدار کا تعین ایک میزان تیار کر کے کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بنکوں نے ابتدائی امانت کی بنیاد پر کئی گنا قرضے جاری کر دیئے ہیں۔ اب نہ صرف بنکوں نے ان قرضوں کو واپس لینا ہوتا ہے بلکہ ان پر سود بھی وصول کرتے ہیں چونکہ ہر قرضے کی مالیت کے برابر قرضدار چیک جاری کر دیتا ہے جبکہ ان چیکوں کی پشت پر نقد زر کہیں کم ہوتا ہے۔ لیکن یہ چیک بنک کی کاروباری ساکھ کی بنیاد پر بطور زر آلہ مبادلہ گردش کرتے ہیں اور شاذ و نادر ہی بنک میں کیش حاصل کرنے کے لیے پیش کئے جاتے ہیں اور یہی ان چیکوں کی گردش کا جواز ہے۔

بنک کے اعتبار زر کی تخلیق کا عمل کفالتوں کی خرید اور ہنڈیوں پہ بٹہ لگانے پر بھی ہوتا ہے۔ قرضہ جاری کرنے کی اس صورت میں کفالتوں اور ہنڈیوں کو پیش کرنے والوں کو نقد رقم نہیں دی جاتی بلکہ ان کی مالیت نئے کھاتے کھول کر ان میں جمع کر دی جاتی ہے اور قرضدار کو چیک بک حوالے کر کے ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اپنی کاروباری ادائیگیاں چیکوں کے ذریعے کریں۔ عموماً چیک کیش نہیں کروائے جاتے اس لیے ہر نیا قرضہ نئی فرضی امانت کی تخلیق کرتا ہے۔

اعتباری زر کی تخلیق کے عمل کو ایک فرضی موصولہ امانت کی بنیاد پر ایک میزان بنا کر سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے زر اعتبار کی تخلیق کو موثر بنانے والی شرائط کا جائزہ لیتے ہیں۔ زر اعتبار تخلیق کرنے کی شرائط درج ذیل ہیں۔

اعتباری زر کی تخلیق کا عمل (Process of Credit Creation)

فرض کریں بنک کے پاس 50 ملین روپے کی ایک امانت جمع کروائی جاتی ہے۔ بنک اپنے قوائد و ضوابط کو مدنظر رکھتے ہوئے اس امانت کا 20 فی صد یعنی 10 ملین روپے (50x1/5=10) زر نقد محفوظ رکھ لیتا ہے اور موصولہ امانت کا باقی 80 فی صد حصہ یعنی 40 ملین (50-10=40) روپے قرضے میں جاری کر دیتا ہے۔ یاد رہے قرض جاری کرتے وقت بنک قرض دار کو زر نقد نہیں دیتا بلکہ قرض دار کے نام نیا کھاتہ کھول کر قرض لی جانے والی رقم اس کے اکاؤنٹ میں منتقل کر دیتا ہے اور چیک بک جاری کر کے قرضدار کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ جب چاہے اپنی رقوم چیکوں کے ذریعے نکلوا سکتا ہے۔ اس طرح چیکوں کے ذریعے رقم بنکوں کے اندر ہی گردش کرتی رہتی ہے اور ہر نئی امانت زر کی تخلیق کا باعث بنتی ہے۔ زر اعتبار کی تخلیق کے اس پہلے مرحلے پر بنک کی بیلنس شیٹ حسب ذیل ہوگی۔

واجبات (Liabilities) (روپوں میں)	اثاثے (Assets) (روپوں میں)
A بنک کی نئی امانت =50 ملین	نقد زر محفوظ = 10 ملین A بنک کا جاری کردہ نیا قرضہ =40 ملین
میزان =50 ملین	میزان =50 ملین

فرض کریں دوسرے مرحلے پر نیا قرضہ 40 ملین روپے B بنک کے لیے ایک نئی فرضی امانت کا ذریعہ بنتا ہے۔ B بنک بھی اس امانت کا 20 فی صد (40x1/5=8) یعنی 8 ملین روپے زر نقد محفوظ رکھ کر باقی 80 فی صد (40-8=32) یعنی 32 ملین روپے کسی اور شخص کو قرض میں دے دیتا ہے۔ B بنک کے واجبات اور اثاثوں کی بیلنس شیٹ کچھ یوں بنتی ہیں۔

واجبات (Liabilities) (روپوں میں)	اثاثے (Assets) (روپوں میں)
B بنک کی جاری کردہ امانت= 40 ملین	نقد زر محفوظ =8 ملین B بنک کا جاری کردہ نیا قرض=32 ملین
میزان =40 ملین	میزان =40 ملین

اگر بنکوں کے جاری کردہ قرضوں کا یہ سلسلہ جاری رہے تو ہر مرتبہ نیا قرضہ زر اعتبار کی تخلیق کو کئی گنا بڑھنے میں مدد دیتا ہے۔ قرضوں کی مجموعی مالیت اور اس میں سے زر اعتبار کی مقدار معلوم کرنے کے لیے ہم تجارتی بنکوں کے اعتباری زر تخلیق کرنے کی صلاحیت کو ایک ریاضیاتی گوشوارہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔

بنک کے ادوار	نئی امانت (روپوں میں)	زر نقد محفوظ مقدار 20%@x نئی امانت (روپوں میں)	بنکوں کے جاری کردہ نئے قرضے 80%@x نئی امانت (روپوں میں)
A	50 ملین	50x1/5= 10	50x4/5=40
B	40 ملین	8	40 - 8 = 32
C	32 ملین	6.4	32 - 6.4 = 25.6
D	25.6 ملین	5.12	25.6 - 5.12=20.48
	-	-	-
	-	-	-
کل میزان	250 ملین	50 ملین	200 ملین

گوشوارہ سے ظاہر ہے کہ A بنک میں 50 ملین روپے کی ایک نئی امانت جمع کروائی جاتی ہے۔ بنک طے شدہ شرائط کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس امانت کا 1/5 یعنی 20 فی صد 10 ملین روپے بحیثیت زرِ نقد محفوظ رکھ کر باقی 4/5 یعنی 80 فی صد (40 ملین) روپے منافع کمانے کی غرض سے قرضہ میں جاری کر دیتا ہے۔ بنک کے قرضہ جاری کرنے کے دوسرے دور میں 40 ملین روپے کی یہ رقم بذریعہ چیک B بنک میں جمع کرائی گئی۔ اس طرح B بنک کی نئی امانتوں میں 40 ملین روپے کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ B بنک بھی اپنے اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے نئی امانت کا 20 فی صد زرِ نقد رکھ کر باقی 80 فی صد قرضہ جاری کر دیتا ہے۔ اس طرح زر اعتبار تخلیق کرنے سے نئی امانتیں 250 ملین روپے تک پہنچ جاتی ہیں۔ اس طرح تمام بنک مل کر 50 ملین روپے کی نئی امانت کو 250 ملین روپے تک پہنچا دیتے ہیں یعنی ابتدائی امانت کے مقابلے میں 5 گنا زیادہ امانتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

بنکوں کی نئی امانتوں کے اس بڑھتے ہوئے رجحان کو اعتباری زر کی تخلیق کا نام دیا جاتا ہے۔

زر اعتبار کی تخلیق کی حد بندیاں (Limitations of Credit Creation)

اعتباری زر کی تخلیق کے عمل سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بنک اپنی مرضی سے جتنا چاہیں اعتباری زر تخلیق نہیں کر سکتے کیونکہ ان پر

کئی پابندیاں عائد ہوتی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(1) زر کی مقدار (Quantity of Money)

اعتباری زر کی تخلیق کا دارومدار براہ راست ملک میں گردش کردہ زر کی مقدار پر ہوتا ہے۔ اگر ملک میں زر کی مقدار زیادہ ہوگی تو عوام کے پاس زیادہ زر نقد موجود ہوگا اور وہ زیادہ رقوم بنک میں جمع کرائیں گے بنک بھی اسی صورت میں زر اعتبار کی تخلیق کر سکیں گے۔ اس کے برعکس اگر لوگوں کے پاس زر کی مقدار کم ہوگی تو وہ بنکوں میں بھی رقوم جمع کرانے کے قابل نہیں ہونگے اور بنکوں کے اعتباری زر کی تخلیق کا عمل بھی رک جائے گا۔ لہٰذا بنکوں کے اعتباری زر کی تخلیق کا انحصار لوگوں کی جمع کرائی ہوئی امانتوں پر ہوتا ہے۔ اس لیے جب امانتوں میں کمی یا بیشی ہوتی ہے تو بنکوں کے اعتباری زر تخلیق کرنے کی صلاحیت بھی براہ راست متاثر ہوتی ہے۔

(2) عوام کی زر نقد کے لیے طلب (People's Demand for Cash Money)

اعتباری زر کا انحصار عوام کی زر نقد کے لیے طلب پر بھی ہوتا ہے۔ اگر لوگ اپنی ادائیگیاں اور وصولیاں چکانے کے لیے زر نقد زیادہ استعمال کریں گے تو معیشت میں چیکوں کا استعمال محدود ہو جائے گا۔ زر نقد کے زیادہ استعمال سے بنکوں کے پاس امانتیں کم ہو جائیں گی۔ وہ زیادہ قرضے جاری نہیں کر سکیں گے اور اعتباری زر کی تخلیق کا عمل رک جائے گا۔ اس کے برعکس اگر لوگ اپنی ادائیگیاں اور وصولیاں نقد زر کی بجائے چیکوں میں ادا کریں گے تو اعتباری زر کی تخلیق بڑھ جائے گی۔ لہٰذا اعتباری زر کی تخلیق کا دارومدار عوام کے نقد زر اور چیکوں کے استعمال پر ہوتا ہے۔

(3) قرض داروں کی قلت (Shortage of Borrowers)

اعتباری زر کی تخلیق کی راہ میں قرضداروں کی قلت بھی ایک بڑی رکاوٹ ہے کیونکہ اگر کوئی قرضدار بنک سے قرض طلب نہیں کریگا تو بنک کثیر نقد ذخائر موجود ہونے کے باوجود قرضے جاری نہیں کر سکیں گے اور اعتباری زر کی تخلیق کا عمل رکاوٹ کا شکار ہو جائے گا۔ اسی طرح لوگ بنکوں سے قرضہ لینے کی بجائے امداد باہمی کے تحت ایک دوسرے سے قرضہ حاصل کر کے اپنی ضروریات پوری کر لیں تو بنکوں کی زر اعتبار پیدا کرنے کی صلاحیت ختم ہو جائے گی۔

(4) معاشی اُتار چڑھاؤ (Economic Fluctuations)

جب کوئی معیشت سرد بازاری کا شکار ہو جائے تو کاروبار بُری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ اشیا کی قیمتیں گرنا شروع ہو جاتی ہیں، کاروباری منافع کم ہو جاتا ہے سرمایہ کاری رک جاتی ہے اور اگر یہ حالات شدت اختیار کر جائیں تو کاروباری لوگوں کو کئی نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لوگ سرمایہ کاری روک لیتے ہیں اور بنکوں سے لیے جانے والے قرضوں کی مقدار گھٹ جاتی ہے اور زر اعتبار کی تخلیق بھی رک جاتی ہے۔ اس کے برعکس ملک کی معاشی حالت بہتر ہو تو منافع کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ تاجروں کو سرمایہ کاری کرنے کے لیے سرمائے کی ضرورت پڑتی ہے لہٰذا وہ بنکوں سے قرضے لینے شروع کر دیتے ہیں اور اعتباری زر کی تخلیق تیز ہو جاتی ہے۔

(5) زر نقد کا تناسب (Ratio of Cash Reserves)

تجارتی بنک قانونی طور پر پابند ہوتے ہیں کہ وہ موصولہ امانتوں میں سے مرکزی بنک کے مقرر کردہ تناسب کے برابر زر نقد اپنے

پاس محفوظ رکھیں تا کہ وہ امانتداروں کی طلبی ضرورت کو پورا کر سکیں اگر مرکزی بنک اپنے مقرر کردہ زر نقد کے تناسب کی شرح بڑھادے تو اعتباری زر کی تخلیق رک جاتی ہے جبکہ زر نقد محفوظ کی شرح تناسب کم کرنے کی صورت میں اعتبار زر کی تخلیق کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔

(6) ضمانتی اثاثوں کی کمی (Shortage of Security Assets)

تجارتی بنک لوگوں کی جائیداد اور دیگر قیمتی اثاثوں کو ضمانت کے طور پر رکھ کر قرضے جاری کرتے ہیں۔ اگر لوگوں کے پاس قرض لینے کے لیے مناسب ضمانتیں موجود نہ ہوں تو بنک اعتباری زر کو تخلیق نہیں کر سکتے۔ بنک گاہکوں کو قرضہ دیتے وقت ان سے جائیدادیں، حصص، سونا یا قیمتی اثاثے ضمانت کے طور پر رہن رکھ کر ہی قرضے جاری کرتے ہیں۔ اس لیے کراوتھر نے کہا ہے۔"بنک فضا میں سے زر تخلیق نہیں کرتے بلکہ ان کی دولت کی مختلف اشکال کو زر کی شکل میں بدل دیتے ہیں۔"

(7) بنکوں کا تعاون (Cooperation Among Banks)

اگر ملک میں تجارتی بنک ایک دوسرے کے ساتھ کاروباری تعاون نہ کریں تو زر اعتباری کی تخلیق ممکن نہیں ہوتی کیونکہ کوئی ایک بنک زر اعتباری کی تخلیق نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے اسے پورے بنکاری نظام کو شامل کرنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی ایک بنک قرض جاری کر رہا ہو لیکن دوسرے بنک قرضے نہ جاری کر رہے ہوں تو قرضہ جاری کرنے والے بنک کی رقوم چیکوں کے ذریعہ دوسرے بنکوں میں منتقل ہو جائیں گی لیکن قرضہ جاری کرنے والے بنک کے نقد ذخائر گھٹ جاتے ہیں اور وہ اپنے امانت داروں کے طلبی چیکوں پر لکھی گئی رقوم کو ادا کرنے کے قابل نہیں رہتا اور دیوالیہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح اعتباری زر کی تخلیق بھی کم ہو جائیگی۔

(8) مرکزی بنک کی پالیسی (Policy of Central Bank)

مرکزی بنک کی زری پالیسی (Monetary Policy) بھی اعتباری زر کی تخلیق کو متاثر کرتی ہے مثلاً جب مرکزی بنک تجارتی بنکوں کو قرضے دیتے وقت شرح بنک بڑھادیتا ہے تو تجارتی بنک بھی قرضے جاری کرتے وقت شرح سود بڑھادیتے ہیں۔ نتیجے میں لوگ قرضہ لینا چھوڑ دیتے ہیں اور اعتباری زر کی تخلیق گھٹ جاتی ہے۔ اس کے برعکس اگر مرکزی بنک نرم زری پالیسی اختیار کرے تو زر اعتبار کی تخلیق بڑھ جاتی ہے۔

3.5 مرکزی بنک کے فرائض (Functions of Central Bank)

مرکزی بنک کے اہم فرائض درج ذیل ہوتے ہیں۔

(1) نوٹ جاری کرنا (Issue of Notes)

ماضی میں جب مرکزی بنک موجود نہ تھے تو تجارتی بنکوں کو نوٹ جاری کرنے کی اجازت ہوتی تھی۔ جس کے باعث تمام بنک اپنی مرضی سے نوٹ چھاپ لیتے تھے اور زر کی رسد پر کنٹرول حاصل کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ زر کی فراوانی کے سبب معیشتیں افراط زر کا شکار ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ ان حالات میں ایک ایسے ذمہ دار ادارے کی ضرورت محسوس ہوئی جو ملک کے زری و بنکاری نظام کو متوازن خطوط پر استوار کر سکے۔ اس سعی کے نتیجے میں انیسویں صدی کے اختتام تک یورپ کے تمام ممالک میں مرکزی بنک قائم ہو چکے تھے۔ تاہم بیشتر ممالک کے

مرکزی بنک 1920 کے بعد وجود میں آئے۔ پاکستان کا مرکزی بنک یکم جولائی 1948 کو قائم ہوا جس کو حکومتی قوانین کے مطابق نوٹ جاری کرنے کا پورا اختیار حاصل ہے۔ اس لیے مرکزی بنک کے جاری کردہ زر کو قانونی زر کی حیثیت حاصل ہے اور اسے اشیا و خدمات کے لین دین میں بطور آلہ مبادلہ بلا روک ٹوک استعمال کیا جاتا ہے۔ پاکستان کے مرکزی بنک نے 1000,500,100,50,20,10 اور 5000 روپے کے نوٹ جاری کر رکھے ہیں جن کو قبولیت عامہ حاصل ہے۔ ہر ملک کے مرکزی بنک کو نوٹوں کے اجرا کے وقت نوٹ چھاپنے کے اصولوں میں سے کسی ایک اصول پر عمل کرنا پڑتا ہے جو درج ذیل ہیں۔

(i) معینہ ضمانت کا اصول (Fixed Fiduciary System)

اس اصول کے تحت مرکزی بنک ایک خاص حد تک سونا، چاندی یا منظور شدہ زر مبادلہ محفوظ رکھے بغیر نوٹ جاری کر سکتا ہے۔ لیکن اس حد کے بعد ہر نوٹ کی مالیت کے برابر سو فی صد سونا، چاندی یا زر مبادلہ محفوظ رکھنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی ملک میں خاص حد گزرنے کے بعد ایک سو روپیہ چھاپنے کی ضرورت محسوس ہو تو اس کو چھاپنے کی صورت میں 100 فی صد سونا، چاندی یا زر مبادلہ اس کی پشت پر محفوظ رکھنا پڑے گا۔ یاد رہے کسی ملک کے مرکزی بنک کو یہ حد تبدیل کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ تاہم اس حد کو تبدیل کرنے کا اختیار ملک کی پارلیمنٹ کے پاس ہوتا ہے۔ اس وقت یہ نظام برطانیہ، ناروے اور جاپان میں رائج ہے۔ زر کی رسد غیر لچکدار ہونے کے باعث یہ نظام پاکستان میں رائج نہیں کیونکہ ضرورت پڑنے پر مرکزی بنک اس وقت تک نوٹ جاری نہیں کر سکتا جب تک چھاپے جانے والے نوٹوں کی مالیت کے برابر سونا، چاندی یا زر مبادلہ موجود نہ ہو۔ اس لیے یہ نظام صرف ان ممالک میں رائج ہے جن کے پاس سونے، چاندی اور دیگر قیمتی دھاتوں کے ذخائر موجود ہیں۔ جن ممالک میں یہ نظام رائج ہے وہاں کرنسی کی فراوانی اور افراط زر کا مسئلہ درپیش نہیں ہوتا اور نہ ہی قیمتوں میں عدم استحکام پایا جاتا ہے۔

(ii) متناسب محفوظات کا نظام (Proportional Reserve System)

اس نظام کے تحت مرکزی بنک کو نوٹ جاری کرتے وقت ایک خاص تناسب سے سرمایہ محفوظ رکھنا پڑتا ہے۔ چنانچہ کوئی مرکزی بنک جتنے نوٹ جاری کرتا ہے ان کی پشت پر مقررہ تناسب کے حساب سے سونا، چاندی یا منظور شدہ زر مبادلہ بطور ضمانت رکھنا پڑتا ہے۔ پاکستان میں یہ تناسب 30 فیصد ہے۔ یعنی پاکستان میں مرکزی بنک چھاپے جانے والے نوٹوں کی پشت پر 30 فیصد زر مبادلہ محفوظ رکھ کر جتنے چاہے نوٹ چھاپ سکتا ہے۔ جبکہ چھاپے جانے والے نوٹوں کی باقی مالیت کو ملکی اثاثوں کو گروی یا رہن رکھ کر پورا کیا جاتا ہے۔ مختلف ممالک میں سرمائے محفوظ کا تناسب مختلف ہوتا ہے۔ جسے ملکی حالات کے مطابق کم یا زیادہ کیا جا سکتا ہے لیکن اس کی منظوری حکومت کی پارلیمنٹ کا کام ہے۔ یہ نظام پاکستان کے علاوہ بھارت، امریکہ، جرمنی اور دنیا کے کئی ممالک میں رائج ہے جسکی وجہ نظام کی لچک پذیری ہے۔ جس کے تحت مرکزی بنک حسب ضرورت زر کی مقدار میں کمی یا بیشی لا کر افراط زر اور قیمتوں کو استحکام فراہم کر سکتا ہے۔

(2) حکومت کا بنک (Banker to the Government)

مرکزی بنک حکومت کے بنک کے طور پر مالی مشیر کی حیثیت سے اپنے فرائض بڑی مہارت سے سر انجام دیتا ہے۔ یہ بنک حکومت کو وہی خدمات مہیا کرتا ہے جو تجارتی بنک اپنے گاہکوں کے لیے سر انجام دیتا ہے۔ مرکزی بنک حکومتی معاملات کو متوازن رکھنے اور دیگر

ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل کو یقینی بنانے کے لیے درج ذیل کام سرانجام دیتا ہے۔

(i) وفاقی حکومت اور صوبائی حکومتوں کی امانتیں اپنی تحویل میں رکھ کر انھیں قلیل المیعاد اور طویل المیعاد قرضے جاری کرتا ہے۔

(ii) وفاقی اور صوبائی وصولیوں اور ادائیگیوں میں توازن برقرار رکھنے کے لیے ٹیکس کی وصولیاں اور سرکاری تنخواہوں کی ادائیگیاں کرتا ہے۔

(iii) حکومت کو ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل کے لیے طویل المیعاد قرضے فراہم کرتا ہے۔

(iv) حکومت کے لیے ملکی اور غیر ملکی ذرائع سے قرضے وصول کرتا ہے اور زرِ مبادلہ کی بین الاقوامی ادائیگیوں اور وصولیوں کو آسان بناتا ہے۔

(v) حکومت کے لیے کفالتوں کی خرید و فروخت کا کام کرتا ہے۔

(vi) حکومت کے تمام سرمائے کا محافظ ہوتا ہے۔

(vii) توازنِ ادائیگیوں کی خرابی کے پیشِ نظر حکومت کو ملکی کرنسی کی قدر میں تبدیلیاں لانے کا مشورہ دیتا ہے۔

(3) بنکوں کا بنک (Banker's Bank)

مرکزی بنک ملک کے بنکاری اور زری نظام کا سربراہ ہوتا ہے۔ ملک کے تمام بنک اس کے وضع کردہ اُصول و ضوابط کے مطابق اپنے فرائض سرانجام دیتے ہیں اس لیے مرکزی بنک ملک کے بنکوں کا بنک کہلاتا ہے۔ مرکزی بنک تجارتی بنکوں کے لیے درج ذیل خدمات سرانجام دیتا ہے۔

(i) تجارتی بنکوں کی ہنڈیوں پر دوبارہ بٹہ لگا کر انھیں قرضے فراہم کرتا ہے۔

(ii) تجارتی بنکوں کو اپنی نئی شاخیں کھولنے کے لیے مرکزی بنک سے اجازت لینا پڑتی ہے۔

(iii) تمام تجارتی بنکوں کو اپنے کل سرمائے کا کچھ حصہ محفوظ زر کے طور پر مرکزی بنک کے پاس امانت کے طور پر رکھنا پڑتا ہے۔

(iv) ہر فہرستی بنک اپنے کاروبار کی ماہانہ اور سالانہ رپورٹ باقاعدگی سے مرکزی بنک کو ارسال کرتا ہے۔ جس کی روشنی میں مرکزی بنک انھیں ہدایات جاری کرتا ہے۔

(4) بنکوں کے محفوظ سرمائے کا محافظ (Custodian of Cash Reserves)

چونکہ تجارتی بنکوں کو اپنی کل امانتوں کا 5 سے 10 فی صد حصہ زرِ نقد کی صورت میں محفوظ سرمائے کے طور پر مرکزی بنک کے پاس جمع کروانا پڑتا ہے اس لیے مرکزی بنک بنکوں کے محفوظ سرمائے کا محافظ اور نگران ہوتا ہے۔ اس لیے مرکزی بنک حسبِ ضرورت محفوظ سرمائے کے تناسب میں کمی یا بیشی کر کے تجارتی بنکوں کے زرِ اعتبار تخلیق کرنے کے عمل کو متاثر کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ملک میں زری رسد بڑھانا مقصود ہو تو مرکزی بنک محفوظ سرمائے کی شرح کم کر کے اپنے تابع بنکوں کو ہدایت کرتا ہے کہ لوگوں کو زیادہ قرضہ فراہم کر کے زری رسد کو بڑھائیں۔ اس طرح زری رسد کو کم کرنے کے لیے محفوظ سرمایہ کی شرح بڑھا دیتا ہے۔ تجارتی بنکوں کو نقد زرِ محفوظ رکھنے کے درج ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

(i) بنکوں کی آخری پناہ گاہ (Lender of the Last Resort)

تجارتی بنک منافع کے لیے کام کرتے ہیں اس لیے ہر بنک کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ جمع شدہ امانتوں کی ساری رقم ضرورت مندوں کو قرض دے کر زیادہ سے زیادہ منافع کمائے۔ لیکن بنک اپنی جمع شدہ امانتیں قرضوں میں جاری نہیں کر سکتے۔ چونکہ امانت دار کسی وقت جمع شدہ امانتیں واپس لینے کا مطالبہ کر سکتے ہیں اس لیے بنکوں کو اپنے امانت داروں کی طلبی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے جمع شدہ امانتوں کا کچھ حصہ بطور زر نقد محفوظ رکھنا پڑتا ہے تا کہ امانت داروں کی طلبی ضروریات کو پورا کیا جا سکے۔ اگر کسی وقت بنکوں کے پاس زر نقد محفوظ کم رہ جائے اور تمام امانت دار اپنی رقوم کی واپسی کا مطالبہ کر دیں تو بنکوں کو ادائیگی کرنے میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ ایسے حالات میں مرکزی بنک تجارتی بنکوں کی ساکھ کو خطرے کے پیش نظر آسان شرائط پر سستے قرضے فراہم کر کے انھیں مشکلات سے نکالتا ہے اور انھیں دیوالیہ ہونے سے بچاتا ہے۔ اس طرح مرکزی بنک بوقت ضرورت تمام تجارتی بنکوں کے سرمائے محفوظ میں سے دیوالیہ بنک کو قرضہ فراہم کر کے ان کو مشکل سے نکال لیتا ہے۔

(ii) بنکوں کا حساب گھر (Clearing House of the Banks)

مرکزی بنک دوسرے بنکوں کے لیے حساب گھر یا دارالتصفیہ کا کام بھی سرانجام دیتا ہے کیونکہ مرکزی بنک کے پاس تمام بنکوں کا سرمایہ محفوظ ہوتا ہے اس لیے مختلف بنکوں کے آپس کے اختلافات مرکزی بنک اسی سرمائے سے نپٹاتا ہے۔ عام طور پر کاروباری مقاصد کے لیے ہر بنک کے پاس دیگر بنکوں کے جاری کردہ چیک آتے رہتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کے قرضدار اور قرض خواہ بنتے رہتے ہیں۔ اگر کسی وقت دو بنکوں کے درمیان چیکوں کی ادائیگی پر اختلاف پیدا ہو جائے تو مرکزی بنک ان کے درمیان تصفیہ کرا دیتا ہے۔ بوقت تصفیہ مرکزی بنک جس بنک کو قصوروار سمجھتا ہے اس کے محفوظ سرمائے سے متنازعہ رقم نکال کر دوسرے بنک کے کھاتے میں جمع کر دیتا ہے۔ اس طرح مرکزی بنک دو بنکوں کے درمیان حساب گھر کا کام سرانجام دیتا ہے۔

(5) دھاتی سرمائے اور زرمبادلہ کا محافظ

(Custodian of Metallic Reserves and Foreign Exchange)

مرکزی بنک نوٹ جاری کرتے وقت نوٹوں کی پشت پر کل مالیت کا 30 فی صد کے برابر سونا، چاندی اور دیگر قیمتی دھاتیں بطور ضمانت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ غیر ملکی ادائیگیاں چکانے کے لیے بھی مرکزی بنک سونا، چاندی اور دیگر قیمتی دھاتیں اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے۔ اسی طرح کئی تاجر مرکزی بنک کو اپنی برآمدی وصولیاں مثلاً سونا، چاندی بیچ کر نوٹ حاصل کر لیتے ہیں جو مرکزی بنک کی حفاظت میں رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ مرکزی بنک بین الاقوامی برآمدات و درآمدات میں توازن برقرار رکھ کر زرمبادلہ کے ذخائر کو بھی تحفظ فراہم کرتا ہے۔ پاکستان میں تمام زرمبادلہ مرکزی بنک میں جمع ہوتا ہے۔ لہٰذا مرکزی بنک ملک میں موجود تمام دھاتی سرمائے اور زرمبادلہ کا محافظ ہوتا ہے اور ان کو استعمال میں لا کر معاشی ترقی کی راہ ہموار کرتا ہے۔

(6) بازارِ زر کا ناظم (Controller of Money Market)

مرکزی بنک بحیثیت بازارِ زر کا ناظم ایک طرف نوٹ جاری کرتا ہے تو دوسری طرف زر کی مقدار پر کنٹرول حاصل کر کے قیمتوں کے معاشی نظام کو استحکام بخشتا ہے۔ افراطِ زر کے سبب جب اشیا کی قیمتیں بڑھنا شروع ہوتی ہیں تو مرکزی بنک زر کی پالیسی کے مختلف

طریقوں کو بروئے کار لا کر قیمتوں کے بحران پر کنٹرول کرتا ہے اور تفریطِ زر کے حالات میں سرمایہ کاری کر کے قیمتوں کو مستحکم کرتا ہے۔ چونکہ مرکزی بنک ملک میں قیمتوں کے معیار اور اتار چڑھاؤ کو مستحکم کرنے کے لیے بازارِ زر کے اداروں کے جاری کردہ قرضوں کے حجم کو کنٹرول کر کے مجموعی مقدار زر کو معیاری سطح پر لاتا ہے۔ جس کے باعث ملکی صرفی اخراجات، بچتیں، سرمایہ کاری، شرح سود اور درآمدی و برآمدی وصولیاں متاثر ہوتی ہیں۔ مرکزی بنک کے ان اقدامات کی بنیاد پر اس کو بازارِ زر کا ناظم کہا جاتا ہے۔

(7) متفرق فرائض (Miscellaneous Functions)

مرکزی بنک ملک میں معاشی استحکام برقرار رکھنے کے لیے درج ذیل اقدامات بھی سرانجام دیتا ہے۔

(i) مرکزی بنک زرعی اور صنعتی شعبوں کی ترقی کے لیے ایسی پالیسیاں وضع کرتا ہے جس سے ان شعبوں کو قرضوں کی فراہمی آسان ہو جاتی ہے۔

(ii) ملک میں بچتوں کو فروغ دینے کے لیے موثر پالیسی تیار کرتا ہے تاکہ لوگوں کے اندر بچت کرنے کا جذبہ ترغیب پائے۔

(iii) معاشی منصوبے تیار کرنے کے لیے مختلف شعبوں کے متعلق صحیح اعداد و شمار فراہم کر کے حکومت کی رہنمائی کرتا ہے۔

(iv) زر کی قدر مستحکم رکھنے اور کرنسی پر عوام کا اعتبار بحال رکھنے کے لیے اپنے پاس زرِ محفوظ رکھتا ہے اور شرح بنک کا اعلان کرتا ہے۔

(v) تجارتی بنکوں کے عملہ کے لیے بنک کے تربیتی کورسز کا اہتمام کرتا ہے۔

بازارِ زر کے ناظم کی حیثیت سے مرکزی بنک درج ذیل اقدامات بروئے کار لاتا ہے۔

(1) مقداری طریقے (Quantitative Methods)

(i) شرح بنک کی پالیسی (Bank Rate Policy)

شرح بنک سے مراد وہ شرح لی جاتی ہے جس پر مرکزی بنک تجارتی بنکوں کو قرضہ دینے کی غرض سے پیش کردہ ہنڈیوں پر دوبارہ بٹہ لگاتا ہے۔ بالالفاظ دیگر مرکزی بنک کی طرف سے تجارتی بنکوں کو دیئے جانے والے قرضوں کی تھوک قیمت، شرح بنک کہلاتی ہے۔ جبکہ تجارتی بنک اپنے گاہکوں کو پرچون قیمت پر قرضے فراہم کرتے ہیں۔ یاد رہے شرح بنک شرح سود سے کم ہوتی ہے اسی لیے تجارتی بنک قرضے جاری کر کے منافع کماتے ہیں۔ مرکزی بنک کی شرح بنک کی پالیسی زری پالیسی کا ایک آلہ کار ہے۔ جس کی مدد سے تجارتی بنکوں کی قرضہ جاری کرنے کی صلاحیت کو کنٹرول کیا جاسکتا ہے، مثلاً اگر ملک میں افراطِ زر کا رجحان پایا جاتا ہو تو مرکزی بنک شرح بنک (Bank Rate) کو بڑھا دیتا ہے۔ چنانچہ تجارتی بنک بھی شرح سود بڑھا دیتے ہیں جس کی وجہ سے لوگوں کے اندر بنکوں سے حاصل کردہ قرضوں کی مقدار کم ہو جاتی ہے۔ اس طرح زرِ اعتبار کے حجم میں کمی آجانے سے بڑھتی ہوئی قیمتوں پر کنٹرول حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن تفریطِ زر کے حالات میں زرِ اعتبار کی مقدار بڑھانے کیلئے مرکزی بنک شرح بنک کم کر دیتا ہے تاکہ تجارتی بنک کم شرح سود پر لوگوں کو قرضے جاری کر سکیں۔ اس طرح زرِ اعتبار کی مقدار میں اضافہ ہو جاتا ہے اور تفریطِ زر کا بحران ختم ہو جاتا ہے۔ شرح بنک کی پالیسی کی کامیابی کا انحصار کاروباری اُتار چڑھاؤ پر بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ معاشی ابتری کے دور میں تاجر کم شرح سود پر بھی بنکوں سے قرضے حاصل کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ لہٰذا مرکزی بنک کی شرح بنک پالیسی صرف اسی صورت میں کامیاب ہوتی ہے جب لوگ شرح سود میں کمی کی صورت میں زیادہ قرضے حاصل کریں اور شرح

سود بڑھنے کی صورت میں کم قرضے حاصل کریں۔

(ii) کھلے بازار کا عمل (Open Market Operation)

کھلے بازار کے عمل سے مراد مرکزی بنک کا اختیار کردہ وہ طریقہ کار ہے جس کے تحت وہ ملک میں مقدار زر میں کمی یا بیشی کرنے کی غرض سے سرکاری کفالتوں، بانڈز اور تمسکات کی خرید وفروخت کرتا ہے۔ اگر ملک میں افراط زر کا مسئلہ درپیش ہو اور قیمتیں تیزی سے بڑھ رہی ہوں تو ان حالات میں مرکزی بنک زر کی رسد کو کنٹرول کرنے کیلئے اپنی کفالتیں، سیکورٹیاں، بانڈز کھلے بازار میں بیچ دیتا ہے۔ جس کے باعث نہ صرف لوگوں کے پاس نقد ذخائر کفالتوں کو خریدنے کی وجہ سے کم ہوجاتے ہیں بلکہ بنکوں کی قرضے جاری کرنے کی صلاحیت بھی محدود ہوجاتی ہے۔ کیونکہ لوگ اپنی امانتیں بنکوں سے ان کفالتوں کو خریدنے کیلئے نکلوا لیتے ہیں۔ اس طرح پیسہ لوگوں کی ملکیت سے نکل کر مرکزی بنک کی ملکیت میں چلا جاتا ہے اور افراط زر پر کنٹرول حاصل ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس تفریط زر کے حالات میں مرکزی بنک حکومت کی سیکورٹیوں، کفالتوں، بانڈز اور تمسکات پر منافع کا لالچ دیکر خرید لیتا ہے تاکہ زر کی رسد کو بڑھا کر بحرانی کیفیت کو دور کیا جاسکے۔ کھلے بازار کے عمل کی کامیابی کیلئے ضروری ہے کہ ملک میں بازار زر منظم اور مستحکم ہو۔ دفن شدہ زر کی مقدار میں کمی یا بیشی نہ ہو۔

(iii) زر محفوظ کے تناسب میں تبدیلی (Change in Reserve Ratio)

تجارتی بنک اپنی موصولہ امانتوں کا ایک خاص حصہ زر نقد کی صورت میں مرکزی بنک کے پاس محفوظ رکھتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت وہ مرکزی بنک سے مدد طلب کرسکیں۔ مرکزی بنک زر محفوظ کے تناسب میں ردوبدل کر کے ملک میں زر کی مقدار کو کنٹرول کرتا ہے۔ افراط زر کے حالات میں مرکزی بنک زر محفوظ رکھنے کی شرح کا تناسب بڑھا دیتا ہے۔ چنانچہ فہرستی تجارتی بنکوں کو ہر موصولہ امانت کا نمایاں حصہ بطور ضمانت مرکزی بنک میں جمع کرانا پڑتا ہے جس کی وجہ سے بنکوں کے پاس قرضہ دینے کیلئے زری ذخائر کم رہ جاتے ہیں اور وہ زیادہ قرضے جاری نہیں کرسکتے۔ لہٰذا زر کی رسد کم ہوجاتی ہے اور افراط زر پر کنٹرول حاصل کرلیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس تفریط زر کے حالات میں زر کی رسد کو بڑھانے کیلئے مرکزی بنک زر محفوظ کی شرح کم کردیتے ہیں اور تابع بنکوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ لوگوں کو زیادہ قرضے جاری کریں تاکہ معاشی بدحالی سے نجات حاصل کی جاسکے اور قیمتوں کا معیار بہتر ہوجائے۔ یاد رہے زر محفوظ جمع کروانے کے لیے صرف فہرستی بنک پابند ہوتے ہیں۔ جبکہ غیر فہرستی بنک اس شرط سے مستثنیٰ ہوتے ہیں جسکی وجہ سے افراط زر اور تفریط زر پر کنٹرول حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے۔

(iv) قرضوں کی راشن بندی (Credit Rationing)

مرکزی بنک تجارتی بنکوں کو قرضہ دیتے وقت ان کی پیش کردہ ہنڈیوں پر دوبارہ بٹہ لگا کر انھیں مالی مشکلات سے نکالتا ہے لیکن اگر مرکزی بنک یہ محسوس کرے کہ تجارتی بنکوں کے قرضوں کی فراہمی سے افراط زر کا مسئلہ پیدا ہورہا ہے تو ایسے میں مرکزی بنک تجارتی بنکوں کے قرضے جاری کرنے کے کوٹہ کو نہ صرف مخصوص کردیتا ہے بلکہ تجارتی بنکوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ان کی ارسال کردہ ہنڈیوں پر ایک مقررہ مقدار سے زیادہ بٹہ نہیں لگ سکتا۔ اس صورت میں تجارتی بنک قرضے جاری کرنے سے گریز کرتے ہیں کیونکہ انھیں اس بات کا خطرہ لاحق رہتا ہے کہ اگر انھوں نے مخصوص کوٹہ سے زیادہ قرضے جاری کردیئے تو مرکزی بنک ان کی طلبی ضروریات کو پورا نہیں کرے گا اور وہ دیوالیہ ہوجائیں گے۔ اس طرح مرکزی بنک راشن بندی کر کے تجارتی بنکوں کے قرضے جاری کرنے کی صلاحیت کو محدود کر کے ملک میں زر اعتبار کی

گردش کنٹرول کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس تفریطِ زر کی حالت میں مرکزی بنک اپنے ماتحت بنکوں کو اجازت دیتا ہے کہ وہ زرِ اعتبار کے پھیلاؤ کو بڑھانے کیلئے زیادہ سے زیادہ ہنڈیوں کو دوبارہ بٹہ لگوا سکتے ہیں۔ بازارِ زر کے ناظم کی حیثیت سے مرکزی بنک کچھ وصفی طریقے بھی اپناتا ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

(2) وصفی طریقے (Qualitative Methods)

یہ طریقے زر کی مقدار کو براہِ راست متاثر نہیں کرتے بلکہ یہ بالواسطہ طور پر افراطِ زر اور تفریطِ زر پر کنٹرول حاصل کرنے کیلئے عمل میں لائے جاتے ہیں۔ یہ طریقے درج ذیل ہیں۔

(i) حدِ مختتم میں تبدیلی (Change in Marginal Requirement)

تجارتی بنک قرضے جاری کرتے وقت عوام سے انکی منقولہ و غیر منقولہ جائیدادیں، بانڈز اور حصص کو بطور ضمانت رہن رکھتا ہے اور انہیں ان اثاثوں کی اصلی مالیت سے کم قرضے جاری کرتا ہے۔ اثاثوں کی حقیقی مالیت اور قرض میں دی جانے والی رقوم کے درمیانی فرق کو حدِ مختتم کہتے ہیں۔ مرکزی بنک حدِ مختتم کی شرح کو بدلنے کا اختیار رکھتا ہے اس لیے جب ملک میں افراطِ زر کی کیفیت ہوتی ہے تو مرکزی بنک زر کی رسد کو کم کرنے کے لیے حدِ مختتم کی شرح بڑھا دیتا ہے جو کہ عموماً حقیقی رقم کا 20 سے 25 فیصد ہوتی ہے۔ یعنی اگر بنک کے پاس ایک لاکھ روپے کے اثاثے قرضہ حاصل کرنے کے لیے جمع کرائے جاتے ہیں تو بنک ان اثاثوں کے عوض 80 ہزار روپے تک قرضہ جاری کرتا ہے۔ لہٰذا افراطِ زر کے حالات میں مرکزی بنک حدِ مختتم بڑھنے کی صورت میں بنکوں سے قرضے طلب نہیں کرتے اور افراطِ زر پر کنٹرول حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس تفریطِ زر کے حالات میں زر کی رسد بڑھانے کیلئے مرکزی بنک اپنے تابع بنکوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ حدِ مختتم کی شرح 20 فیصد سے بھی کم کر دیں تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ قرضے لے سکیں۔ اس طرح تفریطِ زر کے بحران سے بھی چھٹکارا مل جاتا ہے۔

(ii) صرفی قرضوں پر کنٹرول (Consumer's Credit Control)

بعض اوقات صرفی مقاصد کی تکمیل کے حصول کیلئے جاری کئے جانے والے قرضے بھی ملک میں افراطِ زر کا باعث بنتے ہیں۔ مثال کے طور پر روزمرہ استعمال میں آنے والی اشیا (مثلاً ٹیلی ویژن، کار، فریج، ایئر کنڈیشنر، مکانات وغیرہ) کی خریداری بنکوں یا اقساط پر اشیا فراہم کرنے والی کارپوریشنوں کی وساطت سے کی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے زر کی گردش میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ افراطِ زر کے حالات میں مرکزی بنک صرفی قرضوں کی حوصلہ شکنی کرتا ہے اور مذکورہ بالا اشیا کی خریداری کو سود کا تناسب بڑھا کر محدود کر سکتا ہے۔ اس طرح قسطوں پر حاصل کی جانے والی اشیا کی طلب گھٹ جاتی ہے اور زر کی مقدار کنٹرول میں رہتی ہے۔ لہٰذا صرفی قرضوں کا حجم کم کر کے تیزی سے بڑھتی ہوئی قیمتوں کو روکا جا سکتا ہے۔ تفریطِ زر کے حالات میں مرکزی بنک تجارتی بنکوں کو شرح سود کم کرنے کی ہدایت کرتا ہے تاکہ صرفی ضروریات کیلئے حاصل کئے جانے والے قرضوں کی مقدار بڑھائی جا سکے اور تفریطِ زر کے رجحان کو روکا جا سکے۔

(iii) اخلاقی ترغیب (Moral Persuation)

مرکزی بنک افراطِ زر اور تفریطِ زر کے حالات میں وقتاً فوقتاً تجارتی بنکوں کو اخلاقی طور پر بھی مشورہ دیتا ہے کہ غیر پیداواری مقاصد کیلئے قرضے جاری نہ کریں تاکہ افراطِ زر کا مسئلہ پیدا نہ ہو جبکہ تفریطِ زر کے حالات میں مرکزی بنک زیادہ قرضے جاری کرنے کی اپیل

کرتا ہے تاکہ معیشت کو معاشی بحران سے نکالا جاسکے۔ لہٰذا مرکزی بنک کی اخلاقی تربیت دراصل معیشت کی بھلائی اور خیر خواہی پر مبنی ہوتی ہے۔ جس پر اکثر تجارتی بنک پوری دیانتداری سے عمل پیرا ہوتے ہیں اور ملک میں افراطِ زر اور تفریطِ زر کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔

(iv) نشرواشاعت (Publicity)

مرکزی بنک ملک کے مفاد اور معاشی حالات سے آگاہی کیلئے مختلف شعبہ ہائے پیداواری کی صلاحیت اور نفع ونقصان کے بارے میں باقاعدگی سے معلومات شائع کرتا ہے تاکہ کاروباری حضرات اپنی سرمایہ کاری کی صحیح سمت کا انتخاب کرسکیں اور ملک میں افراطِ زر یا تفریطِ زر کا مسئلہ پیدا نہ ہو۔ اس کے علاوہ مرکزی بنک کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ جب چاہے تجارتی بنکوں کی قرضہ جاری کرنے کی صلاحیت کو حسبِ ضرورت کم وبیش کردے تاکہ زیادہ قرضے افراطِ زر اور کم قرضے تفریطِ زر کا باعث نہ بنیں۔

(v) راست اقدام (Direct Action)

اگر کوئی تجارتی بنک مرکزی بنک کے ساتھ تعاون نہ کرے اور اس کے بنائے ہوئے مروجہ قواعد وضوابط کی نفی کرتے ہوئے منافع کمانے کی غرض سے زیادہ قرضے جاری کرتا ہے تو مرکزی بنک اس کے خلاف راست اقدام کرتا ہے۔ راست اقدام کے تحت وہ تجارتی بنک کی ہنڈیوں پر بٹہ لگانے سے انکار کردیتا ہے۔ قرضے جاری کرتے وقت سختی سے کام لیتا ہے۔ قرضے حاصل کرنے کی شرائط کو مشکل بنا دیتا ہے۔ اس طرح مرکزی بنک تجارتی بنکوں کو راست اقدام کی دھمکی دے کر زری پالیسی کے مطابق زر کی رسد پر کنٹرول حاصل کرلیتا ہے۔

3.6 سود کا مفہوم (Meaning of Interest)

قرآن مجید میں سود کے لیے "ربوٰ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے مراد زائد رقم ہے جو قرض خواہ قرض دار سے اصل رقم کے علاوہ ایک خاص مدت کے بعد وصول کرتا ہے۔ لہٰذا سود کسی شے کا معاوضہ نہیں بلکہ اس مہلت یا خاص مدت کا معاوضہ ہوتا ہے جو قرض خواہ مقروض کو رقم کی واپس ادائیگی کے لیے فراہم کرتا ہے۔ بالالفاظ دیگر سود سے مراد اصل رقم کے علاوہ وہ اضافی رقم ہے جو طے شدہ مدت کے حساب سے قرض دار سے وصول کی جاتی ہے اس طرح ہر وہ قرضہ جس میں مذکورہ بالا شرائط پائی جائیں وہ سود کے زمرے میں آتا ہے۔

3.7 بلاسود بنکاری (Interest Free Banking)

اسلام بنیادی طور پر عدل واحسان، باہمی بھائی چارے اور تعاون پر زور دیتا ہے اور مشکل حالات میں دوسروں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانے والوں کو بُرا سمجھتا ہے۔ اس لیے اسلام نے سود کو حرام قرار دیکر انسانی زندگی سے ظلم، ناانصافی اور استحصال کا خاتمہ کردیا۔ چونکہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اس لیے نظام حکومت میں سود کی ہر شکل حرام قرار دی گئی ہے۔ لہٰذا پاکستان میں 1981 میں ملکی معاشی نظام کو اسلامی بنیاد پر چلانے کیلئے بلاسود بنکاری کے نظام کو فروغ دیا گیا۔ جس میں بنکاری نظام صرف اور صرف نفع ونقصان میں برابر کی شراکت کے اصول پر استوار کیا گیا۔ یکم جولائی 1985 سے ملک کے تمام بنکوں نے بنکاری کو سودی نظام سے بالکل پاک کردیا اور ملک کو اسلامی طرز پر ڈھالنے کیلئے بلاسود بنکاری کے سلسلے میں درج ذیل اقدامات کئے۔

(1) نفع ونقصان کے شراکتی کھاتے (Profit and Loss Sharing Accounts)

یکم جولائی 1981 میں تمام قومی بنکوں میں نفع ونقصان کی شراکت کی بنیاد پر لوگوں سے امانتیں وصول کی جارہی ہیں جس پر تجارتی

بنک موصول امانتوں کو منافع بخش کاروبار میں لگا کر منافع کماتے ہیں اور پھر کمائے گئے منافع کو سال میں دو مرتبہ امانتداروں میں تقسیم کرتے ہیں۔نفع ونقصان کے شراکتی کھاتوں کا حساب ہر سال جون اور دسمبر کے اختتام پر لگایا جاتا ہے۔جس میں سودی امانتوں پر ہونے والے اخراجات اور رقم کا کچھ حصہ زرِمحفوظ رکھ کر باقی رقم منصفانہ تناسب سے کھاتہ داروں اور بنک کے مابین تقسیم کردی جاتی ہے۔اس لیے عوام ان کھاتوں میں بڑے جوش وخروش سے اپنی رقوم جمع کراتے ہیں۔یکم جولائی 1985 سے تمام بنکوں کے کاروبار کو سودی نظام سے پاک کر کے اب کاروباری شعبوں کی مالی ضروریات کو درج ذیل اسلامی طریقوں سے پورا کیا جاتا ہے۔

(i) مشارکہ(Musharika)

مشارکہ کے تحت بنک یا دیگر مالیاتی ادارے کاروباری فرموں یا اداروں کو نفع ونقصان میں شراکتی بنیادوں پر سرمایہ فراہم کرتے ہیں۔اس صورت میں تجارتی بنک قرضے فراہم کرتے ہیں اور کاروباری حضرات انھیں کاروبار میں لگاتے ہیں۔بنک قرضے فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات کا جائزہ لیتا ہے کہ جس منصوبہ میں سرمایہ کاری کی جارہی ہے وہ منافع بخش بھی ہے یا نہیں۔اسطرح بنک اپنے شراکت داروں کے ساتھ رہبر کے طور پر کام کرتا ہے اور نفع ونقصان دونوں میں برابر شریک ہوتا ہے۔

(ii) مضاربہ(Modaraba)

مضاربہ میں ایک شخص سرمایہ فراہم کرتا ہے اور سرمایہ استعمال کرنے والا اپنی قابلیت اور صلاحیتوں کے بل بوتے پر کاروبار چلاتا ہے دونوں کاروبار کے نفع ونقصان میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔آج کل مضاربہ سرٹیفکیٹس بھی استعمال میں آرہے ہیں جن کو کاروباری کمپنیاں فروخت کرتی ہیں۔ان کی میعاد کا تعین حکومت کرتی ہے اور ان کے خریداروں اور کمپنی کے درمیان نفع ونقصان کی شراکت اور رقم کی واپسی کے بارے میں تمام معاملات طے شدہ ہوتے ہیں۔

(iii) کرایہ داری کی شراکت(Rental Sharing)

اس طریقہ کے تحت بنک اور دیگر مالیاتی ادارے مثلاً ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن پاکستان میں جائیداد کو خرید کر اپنے گاہکوں کے ساتھ معاہدے کرتے ہیں جن کے تحت وہ جائیداد کے کرائے اور اس کی دیگر آمدنی میں سے حصہ وصول کرتے ہیں۔

(iv) خریداری پر مبنی کرایہ(Lease Financing)

سرمایہ کاری کے اس طریقے میں مالیاتی ادارے کسی گاہک یا کاروباری ادارے کے لیے کوئی اثاثہ خریدتے ہیں اور اسے کرایہ پر دے دیتے ہیں۔مذکورہ فرم نا صرف کرایہ ادا کرتی ہے بلکہ اثاثہ پر لگایا گیا سرمایہ بھی ایک خاص عرصہ وقت میں مالیاتی ادارے کو واپس لوٹا دیتی ہے۔رقم کی واپسی کے بعد اثاثے کی ملکیت اس فرم کو منتقل کردی جاتی ہے۔

(v) حصصی شراکت(Equity Participation)

سرمایہ کاری کے اس طریقے میں بنک سرمایہ کی فراہمی کیلئے مشترکہ سرمائے کی انجمنوں کے حصص بازار میں رائج قیمتوں پر خرید لیتے ہیں۔اس طرح بنک اور مشترکہ سرمائے کی کمپنیوں کے درمیان منافع اور نقصان برابر تقسیم ہوتا ہے۔

(vi) مارک اپ (Mark Up)

بنک مارک اپ کے تحت اپنے گاہکوں کو ضرورت کی اشیا خرید کر دے دیتا ہے اور گاہک ان اشیا کو مناسب قیمت وصول کر کے فروخت کر دیتے ہیں اور بنک کو اشیا کی ادائیگی آسان اقساط میں کرتے ہیں۔

(vii) قرض حسنہ (Qarz-e-Hasna)

مرکزی بنک کی ہدایت پر تجارتی بنک ضرورت مندوں کو کسی قسم کے منافع یا سود کے بغیر قرضے جاری کرتے ہیں۔ ایسے قرضے نہ صرف غیر سودی ہوتے ہیں بلکہ ان پر بنک کوئی سروس چارجز بھی وصول نہیں کرتے۔ قرض دار یہ قرض اس وقت تک واپس کر سکتا ہے جب وہ اسکی استطاعت رکھتا ہو۔ اس قسم کے قرضے زیادہ تر طالب علموں کو تعلیم و تربیت کے مقاصد کیلئے فراہم کیے جاتے ہیں۔

3.8 نیشنل کمرشل بنک سعودی عربیہ
(National Commercial Bank Saudi Arabia)

نیشنل کمرشل بنک سعودی عربیہ (NCB) 26 دسمبر 1953 میں قائم ہوا۔ اس کا کل ادا شدہ سرمایہ (Paid up Capital) تیس ملین سعودی ریال (SR 30 Millions) تھا۔ یکم جولائی 1997 تک یہ بنک جنرل پارٹنرشپ کی حیثیت سے اپنا کام سرانجام دیتا رہا لیکن دسمبر 1999 میں حکومت نے اس بنک کو مالی حیثیت دے دی۔ اس وقت اس بنک کا کل ادا شدہ سرمایہ پندرہ ہزار ملین سعودی ریال ہے۔ 2007 میں اس بنک کے کل اثاثوں کی مالیت دو لاکھ آٹھ ہزار سات سو سترہ ملین سعودی ریال (SR 208717 Million) تک پہنچ چکی ہے۔ جس میں چھ ہزار اڑتیس ملین سعودی ریال (SR 6038 Million) کا خالص منافع (Net Profit) دیکھا گیا ہے۔ جنوری 2008 کے شروع تک اس بنک کی 266 برانچیں اپنے فرائض سرانجام دے رہی ہیں جن میں سے 174 برانچیں خالصتاً اسلامی بنکاری نظام کے تحت اپنی خدمات بڑی مہارت سے ادا کر رہی ہیں۔ 2008 میں بنک کے گاہکوں کی تعداد دو ملین سے زیادہ ہو چکی ہے۔ اس بنک کی 1184 اے ٹی ایم (ATM) مشین لوگوں کو چوبیس گھنٹے کیش کی سہولت فراہم کر رہی ہیں۔ اس کے علاوہ اس بنک نے اپنے گاہکوں کی سہولت کے لیے آن لائن خرید و فروخت (On line Sale Purchase) کی سہولت بھی فراہم کر رکھی ہے۔

3.9 مرکزی بنک آف ملائشیا (Central Bank of Malaysia)

مرکزی بنک آف ملائشیا کا قیام بنک ایکٹ 1958 کے تحت 26 جنوری 1958 میں عمل میں آیا۔ اس بنک کے اہم فرائض میں نوٹ جاری کرنا، حکومت کو مالیات کی فراہمی اور سرمایہ کاری کے لیے فنڈز مہیا کرنا، ملکی کرنسی کی قدر اور رسد کو موثر بنانا، اعتباری زر کو مستحکم کرنا، تجارتی بنکوں کی دستاویزات اور ہنڈیوں کو بٹہ لگانا وغیرہ شامل ہیں۔ اس بنک کا کل منظور شدہ سرمایہ 200 ملین رینگٹ (Ringgit) ہے۔ حکومت نے رینگٹ کو قانونی زر کی حیثیت دینے کے لیے قیمتوں کی ادائیگی کے سلسلے میں ایک حد مقرر کر دی ہے جو سین (Sen) کی ادائیگی کے وقت پیش آتی ہے۔ مثال کے طور پر 10 رینگٹ کی ادائیگی اگر سین (Sen) چھوٹے سکوں کی صورت میں کرنا ہو تو ایسے میں 50 سین تک مالیت کے سکوں میں ادائیگی قانونی ہوتی ہے۔ اس طرح دو رینگٹ کی ادائیگی 50 سین سے چھوٹی مالیت کے سکوں کی صورت میں کی جا سکتی ہے۔

مشقی سوالات

سوال 1: نیچے دیئے گئے ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات میں سے دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

1۔ تجارتی بنک کس قسم کی امانتوں پر سود یا منافع ادا نہیں کرتے؟

(الف) میعادی امانتیں (ب) بچت امانتیں

(ج) طلبی امانتیں (د) معینہ امانتیں

2۔ ذیل میں سے کوئی ایک کام مرکزی بنک کے فرائض میں شامل نہیں۔

(الف) نوٹ جاری کرنا (ب) منافع کمانا

(ج) ہنڈیوں پر دوبارہ بٹہ لگانا (د) بازارِ زر کا ناظم

3۔ مرکزی بنک قیمتوں میں استحکام لانے کیلئے جو پالیسی اختیار کرتا ہے اُس کو کہتے ہیں۔

(الف) قیمتی پالیسی (ب) مالیاتی پالیسی

(ج) زری پالیسی (د) حکومتی پالیسی

4۔ پاکستان میں نفع ونقصان کے شراکتی کھاتوں کو کھولا گیا۔

(الف) 1981 میں (ب) 1985 میں

(ج) 1973 میں (د) 1979 میں

5۔ ذیل میں سے کوئی ایک نظام پاکستان میں نوٹ جاری کرتے وقت اپنایا جاتا ہے۔

(الف) زرِ مبادلہ کا نظام (ب) معینہ حد کا نظام

(ج) متناسب محفوظ سرمائے کا نظام (د) اعتباری زر کا نظام

سوال 2: درج ذیل جملوں میں دی گئی خالی جگہیں پُر کریں۔

1۔ تجارتی بنک قرضے جاری کرتے وقت ہنڈیوں پر ---------- لگاتا ہے۔

2۔ اعتباری زر کی تخلیق = ---------- % زرِ نقد کا تناسب۔

3۔ تجارتی بنک ---------- کی بنیاد پر کئی گنا زیادہ مالیت کے قرضے جاری کرتے ہیں

4۔ پاکستان میں زرِ محفوظ کا تناسب ---------- فیصد ہوتا ہے۔

5۔ لوگ اپنی قیمتی امانتیں، اثاثے اور زیورات بنکوں کے فراہم کردہ ---------- میں رکھواتے ہیں۔

سوال 3: کالم (الف) اور کالم (ب) میں دیئے گئے جملوں میں مطابقت پیدا کر کے درست جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
ہنڈیوں پر دوبارہ بٹہ لگانا	افراط زر	
شرح بنک میں اضافہ	زر کی رسد میں کمی	
تفریط زر	مرکزی بنک	
کفالتوں کی خرید و فروخت	تجارتی بنک	
قرضے کیلئے ضروری	ضمانتیں، اثاثے	
	کھلے بازار کا عمل	

سوال 4: درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے۔

1۔ بنک سے کیا مراد ہے؟
2۔ طلبی امانتوں اور بچت امانتوں میں کیا فرق ہے؟
3۔ زر اعتبار تخلیق کرنے کیلئے ضروری شرائط کیا ہیں؟
4۔ فہرستی اور غیر فہرستی بنکوں میں کیا فرق ہے؟
5۔ نفع و نقصان کے شراکتی کھاتوں سے کیا مراد ہے؟
6۔ معینہ حد کے نظام اور متناسب محفوظ سرمائے کے نظام میں کیا فرق ہے؟
7۔ مضاربہ اور مشارکہ میں کیا فرق ہے؟
8۔ قرضِ حسنہ سے کیا مراد ہے؟
9۔ مرکزی بنک کو بنکوں کا بنک کیوں کہا جاتا ہے؟
10۔ زری پالیسی سے کیا مراد ہے؟

سوال 5: درج ذیل سوالات کے جوابات تفصیل سے تحریر کریں۔

1۔ تجارتی بنکوں سے کیا مراد ہے؟ ان کی اقسام بیان کریں۔
2۔ تجارتی بنکوں کے فرائض پر روشنی ڈالیں۔
3۔ تجارتی بنک زر اعتبار کی تخلیق کس طرح کرتے ہیں نیز اس سلسلے میں درپیش حد بندیوں کا بھی ذکر کریں۔
4۔ مرکزی بنک سے کیا مراد ہے؟ مرکزی بنک کے فرائض بیان کریں۔
5۔ بازار زر کے ناظم کی حیثیت سے مرکزی بنک کی زر اعتبار کنٹرول کرنے کی زری پالیسی کا جائزہ لیں۔
6۔ پاکستان میں بلاسود بنکاری نظام کی ترویج کے لیے کی گئی کوششوں کا ذکر کریں۔

باب 4
سرکاری مالیات (PUBLIC FINANCE)

دورِ حاضر میں بڑھتی ہوئی آبادی، مالی وسائل کی قلت اور ملکی سرحدوں کی حفاظت ہر ملک کے لیے چیلنج بنتا جا رہا ہے۔ عہدِ حاضر میں ریاستوں کے فرائض دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آج اس کرہ ارض پر موجود ہر ریاست کو ملکی نظم و نسق چلانے' ریاست میں بسنے والے شہریوں کی جان و مال کی حفاظت اور امن و امان برقرار رکھنے کے لیے کھربوں روپے درکار ہوتے ہیں۔ بیرونی دشمنوں سے بچاؤ کے لیے فوج' امن و امان کی پر امن فضا کے لیے پولیس' عدل و انصاف کے فروغ کے لیے عدالتیں اور معاشی ترقی کے لیے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل کسی بھی ملک کی پہلی ترجیحات کا حصہ ہیں۔ اس کے علاوہ اندرون ملک شہریوں کی سہولت کے لیے ریلیں' سڑکیں' بندرگاہیں' ہوائی اڈے، سکول و کالج' یونیورسٹیاں' ہسپتال' صحت عامہ اور سماجی فلاح و بہبود کی فراہمی بھی ریاست کے اولین فرائض میں شامل ہیں۔ اسی طرح ملک میں آبپاشی کی ترقی کے لیے ڈیم' نہریں' بیراج' وغیرہ اور معیشت کا مختلف شعبوں مثلاً زراعت' صنعت، تجارت' مواصلات اور بنکاری نظام کے فروغ کے لیے مثبت کوششیں بھی ریاست کی بڑی بڑی ترجیحات میں شامل ہیں۔

متذکرہ بالا تمام ضروریات کی تکمیل سے نبرد آزما ہونے کے لیے ریاست کو کثیر مقدار میں مالی وسائل درکار ہوتے ہیں۔ لہٰذا حکومت متعدد اقسام کے ٹیکس لگا کر مالی وسائل کو اکٹھا کرتی ہے۔ بسا اوقات شدید مالی بحران کے حالات میں نوٹ چھاپ کر یا اندرونی و بیرونی قرضے حاصل کر کے حکومت اپنی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ مالی وسائل اکٹھا کرنے کے تمام متذکرہ طریقے سرکاری مالیات کہلاتے ہیں۔ لہٰذا حکومت کے مالیات کی وصولی اور خرچ کرنے کے عمل کو مالیاتی پالیسی (Fiscal Policy) کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ زیرِ نظر باب میں ہم نجی و سرکاری مالیات، حکومت کے محصولات اور اخراجات کی تفصیل، ٹیکس عائد کرنے کے اصول اور ٹیکس کی اقسام کا جائزہ لیں گے۔

4.1 نجی و سرکاری مالیات کا مفہوم (Meaning of Private and Public Finance)

سرکاری مالیات حکومت کی ایسی مالیاتی پالیسی کا نام ہے جس کے تحت حکومت متعدد اقدامات کے ذریعے ٹیکسوں' اخراجات' قرضوں' درآمدی و برآمدی پالیسیوں اور بیرونی امداد وغیرہ کا انتظام کر کے ملکی معاشی سرگرمیوں کا رخ متعین کرتی ہے۔ بالفاظِ دیگر سرکاری مالیات حکومت کی پالیسی ہے جس کا تعلق ان فیصلوں سے ہوتا ہے جن کے تحت ٹیکس اور محصولات عائد کرنے' سرکاری اخراجات عمل میں لانے' سرکاری قرضے حاصل کرنے اور ان کے متعلق کنٹرول یا انتظام کرنے کے اقدامات کیے جاتے ہیں۔

سادہ الفاظ میں حکومت کی سرکاری آمدنی اور اخراجات میں باہمی تنظیم اور انتظام کا نام سرکاری مالیات ہے۔

Public finance is the arrangement and management of public income and expenditures.

نجی مالیات کا تعلق معاشرے میں بسنے والے ہر اس شخص سے ہے جو روزمرہ کی ضروریات اور دیگر مقاصد کے لیے آمدنی اکٹھی کرتا ہے پھر اُسے ضروریات کی اہمیت اور شدتِ ضرورت (Intensity of Need) کو مدِنظر رکھتے ہوئے خرچ کرتا ہے۔ لہٰذا سرکاری مالیات کی طرح نجی مالیات میں بھی آمدنی اور اخراجات کے درمیان باہمی تنظیم اور انتظام کو مدِنظر رکھا جاتا ہے جس میں ہر شخص اپنے وسائل کے مطابق اخراجات اٹھانے کا بندوبست کرتا ہے۔

Private finance is the arrangement and management of individual income and expenditures.

اگر درج بالا سرکاری اور نجی مالیات کا آپس میں باہمی مقابلہ کیا جائے تو دونوں میں کچھ باتیں مشترک نظر آئیں گی لیکن اختلافی پہلو نمایاں ہوں گے جن کی وضاحت درج ذیل دونوں قسم کے مالیات کی مماثلت اور ان کے درمیان فرق سے واضح ہے۔

(1) سرکاری اور نجی مالیات میں مماثلت

(Similarities between Public and Private Finance)

دونوں قسم کی مالیات میں مماثلت کے نکات درج ذیل ہیں۔

(1) منافع کا محرک (Profit Motive)

حکومت ہو یا عام شہری دونوں کے پاس مالی وسائل ضروریات کے مقابلے میں کم ہوتے ہیں چنانچہ دونوں ایسا لائحہ عمل اختیار کرتے ہیں جس کی بدولت انہیں کم ذرائع استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو سکے۔ اس طرح ایک فرد اپنے محدود وسائل سے زیادہ سے زیادہ فائدہ کا خواہاں ہوتا ہے اور حکومت اپنے وسائل کے استعمال کے بل بوتے پر زیادہ معاشرتی فلاح و بہبود حاصل کرنا چاہتی ہے۔

(2) قرضے کی ضرورت (Need of Loan)

دونوں قسم کے مالیات میں عام آدمی اور حکومت کو اپنے اخراجات اور وصولیوں کے مابین توازن برقرار رکھنے کے لیے قرضوں کی ضرورت پڑتی ہے چونکہ عام آدمی کی آمدنی کی وصولی کا طریقہ ہفتہ وار یا ماہانہ ہوتا۔ لیکن اُسے اخراجات مسلسل اور بغیر وقفے سے کرنے پڑتے ہیں اس لیے اُسے قرضہ لینا پڑتا ہے۔ اسی طرح حکومت کو آمدنی کا بڑا حصہ ٹیکسوں سے سال میں ایک دفعہ حاصل ہوتا ہے لیکن اس کے اخراجات سارا سال ہوتے رہتے ہیں اس لیے حکومت بھی اپنے اخراجات پورا کرنے کے لیے قرضہ حاصل کرتی ہے۔

(3) مزید آمدنی کی خواہش (Desire for More Income)

تمام معاشی سرگرمیوں کی بنیاد سرمایہ کاری کے ذریعے زیادہ آمدنی حاصل کرنے پر ہوتی ہے۔ اس لیے کوئی فرد ہو یا حکومت دونوں اپنے محدود ذرائع کو اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ انہیں زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو۔ لہٰذا دونوں اپنے پس انداز کیے ہوئے وسائل کو ایسے سرمایہ کاری کے کاموں پر لگاتے ہیں جن سے ان کی آمدنی میں مزید اضافہ ممکن ہو۔

(4) آمدنی اور اخراجات میں توازن (Balance in Income and Expenditures)

نجی مالیات کے تحت ہر فرد کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کی کمائی ہوئی آمدنی اور اخراجات میں توازن برقرار رہے یعنی اس کے اخراجات آمدنی سے تجاوز نہ کر جائیں اور اُسے دوسروں کا مقروض نہ ہونا پڑے۔ اسی طرح حکومت بھی آمدنی اور اخراجات میں توازن برقرار رکھ کر اندرونی و بیرونی قرضے لینے سے بچتی ہے۔

سرکاری مالیات اور نجی مالیات میں فرق

(Difference between Public and Private Finance)

سرکاری مالیات نجی مالیات سے درج ذیل نکات کی بنیاد پر مختلف ہے۔

(1) آمدنی اوراخراجات میں مطابقت (Adjustment of Income and Expenditures)

عام طور پر ہر شخص اپنی آمدنی کو مدنظر رکھتے ہوئے اخراجات کرتا ہے تاکہ اس کی آمدنی اور اخراجات میں توازن برقرار رہے اور اس کا ماہانہ بجٹ خسارے کا شکار نہ ہو۔ لیکن ملکی سطح پر سرکاری مالیات کا معاملہ نجی مالیات سے کچھ مختلف ہے۔ کیونکہ سرکاری مالیات کے تحت اخراجات اور آمدنی میں توازن حاصل کرنے میں کئی مشکلات حائل ہوتی ہیں۔ حکومت اپنا بجٹ تیار کرتے وقت اپنے اخراجات کا تخمینہ پہلے سے طے کر لیتی ہے اور پھر اخراجات کو مدنظر رکھتے ہوئے ٹیکس لگا کر آمدنی وصول کرتی ہے۔ اس بحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرکاری مالیات میں پہلے اخراجات اور بعد میں آمدنی کا اندازہ لگایا جاتا ہے جبکہ نجی مالیات میں پہلے آمدنی اور بعد میں اخراجات اٹھائے جاتے ہیں۔

(2) بجٹ کی مدت (Period of Budget)

نجی مالیات میں ہر فرد کے آمدنی اور خرچ کے بجٹ کی میعاد کا انحصار آمدنی حاصل ہونے کے عرصہ پر ہوتا ہے مثلاً عام طور پر لوگوں کو آمدنیاں یومیہ، ہفتہ وار یا ماہوار بنیادوں پر حاصل ہوتی ہیں۔ اس لیے عام آدمی کی آمدنی اور اخراجات کے لیے کسی مخصوص مدت (بجٹ میعاد) کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے برعکس سرکاری مالیات میں حکومت جو بجٹ تیار کرتی ہے اس کی مدت کا عرصہ ایک سال پر محیط ہوتا ہے۔ اس بجٹ میں سرکاری آمدنی اور اخراجات کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ جبکہ عام آدمی کے بجٹ کا نہ تو عرصہ متعین ہوتا ہے اور نہ ہی آمدنی اور اخراجات کا کوئی باقاعدہ حساب کتاب رکھا جاتا ہے۔

(3) مستقبل کی ضروریات (Future Needs)

نجی مالیات میں عموماً لوگ اپنی موجودہ ضروریات پوری کرنے کو ہی ترجیح دیتے ہیں لیکن ان میں سے کچھ لوگ اپنی مستقبل کی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے کچھ نہ کچھ بچا کر رکھ لیتے ہیں تاکہ اپنی اگلی نسل کی ضروریات کے لیے رہائشی جائیداد، صرفی اثاثے اور زر نقد ان تک پہنچا سکیں۔ لہٰذا عام لوگوں کی سرمایہ کاری کا مقصد صرف اور صرف اپنی ذات اور اپنی آنے والی نسل تک محدود ہوتا ہے۔ اس کے برعکس حکومت نہ صرف موجودہ نسلوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے سرمایہ فراہم کرتی ہے بلکہ آئندہ کئی سو سالوں تک آنے والی نسلوں تک اپنی سرمایہ کاری کے ثمرات پھیلا دیتی ہے۔ لہٰذا عام آدمی اپنی ذات کے لیے خرچ کرتا ہے جبکہ حکومت عوام الناس کی فلاح و بہبود کے لیے زمانہ حال اور مستقبل میں سرمایہ کاری کرنے کا بیڑا اٹھاتی ہے۔

(4) آمدنی اور اخراجات میں توازن (Balance in Income and Expenditures)

نجی مالیات میں افراد کی کوشش ہوتی ہے کہ ان کے اخراجات آمدنی سے تجاوز نہ کریں بلکہ وہ اپنے اخراجات کو گھٹا کر کچھ نہ کچھ روپیہ پس انداز کریں تاکہ انھیں آمدنی اور اخراجات میں توازن برقرار رکھنے کے لیے قرضہ نہ لینا پڑے۔ لہٰذا عام لوگ اپنے اخراجات کو آمدنی کے مطابق کم و بیش کر کے توازن برقرار رکھتے ہیں لیکن سرکاری مالیات میں یہ معاملہ الٹ ہے۔ کیونکہ سرکاری مالیات میں حکومت پہلے اپنے رواں اور مستقبل کے اخراجات کا تخمینہ لگاتی ہے اور پھر ان اخراجات کے حجم کو دیکھتے ہوئے ٹیکس لگا کر آمدنی حاصل کرتی ہیں۔ اگر کسی وجہ سے حکومت اپنے ہدف کے مطابق آمدنی حاصل نہ کر سکے تو معیشت خسارے کا شکار ہو جاتی ہے ایسے میں حکومت نئے نوٹ چھاپ کر، نئے ٹیکس عائد کر کے یا بیرونی قرضے حاصل کر کے اپنے خسارے کو پورا کرتی ہے۔ اس لیے حکومت اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود آمدنی اور

اخراجات میں توازن برقرار رکھنے میں ناکام رہتی ہے جبکہ نجی مالیات میں افراد کو ایسی کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

(5) مخفی اور اعلانیہ بجٹ (Secret and Open Budget)

نجی مالیات میں عام افراد اپنی آمدنی اور اخراجات کے بارے میں تفصیل بتانے سے گریز کرتے ہیں۔ اسی لیے کسی فرد کی آمدنی اور اخراجات کے بارے میں اعلانیہ معلومات فراہم نہیں کی جاتیں۔ بسا اوقات افراد اپنی آمدنی اور اثاثوں کو مخفی رکھتے ہیں اور لوگوں پر ظاہر نہیں کرتے تاکہ وہ انکم ٹیکس سے بچ سکیں۔ اس کے برعکس حکومت اپنی سالانہ آمدنی اور اخراجات کی تشہیر باقاعدہ اخبارات، ٹیلی ویژن اور دوسری سرکاری ایجنسیوں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے کرتی ہے تاکہ عوام کو معلوم ہو سکے کہ حکومت آئندہ سال کن مدات پر اخراجات کرے گی اور اس کی آمدنی کے ذرائع کیا ہوں گے۔

(6) آمدنی اور اخراجات میں نمایاں تبدیلیاں
(Prominent Changes in Income and Expenditures)

سرکاری سطح پر آمدنی اور اخراجات میں بڑی بڑی تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں کیونکہ حکومت کے اختیارات اور وسائل زیادہ ہوتے ہیں اس لیے وہ آسانی سے نئے ٹیکس لگا کر یا قرضے حاصل کر کے آمدنی اور اخراجات میں نمایاں تبدیلیاں لا سکتی ہے مثلاً جنگ یا دوسری کسی آفت سے نپٹنے کے لیے حکومت اپنی مرضی سے اندرونی یا بیرونی قرضے حاصل کر کے اپنی آمدنی اور اخراجات میں غیر معمولی تبدیلی لا سکتی ہے۔ اس کے برعکس نجی سطح پر غیر معمولی اور بڑی تبدیلی ممکن نہیں ہوتی اور نہ ہی نجی افراد کے پاس اتنے اختیارات اور وسائل موجود ہوتے ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے آمدنی اور اخراجات میں تبدیلی لے آئیں۔

(7) قرضوں کا حصول (Getting Loans)

حکومت اپنے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے اندرونی و بیرونی ذرائع سے قرضے حاصل کر سکتی ہے یعنی حکومت کو روپے کی ضرورت پیش آنے پر اندرونی ذرائع (مثلاً تجارتی بنک، مالیاتی ادارے وغیرہ) اور بیرونی ذرائع (مثلاً بین الاقوامی مالیاتی فنڈ اور ورلڈ بنک وغیرہ) سے قرضے لیے جا سکتے ہیں۔ لیکن عام انسان صرف بیرونی قرضہ حاصل کر سکتا ہے مثلاً دوستوں، رشتہ داروں اور بنکوں وغیرہ سے۔ عام آدمی اندرونی قرضہ حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ اندرونی قرضے سے مراد انسان کا اپنی ذات سے قرضہ حاصل کرنا ہے۔ لہٰذا حکومت کو اپنی ضرورت پورا کرنے کے لیے قرضے اکٹھے کرنے میں مشکل پیش نہیں آتی مگر عام آدمی کو اپنے دوستوں، رشتہ داروں اور مالی اداروں سے قرضہ لینے میں کئی دشواریاں پیش آتی ہیں۔

(8) کرنسی کا اجرا (Issuance of Currency Notes)

اگر کسی فرد کا خرچ اس کی آمدنی سے تجاوز کر جائے تو وہ خسارے کو پورا کرنے کے لیے کرنسی نوٹ نہیں چھاپ سکتا کیونکہ نوٹ چھاپنے کی ذمہ داری صرف اور صرف ملک کے مرکزی بنک کے پاس ہوتی ہے۔ لیکن حکومت ضرورت پڑنے پر مرکزی بنک سے اپنی ضرورت سے زائد کرنسی نوٹ چھپوا سکتی ہے اور بجٹ خسارے کو پورا کر سکتی ہے۔ لہٰذا آمدنی حاصل کرنے کا یہ ذریعہ حکومت کو میسر ہے لیکن عام لوگ اس سے محروم ہیں۔

(9) فاضل بجٹ (Surplus Budget)

عام طور پر ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی کل آمدنی میں سے کچھ نہ کچھ مستقبل کے لیے بچا کر رکھے تاکہ اُسے مستقبل میں آسانیاں میسر آئیں۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ فاضل بجٹ عام آدمی کا خاصہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس حکومت کا فاضل بجٹ عوام میں بُرا سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ عوام سمجھتے ہیں کہ حکومت نے اپنی آمدنی بھاری ٹیکس لگا کر فاضل بجٹ پیش کیا ہے اور ان پر ٹیکسوں کا غیر ضروری بوجھ ڈالا گیا۔ اس لیے حکومت ہمیشہ اپنا بجٹ متوازن بنانے کی کوشش کرتی ہے۔

متذکرہ بالا فرق کے علاوہ کچھ اور بھی فرق نمایاں حیثیت رکھتے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(i) سرکاری مالیات کے متعلق حکومت کی آمدنی اور اخراجات کے اعداد و شمار باقاعدہ ریکارڈ کر کے آڈٹ کیے جاتے ہیں اور یہ بات یقینی بنائی جاتی ہے کہ سرکاری آمدنی اور اخراجات قواعد و ضوابط کے مطابق ہو رہے ہیں۔ اس کے برعکس نجی آمدنی اور اخراجات کا نہ ریکارڈ رکھا جاتا ہے اور نہ ہی کوئی ادارہ اس کو آڈٹ کرتا ہے۔

(ii) حکومت کو ناگہانی آفات کی صورت میں بیرونی ممالک سے امدادی رقوم اور تحائف وصول ہوتے رہتے ہیں اور اس کے وسائل میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس عام آدمی کو کبھی بھی ناگہانی آفت یا مشکل میں براہ راست غیر ممالک سے امداد یا تحائف وصول نہیں ہوتے۔

(iii) سرکاری مالیات کا حساب کتاب رکھنے کے لیے باقاعدہ حکومتی ادارے موجود ہوتے ہیں جو ملکی آمدنی اور اخراجات کا ریکارڈ رکھتے ہیں اور حکومت انہیں تنخواہیں وغیرہ دیتی ہے۔ لیکن نجی مالیات کا حساب کتاب رکھنے کا کوئی بندوبست نہیں ہوتا اس لیے سرکاری مالیات' نجی مالیات سے کافی مختلف ہے۔

4.2 سرکاری وصولیاں (Public Revenues)

حکومت کی آمدنی کا سب سے بڑا اور اہم ذریعہ ٹیکس ہوتے ہیں۔ حکومت اپنی آمدنی دو ذرائع سے حاصل کرتی ہے جو درج ذیل ہیں۔

1۔ محصولاتی آمدنی کے ذرائع۔

2۔ غیر محصولاتی آمدنی کے ذرائع۔

(1) محصولاتی آمدنی کے ذرائع (Sources of Tax Revenues)

محصولات یا ٹیکس سے مراد ایسی لازمی ادائیگی ہوتی ہے جو حکومت کسی ایک شخص کو براہ راست فائدہ پہنچانے کی بجائے پورے معاشرے کو فائدہ پہنچانے کے لیے استعمال کرتی ہے۔ یاد رہے ملک میں بسنے والے جس شہری پر ٹیکس کی ادائیگی واجب قرار دے دی جائے پھر اس سے انکار حکومتی قوانین کی حکم عدولی تصور ہوتی ہے۔ اسی لیے ٹیکس گزار ٹیکس ادا کرنے سے انکار نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی ٹیکس گذار حکومت سے ٹیکس کے عوض کوئی ذاتی سہولت یا فائدہ طلب کر سکتا ہے۔ لہٰذا حکومت ٹیکس کی مد میں موصولہ رقوم کو ملک کے عوام کے وسیع تر مفاد اور فائدے کی خاطر استعمال کرتی ہے۔ محصولاتی آمدنی کے اہم ذرائع درج ذیل ہیں۔

(i) درآمدی و برآمدی محصولات (Import and Export Duties)

ان سے مراد وہ محصولات ہیں جو ملک میں درآمد اور برآمد ہونے والی اشیا پر لگائے جاتے ہیں۔ کسی ملک میں درآمدی و برآمدی اشیا سے حاصل ہونے والی کسٹم کی آمدنی حکومت کے محصولات کا ایک بڑا ذریعہ ہوتی ہے۔ یہ محصولات اشیا کی مالیت کے اعتبار سے اور اشیا کے وزن کے لحاظ سے لگائے جاتے ہیں۔ جن اشیا پر یہ محصولات بلحاظ وزن عائد کیے جاتے ہیں ان میں چائے، تمباکو، دھاگہ، سیمنٹ، سینما فلم وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ کئی اشیا پر حکومت ٹیکس بلحاظ مالیت لگاتی ہے۔ مزید برآں حکومت غیر ضروری اور اشیائے تعیش پر بھاری ٹیکس عائد کرتی ہے۔ لیکن خام مال، صنعتی مشینری، لوہے، بناسپتی گھی، ٹیکسٹائل کی مصنوعات وغیرہ پر کم شرح سے ڈیوٹی عائد کرتی ہے جبکہ کئی روزمرہ کی اشیا کسٹم ڈیوٹی سے مستثنیٰ ہیں ان میں خشک دودھ، بنولہ، دالیں، اناج، سویابین، خام تیل، کپڑے، دوائیں وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ پاکستانی معیشت میں درآمدی و برآمدی محصولات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ کیونکہ حکومت انہی محصولات کی بنیاد پر توازن ادائیگی کی خرابی کو دُور کرتی ہے۔ ملکی صنعتوں کو فروغ دینے کے لیے درآمدی اشیا پر ٹیکس عائد کرتی ہے اور برآمدی اشیا پر ٹیکس کم کر کے ملکی مصنوعات کو بین الاقوامی منڈی میں کامیاب کراتی ہے۔ پاکستان کی معیشت میں درآمدی و برآمدی محصولات سے حاصل ہونے والی آمدنی ہمارے کل محصولات کا نمایاں حصہ ہے۔

(ii) مرکزی ایکسائز ڈیوٹی (Central Excise Duty)

ایکسائز ڈیوٹی پاکستان میں تیار ہونے والی اشیا اور مہیا کی جانے والی خدمات پر عائد کی جاتی ہے۔ ایکسائز ڈیوٹی کا نفاذ بڑی دانش مندی اور احتیاط سے کیا جاتا ہے کیونکہ اس سے ملکی پیداوار کی حوصلہ شکنی اور صارفین پر بوجھ بڑھنے کا خطرہ موجود رہتا ہے۔ دوسری طرف حکومت ایسے اقدامات کرتی ہے جس سے ایکسائز ڈیوٹی کا دائرہ کار وسیع ہو اور حکومت کو اس مد سے زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل ہو سکے۔ پاکستان میں ایکسائز ڈیوٹی عام طور پر بلحاظ وزن اور مالیت شے کی قیمت میں شامل کر دی جاتی ہے اس لیے صارفین یہ اشیا خرید کر ٹیکس کی رقم بھی قیمت کا حصہ سمجھ کر ادا کر دیتے ہیں اور بوجھ محسوس نہیں کرتے۔ اس طرح حکومت کو اس مد سے خاطر خواہ آمدنی حاصل ہو جاتی ہے۔

(iii) انکم ٹیکس اور کارپوریٹ ٹیکس (Income Tax and Corporate Tax)

انکم ٹیکس اور کارپوریٹ ٹیکس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی ملکی وصولیوں کا ایک بڑا حصہ ہوتی ہے۔ حکومت اس مد میں لوگوں کی کمائی ہوئی آمدنیوں پر متزائد شرح (Progressive Rate) سے ٹیکس لگا کر آمدنی حاصل کرتی ہے۔ متزائد شرح ٹیکس کے اصول کے تحت شرح ٹیکس میں اضافہ یا کمی آمدنی میں کمی یا اضافہ کے ساتھ ہوتی ہے۔ پاکستان میں قابل ٹیکس آمدنی حکومت پاکستان کی مقرر کردہ آمدنی کے خاص معیار سے شروع ہوتی ہے اور اس معیار سے کم آمدنی والے ٹیکس گزار اس سے مستثنیٰ ہوتے ہوں۔ اس طرح حکومت مشترکہ سرمائے کی انجمنوں، کاروباری اداروں پر کارپوریٹ ٹیکس عائد کر کے معقول آمدنی حاصل کرتی ہے۔

(iv) زرعی انکم ٹیکس (Agricultural Income Tax)

ایسے ممالک جہاں زراعت ملکی پیداوار کا بڑا حصہ فراہم کرتی ہے اور جدید زرعی طریقے، استعمال کر کے فی ایکڑ پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ کیا جاتا ہے وہاں زرعی آمدنی قابل ٹیکس ہوتی ہے۔ پاکستان میں تاحال زرعی پیداوار سے حاصل ہونے والی آمدنیوں کو ٹیکس

سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ پاکستان میں زرعی شعبے کی حالت اچھی نہیں۔ اس لیے حکومت پاکستان نے زرعی شعبے کی ترقی اور پیداوار میں اضافے کے لیے اس شعبے کو ٹیکس سے مستثنیٰ رکھا ہے۔

(v) بکری ٹیکس یا سیلز ٹیکس (Sales Tax)

بکری ٹیکس بھی حکومتی آمدنی کا بڑا ذریعہ ہے۔ بکری ٹیکس مخصوص ملکی اشیا کے علاوہ بعض غیر ملکی اشیا پر بھی عائد کیا جاتا ہے۔ اس ٹیکس کا انتظام انکم ٹیکس ڈیپارٹمنٹ کے سپرد ہے۔ بکری ٹیکس اشیا پیدا کرنے والے تاجروں یا پھر ان اشیا کے خریداروں سے شے کی قیمت میں شامل کر کے حاصل کیا جاتا ہے۔

(vi) دیگر محصولات (Miscellaneous Taxes)

حکومت پاکستان مذکورہ بالا ٹیکسوں کے علاوہ بھی اپنی محصولاتی آمدنی میں اضافہ کرنے کے لیے درج ذیل اشیا پر ٹیکس عائد کرتی ہے۔

(الف) دولت ٹیکس: اس ٹیکس کی صورت میں انسان کی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد پر ایک خاص معیار یا حد کے بعد ٹیکس واجب الادا بن جاتا ہے۔ اس قسم کا ٹیکس عام طور پر زمینوں کی مالیت پر عائد ہوتا ہے۔

(ب) تحفہ ٹیکس: تحفہ ٹیکس کی صورت میں 35 ہزار روپے کی مالیت تک یہ ٹیکس معاف ہے لیکن اس سے زیادہ مالیت کے تحائف پر ٹیکس عائد ہوتا ہے۔

(ج) وراثت ٹیکس (اسٹیٹ ڈیوٹی): اس ٹیکس کے زمرے میں ٹیکس مرنے والے لوگوں کی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد پر ایک خاص شرح سے لگایا جاتا ہے۔ حکومت درج بالا دیگر محصولات کی تمام اقسام پر مترائد ٹیکس عائد کرتی ہے۔

(2) غیر محصولاتی آمدنی کے ذرائع (Sources of Non-Tax Revenues)

غیر محصولاتی آمدنی کے اہم ذرائع درج ذیل ہیں۔

(i) فیس (Fee)

یہ حکومت کے غیر محصولاتی آمدنی کے ذرائع ہیں۔ اس میں سرکاری فیس اہم حیثیت رکھتی ہے۔ یہ فیس عوام حکومت کو بعض سرکاری سہولیات کے عوض ادا کرتی ہے مثلاً اسلحہ کی لائسنس فیس، کورٹ فیس، ڈرائیونگ لائسنس وغیرہ سے حکومت کو فیسوں کی شکل میں یہ ادائیگی ہوتی ہے۔

(ii) قیمت (Price)

حکومت بعض اشیا نجی شعبے میں دینے کی بجائے خود پیدا کر کے فروخت کرتی ہے۔ ان اشیا میں گھی کارپوریشن آف پاکستان کا تیار کردہ گھی اور سٹیل مل کی مصنوعات شامل ہیں۔ اس کے علاوہ حکومت پوسٹ آفس کی خدمات مثلاً پوسٹ کارڈ، ٹکٹیں، لفافے، منی آرڈر کی سہولیات وغیرہ اور دیگر خدمات مثلاً واپڈا کی بجلی، ریلوے کی سفر کی سہولتیں، ٹیلی فون و تار کی سہولتیں فراہم کر کے ان خدمات کے عوض قیمت وصول کرتی ہے۔ اس طرح قیمت کی مد سے حاصل ہونے والی آمدنی حکومتی وصولیوں میں نمایاں حصہ رکھتی ہے۔

(iii) سود کی وصولیاں (Interest Revenues)

مرکزی حکومت، صوبائی حکومتوں، میونسپل کمیٹیوں اور کارپوریشنوں کو دیے گئے قرضوں پر سود وصول کرتی ہے۔ سود کی وصولیاں

غیر محصولاتی آمدنی کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔

(iv) خصوصی تشخیص (Special Assessment)

حکومت بعض علاقوں میں خصوصی ترقیاتی منصوبوں پر اخراجات کرتی ہے مثلاً سڑکیں، بجلی سپلائی' ہسپتال' اجناس کی منڈیاں وغیرہ ان ترقیاتی کاموں کی وجہ سے لوگوں کے اثاثوں کی قیمتیں کئی گنا ہوجاتی ہیں اور حکومت ایسے علاقوں کی پراپرٹی کی اضافی مالیت کا ایک خاص حصہ بطور خصوصی تشخیص کے ذریعے وصول کرتی ہے۔

(v) سرکاری جائیدادیں (State Property)

حکومت کو اپنی جائیداد سے بھی معقول آمدنی حاصل ہوتی ہے مثلاً حکومت جنگلات کو ٹھیکے پر دے کر، کانیں پٹے پر رکھ کر اور سرکاری زمینوں پر کاشتکاری کروا کر آمدنی حاصل کرتی ہے۔ اسی طرح حکومت کاروبار بھی کرتی ہے۔ حکومت بذاتِ خود سرمایہ کاری میں پیسہ لگاتی ہے جس سے حکومت کی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے۔

(vi) دیگر وصولیاں (Miscellaneous Revenues)

حکومت کو غیر محصولاتی ذرائع سے درج ذیل متفرق وصولیاں بھی حاصل ہوتی ہیں۔

(الف) حکومت لوگوں کو پارکوں' سیر گاہوں' چڑیا گھروں وغیرہ کی تفریحاتی جگہیں فراہم کر کے قیمت وصول کرتی ہے۔

(ب) حکومت، سول انتظامیہ فیس اور جرمانے بھی وصول کرتی ہے۔ جرمانے ان لوگوں سے وصول کئے جاتے ہیں جو قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہیں مثلاً ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی وغیرہ۔

(ج) دیگر ٹیکسوں میں سرچارج ٹیکس بھی حکومت کی آمدنی کا بڑا ذریعہ ہے۔

4.3 ٹیکس عائد کرنے کے اصول (Cannons of Taxation)

ٹیکس ایک ایسی لازمی ادائیگی ہوتی ہے جو حکومت کو ان خدمات کے صلے میں دی جاتی ہے جو وہ عوام کی فلاح و بہبود کے لیے سرانجام دیتی ہے۔ ٹیکس گذار ٹیکس دینے کے عوض حکومت سے کوئی ذاتی مراعات یا براہ راست فائدہ حاصل نہیں کرسکتا۔ حکومت لوگوں سے حاصل کی جانے والی رقوم کو عوام کی بہتری اور فائدے کے لیے استعمال کرتی ہے جس سے عوام کا معیار زندگی بلند ہوتا ہے۔ چونکہ ٹیکس سے حاصل ہونے والی آمدنی عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کی جاتی ہے۔ اس لیے معیشت دانوں نے ٹیکس گذاروں سے ٹیکس لینے کے کچھ سنہری اصول متعین کئے ہیں جن کی بدولت نہ صرف ملک میں جمہوری قدروں کو تقویت ملتی ہے بلکہ ملک کا مجموعی ٹیکسوں کا نظام بھی مستحکم ہوتا ہے۔ ملک میں مضبوط اور مستحکم ٹیکسوں کے نظام کے فروغ کے لیے معیشت دانوں نے درج ذیل اصول بیان کئے ہیں جن میں سے پہلے چار اصول آدم سمتھ نے تجویز کئے ہیں۔

(1) اصول مساوات (Cannon of Equality)

آدم سمتھ کے نزدیک ٹیکس عائد کرتے وقت اگر حکومتیں اصول مساوات کو مدِنظر رکھتے ہوئے عوام پر ٹیکس لاگو کریں تو لوگ آسانی

سے ٹیکس ادا کر سکیں گے اور ملکی خزانے میں اضافہ ہوگا۔ اس اصول کے مطابق ہر شہری اپنی مالی حیثیت کے مطابق ٹیکس ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے یعنی زیادہ آمدنی والے حضرات زیادہ ٹیکس اور کم آمدنی والے کم ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ اصول مساوات کے تحت مساوی ٹیکس سے مراد یہ نہیں کہ سب افراد کو ایک جتنا ٹیکس ادا کرنا ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد متزائد شرح ٹیکس ہے جس میں ٹیکس کی شرح آمدنی میں تبدیلی کے ساتھ کم وبیش ہوتی ہے۔ یعنی آمدنی بڑھنے کے ساتھ لوگ زیادہ شرح سے ٹیکس ادا کرتے ہیں اور آمدنی میں کمی کے ساتھ ٹیکس کی شرح بھی کم ہوجاتی ہے۔ اس طرح یہ اصول عدل وانصاف کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور حکومت کی آمدنی کا ذریعہ بنتا ہے۔ عام طور پر دور حاضر کی حکومتیں انکم اور پراپرٹی پر متزائد شرح سے ٹیکس عائد کرتی ہیں۔

(2) اصول تیقن (Cannon of Certainity)

آدم سمتھ کے مطابق یہ اصول اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ٹیکس گذار یا ٹیکس ادا کرنے والے کو یقین ہونا چاہیے کہ اسے کتنا ٹیکس، کب اور کہاں ادا کرنا ہے۔ نیز ٹیکس ادا کرنے کے کیا متبادل طریقے ہوں گے اگر ٹیکس ادا کرنے کا نظام اس اصول سے متصادم ہوگا تو ٹیکس کی وصولی بھی غیر یقینی ہوجائے گی۔ کیونکہ ٹیکس گذاروں کو ٹیکس کی ادائیگی کا وقت، طریقہ اور مقدار معلوم نہ ہوگی اور وہ محکمہ ٹیکس کے اہلکاروں کے رحم وکرم پر ہوں گے جو ٹیکس گذاروں کو مختلف طریقوں سے ڈرا دھمکا کر رشوت طلب کر سکتے ہیں۔ اصول تیقن کے اطلاق سے حکومت کو بھی ٹیکسوں سے حاصل ہونے والی آمدنی کا صحیح اندازہ ہوگا وگرنہ سرکاری ملازمین کو ٹیکسوں کے لین دین میں من مانی کارروائیاں کرنے اور رشوت میں ملوث ہونے کا خطرہ پیدا ہوجاتا ہے۔ اس لیے اگر ٹیکسوں کا نظام اصول تیقن پر پورا اترتا ہو تو ٹیکس گزاروں کو ادائیگی میں اور حکومت کو وصولی میں آسانیاں ہوتی ہیں۔

(3) اصول سہولت (Cannon of Convenience)

آدم سمتھ کے خیال میں ٹیکس گذاروں پر ٹیکس اس وقت لاگو کیا جانا چاہیے یا ایسے طریقے سے عائد کیا جانا چاہیے کہ ٹیکس ادا کرنے والوں کو ٹیکس کی رقم ادا کرنے میں مشکل نہ ہو۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ٹیکس کی رقم یکمشت وصول کرنے کی بجائے آسان اقساط میں وصول کی جائے۔ ٹیکس گزاروں کو ٹیکس جمع کرانے کے لیے بار بار دفتر کے چکر نہ لگانے پڑیں۔ سہولت کی خاطر ملازمین کی تنخواہوں سے ٹیکس کی رقم ماہوار وصول کر لی جائے۔ کاشتکاروں سے ٹیکس (مالیہ) اس وقت وصول کیا جائے جب فصل پک کر تیار ہوجائے۔ ٹیکس جمع کروانے کے لیے لوگوں کو نزدیک ترین جگہوں پر دفتری سہولیات فراہم کر کے وقت کی بچت اور دیگر مسائل سے چھٹکارا دلایا جائے۔ اس طرح نہ صرف لوگوں کو ٹیکس ادا کرنے میں آسانی ہوتی ہے بلکہ حکومت کے خزانے میں بھی زیادہ رقوم جمع ہوتی ہیں۔

(4) اصول کفایت (Cannon of Economy)

اصول کفایت سے مراد ٹیکس اکٹھا کرنے پر کم سے کم اخراجات اٹھانا ہے تاکہ ٹیکس کی مد میں وصول کردہ رقوم زیادہ سے زیادہ قومی خزانے میں جمع ہوسکیں۔ آدم سمتھ کے خیال میں ٹیکس کا نظام ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ ٹیکس اکٹھا کرنے والے عملے پر اٹھنے والے اخراجات اتنے زیادہ ہوں کہ ٹیکس سے وصول ہونے والی رقم زیادہ تر ان کی تنخواہوں پر صرف ہوجائے اور سرکاری خزانے میں بہت کم جمع ہو۔ اصول کفایت کے لیے ضروری ہے کہ ٹیکس کی شرح اتنی زیادہ نہ ہو کہ لوگوں میں کام کرنے کا جذبہ ٹھنڈا پڑ جائے اور وہ بچت کرنے کے قابل نہ رہیں اور

ٹیکسوں کا انتظام غیر موثر ہو کر رہ جائے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ٹیکس عائد کرتے وقت بھاری ٹیکسوں سے اجتناب کیا جائے تا کہ لوگوں کی بچتوں میں اضافہ اور سرمایہ کاری کا عمل جاری رہے۔

ٹیکس عائد کرنے کے دیگر اصول (Other Cannons of Taxation)

ٹیکس عائد کرنے کے درج ذیل اصول ماہرین معاشیات نے وضع کر کے ٹیکسوں کے نظام کو مزید بہتر بنانے کے لیے رہنمائی کی ہے۔

(5) اصولِ پیداواری (Cannon of Productivity)

اس اصول کے مطابق ملک میں ٹیکسوں کا نظام ایسا ہونا چاہیے کہ حکومت کو تمام ترقیاتی وغیر ترقیاتی اخراجات پورے کرنے کے لیے اتنی رقم حسب ضرورت مہیا ہو سکے کہ وہ متوازن بجٹ بنا سکیں۔ دوسری طرف ٹیکس سے حاصل ہونے والی آمدنی ضرورت سے زیادہ بھی نہیں ہونی چاہیے کیونکہ ایسے میں اکثر حکومت ضرورت سے زیادہ ٹیکس لگا کر لوگوں پر ٹیکسوں کا بوجھ منتقل کر دیتی ہے۔ جس سے لوگوں کی بچتوں میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور سرمایہ کاری کا عمل رک جاتا ہے۔ اشیا مہنگی ہو جاتی ہیں۔ پیداوار کا معیار گر جاتا ہے۔ ایسی صورت حال سے نکلنے کے لیے حکومت کو اپنے پیداواری یونٹوں کی صلاحیت کو بڑھانے کے لیے قرضے حاصل کرنے پڑتے ہیں۔ قرضوں کے بوجھ سے افراط زر کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے اور معیار زندگی گر جاتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حکومت کو اصول پیداواری کو مدنظر رکھتے ہوئے اتنے ہی ٹیکس لگانے چاہئیں جس سے ملک میں سرمایہ کاری اور پیداواری عمل رکنے نہ پائے۔

(6) اصولِ لچکداری (Cannon of Elasticity)

ملک میں ٹیکسوں کا نظام اتنا لچکدار ہونا چاہیے کہ اگر حکومت کو زیادہ مالی وسائل کی ضرورت پڑ جائے تو وہ ٹیکس بڑھا کر سرکاری آمدنی میں اضافہ کر سکے اور لوگوں پر اس ٹیکس کا زیادہ بوجھ بھی نہ پڑے۔ اس کے برعکس اگر حکومت کی مالی ضروریات گھٹ جائیں تو حکومت ٹیکس کی شرح کم کر کے سرکاری آمدنی میں کمی لا سکے۔ لہٰذا اصول لچکداری آمدنی اور شرح ٹیکس میں براہ راست رشتہ قائم کرتا ہے یعنی اگر آمدنی میں اضافہ ہو تو ٹیکس کی شرح میں بھی اضافہ ہو جائے اور آمدنی میں کمی کے ساتھ ٹیکس کی شرح بھی کم ہو جائے اس طرح نہ تو معیشت کے ترقیاتی منصوبوں پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور نہ ہی لوگوں پر ان ٹیکسوں کا بوجھ پڑتا ہے۔

(7) اصولِ سادگی (Cannon of Simplicity)

اچھے نظام ٹیکس کے لیے ضروری ہے کہ ٹیکسوں کا نظام آسان، سادہ اور عام فہم ہو تا کہ عام آدمی کو اندازہ ہو سکے کہ اس نے کتنی آمدنی پر کتنا ٹیکس ادا کرنا ہے اور کس طرح ٹیکس سے متعلق معلومات کو ٹیکس ریونیو کی طرف سے ارسال کردہ فارم میں درج کرنا ہے۔ اگر ٹیکس کا نظام پیچیدہ، ناقابل فہم اور ضروری معلومات ٹیکس فارم میں درج کرنے میں مشکلات پیش آئیں تو ٹیکس دہندہ کو کئی دشواریوں اور پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ ٹیکس جمع کرانے سے کتراتے ہیں جس سے ملک میں رشوت ستانی فروغ پاتی ہے اور سرکاری ٹیکس خرد برد ہونے کا اندیشہ بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے اچھے نظام ٹیکس کے لیے ضروری ہے کہ ٹیکس ادا کرنے کا طریقہ کار سادہ ہو اور ٹیکس گذاروں کو کوئی مشکل پیش نہ آئے اور اس سے حکومت کی آمدنی میں اضافہ ہو۔

(8) اصولِ تنوع (Cannon of Diversity)

اصولِ تنوع اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ ملک میں ٹیکسوں کا نظام ایسا ہونا چاہیے کہ ٹیکس کا سارا بوجھ معیشت کے کسی ایک شعبے پر نہ پڑے بلکہ معیشت کے دیگر شعبوں پر بھی ٹیکسوں کا اطلاق برابری کی سطح پر ہو۔ گویا اس اصول کے مطابق حکومت کو ایک ہی قسم کے ٹیکس عائد نہیں کرنے چاہیے بلکہ مختلف قسم کے ٹیکس عائد کرنے چاہئیں تاکہ ملک کے تمام شہری اپنی اپنی مالی حیثیت کے مطابق سرکاری خزانے میں اپنا حصہ ڈال سکیں۔ اس طرح اگر حکومت مختلف قسم کے ٹیکس لاگو کرے تو کسی ایک ٹیکس سے آمدنی کم ہونے کے باوجود حکومت دیگر ٹیکسوں سے خاطر خواہ آمدنی حاصل کر کے اپنے اخراجات پوری کر لیتی ہے۔

4.4 ٹیکسوں کی اقسام (Kinds of Taxes)

بنیادی طور پر ٹیکسوں کی دو اقسام ہیں۔

(1) براہ راست یا بلاواسطہ ٹیکس (Direct Tax)

(2) بالواسطہ ٹیکس (Indirect Tax)

(1) براہ راست یا بلاواسطہ ٹیکس (Direct Tax)

یہ ٹیکس جس شخص پر لگے وہی اُس کو ادا کرتا ہے۔ یعنی اس ٹیکس کا نفاذ اور بوجھ ایک ہی شخص پر واقع ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر انکم ٹیکس، دولت ٹیکس اور تحفہ ٹیکس وغیرہ براہ راست ٹیکس کے زمرے میں شمار ہوتے ہیں۔ ایسے ٹیکسوں کا نفاذ اور بوجھ براہ راست ان ٹیکسوں کو ادا کرنے والے اشخاص پر پڑتا ہے۔ اس لیے یہ ٹیکس جس شخص پر لاگو ہوتا ہے وہ اس کے بوجھ کو کسی دوسرے شخص کے کندھوں پر منتقل نہیں کر سکتا۔ یعنی وہ اپنا ٹیکس کسی دوسرے شخص کو ادا کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا بلکہ اسے بذاتِ خود ہی ٹیکس کی رقم ادا کرنا پڑتی ہے۔

(2) بالواسطہ ٹیکس (Indirect Tax)

یہ وہ ٹیکس ہے جسے کسی واسطے کے ذریعے وصول کیا جاتا ہے اور اس کا بوجھ (بار) دوسروں پر منتقل کیا جا سکتا ہے یعنی جس شخص پر اس ٹیکس کا نفاذ ہوتا ہے وہ اسے کسی دوسرے شخص پر منتقل کر دیتا ہے مثلاً درآمدی کسٹم ڈیوٹی، ایکسائز ڈیوٹی، بکری ٹیکس وغیرہ کا نفاذ تو آجرین اور تاجروں پر ہوتا ہے لیکن وہ ان ٹیکسوں کو اشیا کی قیمتوں میں شامل کر کے صارفین پر منتقل کر دیتے ہیں اور بالآخر ان ٹیکسوں کا بوجھ صارفین کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

براہ راست ٹیکسوں کے فائدے (Advantages of Direct Taxes)

براہ راست ٹیکسوں کے فائدے درج ذیل ہوتے ہیں۔

(i) براہ راست ٹیکس متزائد ٹیکس ہوتے ہیں اس لیے یہ اصول مساوات کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں یعنی ہر شخص سے اس کی مالی حیثیت کے مطابق ٹیکس لیا جاتا ہے۔

(ii) براہ راست ٹیکس کفایت شعاری کے اصول پر بھی پورا اترتے ہیں، کیونکہ ان ٹیکسوں کو اکٹھا کرنے پر حکومت کو بہت کم اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

(iii) براہ راست ٹیکسوں سے جو آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ یقینی ہوتی ہے اس لیے حکومت ان ٹیکسوں کی آمدنی کا پیشگی تخمینہ لگا لیتی ہے اور انھیں مناسب ترقیاتی کاموں پر خرچ کرتی ہے۔

(iv) براہ راست ٹیکسوں کا نفاذ اصول لچکداری کو تقویت بخشتا ہے کیونکہ حکومت ضرورت پڑنے پر جب چاہے اپنی مرضی سے نئے ٹیکس لگا کر اپنی آمدنی بڑھا سکتی ہے اور سرمایہ کاری کے عمل کو رواں دواں رکھتی ہے۔

(v) براہ راست ٹیکس ادا کرنے والے احساس شہریت کا مزا لیتے ہیں اور اپنے وجود کو ملک پر بوجھ نہیں سمجھتے اور ذمہ داری سے اپنے ٹیکس ادا کر کے سرکاری خزانے میں اپنا حصہ ڈالتے ہیں۔

(vi) اس قسم کے ٹیکس قیمتوں کو کنٹرول کرنے میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ افراط زر کے حالات میں ان ٹیکسوں کی شرح میں اضافہ کر کے لوگوں کی قوت خرید کو کم کیا جاتا ہے اور برے حالات میں شرح کم کر کے سرمایہ کاری کو فروغ دیا جاتا ہے۔

(vii) یہ ٹیکس اصول پیداواری کو بھی پورا کرتے ہیں کیونکہ ایسے ٹیکسوں کو اکٹھا کر کے ملک میں سرمایہ کاری کی جاتی ہے اور ملکی پیداواری شعبوں کی پیداواری صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔

براہ راست ٹیکسوں کے نقصانات (Disadvantages of Direct Taxes)

براہ راست ٹیکسوں کی خامیاں درج ذیل ہوتی ہیں۔

(i) براہ راست ٹیکسوں کی مد میں ادا کی جانے والی ادائیگیاں ٹیکس گزاروں کو ناگوار لگتی ہیں کیونکہ وہ ان ٹیکسوں کی ادائیگی کے سبب اپنی آمدنی کے ایک خاص حصہ سے محروم ہو جاتے ہیں۔

(ii) براہ راست ٹیکس دہندگان چونکہ ان ٹیکسوں کو اپنے اوپر بوجھ سمجھتے ہیں اس لیے ان ٹیکسوں سے بچنے کے لیے حیلے بہانے اور جان چھڑانے کے لیے رشوت جیسی لعنت میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ اس سے سرکاری خزانے میں زیادہ رقوم جمع نہیں ہوتیں اور ٹیکس وصول کنندہ اہلکاروں کی جیبوں میں چلی جاتی ہیں۔

(iii) براہ راست ٹیکس کی مد میں جمع کروائی جانے والی رقوم کی مقدار کا انحصار لوگوں کی دیانت داری پر منحصر ہوتا ہے۔ اکثر لوگ اپنی صحیح آمدنی ظاہر نہیں کرتے اور سرکاری خزانے میں زیادہ ٹیکس جمع نہیں ہوتا۔

(iv) براہ راست ٹیکسوں کی ادائیگی سے لوگوں کی آمدنی میں کمی واقع ہو جاتی ہے جس سے مجموعی بچتوں میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور ملک میں سرمایہ کاری کا عمل رُک جاتا ہے۔

(v) یہ ٹیکس سال کے اختتام پر یکمشت جمع کروانے پڑتے ہیں اس لیے ٹیکس گذاروں کو ان کی ادائیگی میں مشکلات پیش آتی ہیں اور وہ ٹیکس جمع کروانے سے بچنے کے لیے محکمہ ٹیکس کے عملے سے ساز باز کر کے ٹیکس کی رقم بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح معاشرے میں بد دیانتی کی فضا پروان چڑھتی ہے۔

بالواسطہ ٹیکسوں کے فائدے (Advantages of Indirect Taxes)

بالواسطہ ٹیکسوں کے درج ذیل فائدے ہوتے ہیں۔

(i) بالواسطہ ٹیکس اشیا کی قیمتوں میں شامل ہوتے ہیں اس لیے ٹیکس دہندوں کو ان کا مزید بوجھ محسوس نہیں ہوتا اور وہ کسی خاص ناگواری یا ناراضگی کا اظہار بھی نہیں کرتے۔

(ii) حکومت کو ایسے ٹیکسوں سے وصولی یقینی ہوتی ہے۔ کیونکہ جب صارفین اشیا خریدتے ہیں تو وہ قیمت کے ساتھ ہی یہ ٹیکس بھی ادا کر دیتے ہیں۔اس لیے ان ٹیکسوں سے بچنا مشکل ہے۔

(iii) بالواسطہ ٹیکس کی ادائیگی کے لیے ٹیکس گذاروں کو دفتری کارروائیوں یا محکمہ کے عملہ سے واسطہ نہیں پڑتا اس لیے وہ کئی پیچیدگیوں سے بچ جاتے ہیں اور سرکاری خزانے میں ٹیکس کی رقوم خود بخود منتقل ہوتی رہتی ہیں۔

(iv) یہ ٹیکس اصول مساوات کی شرط پر پورے اترتے ہیں کیونکہ حکومت اشیائے صارفین پر کم شرح سے ٹیکس عائد کرتی ہے جبکہ اشیائے تعیشات پر بھاری شرح سے ٹیکس عائد کیے جاتے ہیں۔

(v) بالواسطہ ٹیکسوں کا بوجھ معاشرے میں رہنے والے تمام افراد پر پڑ جاتا ہے۔اس لیے کوئی خاص طبقہ یا شخص ان سے براہ راست متاثر نہیں ہوتا۔

(vi) حکومت مضر اشیا مثلاً افیون، سگریٹ وغیرہ کا استعمال روکنے کے لیے بھاری مقدار میں بالواسطہ ٹیکس عائد کر کے ان کے استعمال کو کم کر لیتی ہے۔

(vii) بالواسطہ ٹیکس مالیاتی پالیسی کی کامیابی میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔تفریط زر یا کساد بازاری کے حالات میں لوگوں کی قوت خرید بڑھانے کے لیے حکومت ان ٹیکسوں کی شرح کم کر دیتی ہے اور افراط زر کے حالات میں زر کی مقدار کو کم کرنے کے لیے شرح ٹیکس بڑھا دیتی ہے۔

بالواسطہ ٹیکسوں کے نقصانات (Disadvantages of Indirect Taxes)

بالواسطہ ٹیکسوں کے نقصانات درج ذیل ہوتے ہیں۔

(i) چونکہ یہ ٹیکس تمام اشیا پر ایک ہی شرح سے لگائے جاتے ہیں اس لیے ضرورت کی صرفی اشیا زیادہ تر ملک کے غریب عوام خریدتے ہیں اس لیے ان ٹیکسوں کا زیادہ بوجھ بھی انہیں پر پڑتا ہے اور عوام اس ناانصافی کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں جو بعد میں امن و امان برقرار رکھنے میں مشکلات کا باعث بنتی ہے۔

(ii) آجرین بالواسطہ ٹیکسوں کی مخفی نوعیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے منافع کو بڑھانے کی غرض سے ان ٹیکسوں کو آئے دن اشیا کی قیمتوں میں شامل کرتے رہتے ہیں جس سے عام آدمی کی زندگی پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔اس طرح غریبوں کا استحصال آجرین کا معمول بن جاتا ہے۔

(iii) یہ ٹیکس اصول تیقن کے منافی ہوتے ہیں۔کیونکہ ٹیکس دہندگان کو اس بات کا اندازہ نہیں ہوتا کہ کتنا اور کب ٹیکس اشیا کی قیمتوں میں شامل کر دیا گیا ہے۔اس طرح عوام بے یقینی اور اضطراب کی کیفیت میں رہتے ہیں۔

(iv) بالواسطہ ٹیکس لوگوں میں احساس شہریت پیدا نہیں کرتے۔

(v) چونکہ یہ ٹیکس اشیا کی قیمتوں میں شامل ہوتے ہیں اس لیے جب حکومت اپنی آمدنی بڑھانے کے لیے ان ٹیکسوں کی شرح میں اضافہ کرتی ہے تو ساتھ ہی اشیا کی قیمتیں بھی بڑھ جاتی ہیں اور ملک میں افراطِ زر کے حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔

4.5 پاکستان کے سرکاری نظام محصولات کا تجزیہ
(Analysis of Public Tax Revenues in Pakistan)

پاکستان کے محصولاتی نظام کی چیدہ چیدہ خصوصیات درج ذیل ہیں جن کی بنا پر پاکستان کے سرکاری نظام محصولات کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

(1) محصولاتی آمدنی کا تناسب (Ratio of Tax Revenue)

ہر ملک کی طرح حکومت پاکستان بھی اپنی آمدنی محصولاتی اور غیر محصولاتی ذرائع سے حاصل کرتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق پاکستان کی مرکزی حکومت اپنی آمدنی کا 75.32 فیصد سے زائد ٹیکسوں سے اور باقی ماندہ 24.68 فیصد دیگر ذرائع سے اکٹھا کرتی ہے۔ جبکہ صوبائی حکومتیں اپنی آمدنی کا تقریباً 50 فیصد سے زائد حصہ ٹیکسوں سے حاصل کرتی ہیں۔ کیونکہ سرکاری محصولات میں دیگر ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی کا حصہ بہت کم ہے لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ملکی کاروباری شعبوں کو ترقی دی جائے۔ قدرتی وسائل مثلاً معدنیات، تیل، ایندھن، کوئلے، سوئی گیس، نمک وغیرہ کو استعمال کر کے سرمایہ کاری کے عمل کو تیز کیا جائے تاکہ سرکاری اخراجات میں محصولاتی ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی پر انحصار کم ہو سکے اور معیشت کے تمام شعبوں کو متوازن ترقی کے مواقع فراہم کیے جا سکیں۔

(2) بالواسطہ ٹیکسوں کا تناسب (Ratio of Indirect Taxes)

پاکستان میں براہِ راست (بلاواسطہ) ٹیکسوں کے مقابلے میں بالواسطہ ٹیکسوں کی بھرمار اور کثرت ہے۔ سرکاری آمدنی میں محصولاتی ٹیکس کی مد سے حکومت بالواسطہ ٹیکس سے 68 فی صد اور بلاواسطہ ٹیکس سے 32 فی صد حاصل کرتی ہے۔ پاکستان میں بلاواسطہ ٹیکسوں کے مقابلے میں بالواسطہ ٹیکس زیادہ وصول کیے جاتے ہیں جس کی وجہ سے عام صارفین پر زیادہ بوجھ پڑتا ہے۔ چونکہ بالواسطہ ٹیکس اشیا کی قیمتوں میں شامل ہوتے ہیں اس لیے بالواسطہ ٹیکس نہ صرف قیمتوں کے نظام کو درہم برہم کرتے ہیں بلکہ افراطِ زر کا باعث بھی بنتے ہیں۔ ان کا براہِ راست بوجھ عام صارفین پر پڑتا ہے اور خوشحال طبقہ ان ٹیکسوں سے زیادہ متاثر نہیں ہوتا۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان کے محصولاتی نظام کو اصول مساوات کے تقاضوں کے مطابق ترویج دیا جائے۔

(3) قومی آمدنی میں محصولات کا تناسب (Ratio of Taxes in National Income)

پاکستان میں سرکاری محصولات خام ملکی پیداوار (Gross Domestic Product) کا صرف 16 فی صد مہیا کرتے ہیں جو کہ ایک ترقی پذیر ملک کے لیے ناکافی اور انتہائی کم ہے۔ عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ ترقی پذیر ممالک میں حکومتیں محصولاتی نظام کے ذریعے بچت اور سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ پیداواری صلاحیت کو بڑھا کر قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کو کنٹرول کرتی ہیں اور آمدنی کی مساویانہ تقسیم موثر بناتی ہیں۔ اس بحث کی روشنی میں اگر پاکستان کو پرکھا جائے تو یقیناً حکومت پاکستان کا محصولاتی نظام معیشت کے شعبوں کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے میں ناکام رہا ہے۔ لہٰذا دورِ حاضر کی یہ ضرورت ہے کہ حکومت پاکستان دولت مند طبقہ سے براہِ راست ٹیکس وصول کر کے عوام کی فلاح و بہبود اور معاشی سہولتوں کی فراہمی پر خرچ کرے تاکہ دولت کی مساویانہ تقسیم کے ساتھ ملک سے غربت اور افلاس کا بھی

خاتمہ ہو جائے اور ملک کا محصولاتی نظام زیادہ فعال خطوط پر استوار ہو جائے۔

(4) ٹیکس چوری (Tax Evasion)

پاکستان کے نظامِ محصولات میں ٹیکس چوری ہونا اور لوگوں کا حیلے بہانے بنا کر بچ نکلنا بڑی معمولی بات ہے۔ اس وقت پاکستان میں 191.71 ملین عوام میں سے تقریباً 28 لاکھ افراد ٹیکس دہندہ ہیں اور باقی ٹیکس دہندگان اپنی صحیح آمدنی ظاہر نہیں کرتے بلکہ محکمہ ٹیکس کے عملے سے مل کر کم آمدنی ظاہر کر کے بچ نکلتے ہیں اور معاشرے میں رشوت ستانی کی عادات فروغ پاتی ہیں۔ جس سے سرکاری خزانے کو بڑا نقصان پہنچتا ہے۔ حکومت کی آمدنی کم ہو جاتی ہے اور اسے کھربوں روپوں کا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا ان حالات میں پاکستان کے نظام محصولات کی از سرِ نو اصلاح ضروری امر ہے۔

(5) غیر موثر نظام (Ineffective System)

پاکستان میں ٹیکسوں کا نظام غیر موثر، غیر منصفانہ اور ناقص اقدار پر قائم ہے۔ لوگ ٹیکسوں سے بچنے کے لیے جھوٹ اور بد دیانتی سے کام لیتے ہیں ملک میں امیر اور غریب کا واضح فرق بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ جن لوگوں پر براہ راست ٹیکس عائد کیا جاتا ہے وہ مختلف طریقوں سے یا محکمہ ٹیکس کے عملے سے ساز باز کر کے رشوت کے سہارے ٹیکس سے بچ جاتے ہیں اور پھر حکومت اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے بالواسطہ ٹیکسوں کا سہارا لیتی ہے۔ بالواسطہ ٹیکسوں میں اضافہ سے غریب آدمی پر بوجھ بڑھ جاتا ہے اور معاشرہ عدم توازن کا شکار بن جاتا ہے جرم اور افراتفری کی فضا پروان چڑھتی ہے۔

(6) ٹیکسوں کا تنزیلی نظام (Regressive Tax System)

پاکستان میں براہ راست ٹیکسوں کی وصولی متزائد (Progressive) ٹیکس کے نظام کے تحت کی جاتی ہے جو اصول مساوات کے تمام تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔ یعنی پاکستان میں انکم ٹیکس اور پراپرٹی ٹیکس براہ راست نوعیت کے ہیں۔ جس میں شرح ٹیکس پر آمدنی بڑھنے کے ساتھ بڑھ جاتی ہے اور آمدنی کم ہونے پر کم ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس بالواسطہ (Indirect) ٹیکسوں کا نظام اصول مساوات کے منافی ہے۔ یہ ٹیکس تنزیلی نوعیت کے ہوتے ہیں اور اشیا کی قیمتوں میں شامل ہوتے ہیں۔ اس لیے جب امیر اور غریب لوگ ان اشیا کو خریدتے ہیں تو ان کا بوجھ امیر لوگ کم برداشت کرتے ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان کے بالواسطہ ٹیکس کی بھی نئے سرے سے اصلاح کی جائے۔

(7) اصول سادگی اور لچکداری (Cannon of Simplicity and Elasticity)

پاکستان میں ٹیکس گذار اپنی قابل ٹیکس آمدنی کا تخمینہ لگا کر خود ہی واجب الادا ٹیکس کی ادائیگی کر دیتا ہے اور اسے کسی قسم کی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اسی طرح حکومت پاکستان مختلف طبقات کے ٹیکس ادا کرنے کی صلاحیت میں کمی یا بیشی کے ساتھ شرح ٹیکس میں بھی رد و بدل کرتی رہتی ہے اس طرح اصول سادگی اور لچکداری ملک کے محصولاتی نظام کو تقویت بخشتے ہیں۔

(8) اصول پیداواری (Cannon of Productivity)

حکومت بچتوں کی حوصلہ افزائی اور سرمایہ کاری کو فروغ دینے کے لیے تاجروں اور عوام کو ٹیکس میں رعایت یا چھوٹ دیتی ہے اور

اشیائے تعیشات کی حوصلہ شکنی کے لیے ان پر بھاری ٹیکس عائد کر دیتی ہے۔ اس طرح ملک میں نظام محصولات اصول پیداواری کے مطابق عمل میں لایا جاتا ہے۔

مشقی سوالات

سوال 1: نیچے دیے گئے ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات میں سے دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

1۔ حکومت کی سرکاری آمدنی اور اخراجات میں باہمی تنظیم اور انتظام کو کہتے ہیں۔

(الف) نجی مالیات (ب) صوبائی مالیات

(ج) سرکاری مالیات (د) معاشی مالیات

2۔ نجی مالیات میں ہر فرد کے بجٹ کی میعاد ہوتی ہے۔

(الف) ایک سال (ب) چھ ماہ

(ج) ایک ماہ (د) کوئی میعاد مقرر نہیں

3۔ درج ذیل میں سے کس اصول کے تحت ہر شخص اپنی مالی حیثیت کے مطابق ٹیکس ادا کرتا ہے۔

(الف) اصولِ تیقن (ب) اصولِ مساوات

(ج) اصولِ سادگی (د) اصولِ لچکداری

4۔ ٹیکس عائد کرنے کے لیے پہلے چار اصول کس نے پیش کیے۔

(الف) ریکارڈو (ب) مارشل

(ج) آدم سمتھ (د) کینز

5۔ درج ذیل میں سے کوئی ایک بالواسطہ ٹیکس میں شامل نہیں۔

(الف) انکم ٹیکس (ب) ایکسائز ڈیوٹی

(ج) بکری ٹیکس (د) کسٹم ڈیوٹی

سوال 2: درج ذیل جملوں میں دی گئی خالی جگہیں پُر کریں۔

1۔ ________ ٹیکس ملک میں افراطِ زر کا باعث بنتے ہیں۔

2۔ جب حکومت کی آمدنی اخراجات سے تجاوز کر جائے تو اُسے ________ کی پالیسی اپنانی پڑتی ہے۔

3۔ بلاواسطہ ٹیکسوں کا بوجھ ________ پر پڑتا ہے۔

4۔ پاکستان میں زرعی ٹیکس ________ کی صورت میں وصول کیا جاتا ہے۔

5۔ جو ٹیکس کسی دوسرے شخص پر منتقل نہ کیا جا سکے اسے ________ کہتے ہیں۔

سوال 3: کالم (الف) اور کالم (ب) میں دیے گئے جملوں میں مطابقت پیدا کر کے دُرست جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
براہ راست ٹیکس	نجی مالیات	
فاضل بجٹ	نوٹ چھاپنا	
مخفی آمدنی	انکم ٹیکس	
خسارے کی پالیسی	اخراجات سے آمدنی زیادہ	
اصول تیقن	ایکسائز ڈیوٹی	
	محصولات کا طریقہ	
	آدم سمتھ	

سوال 4: درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے۔

1۔ نجی مالیات سے کیا مراد ہے؟

2۔ سرکاری مالیات سے کیا مراد ہے؟

3۔ خسارے کی پالیسی سے کیا مراد ہے؟

4۔ آدم سمتھ کے بیان کردہ ٹیکس کے اصولوں کے نام لکھیں۔

5۔ براہ راست اور بالواسطہ ٹیکس میں فرق بیان کریں۔

6۔ سرکاری مالیات کے کوئی چار اجزا کے نام لکھیں۔

7۔ ٹیکسوں کی مختلف اقسام کے نام لکھیں۔

8۔ ٹیکسوں کے اصول تنوع سے کیا مراد ہے؟

سوال 5: درج ذیل سوالات کے جوابات تفصیل سے تحریر کریں۔

1۔ نجی اور سرکاری مالیات میں مماثلت اور فرق بیان کریں۔

2۔ سرکاری وصولیاں کس طرح حاصل کی جاتی ہیں؟

3۔ ٹیکس عائد کرنے کے اصول بیان کریں۔

4۔ براہ راست اور بالواسطہ ٹیکسوں میں فرق بیان کریں نیز ان کے فوائد اور نقصانات بھی بیان کریں۔

5۔ متناسب اور متزائد ٹیکسوں میں فرق بیان کریں۔ نیز ان کے فوائد اور نقصانات بھی تحریر کریں۔

6۔ پاکستان کے سرکاری نظام محصولات کا تجزیہ کریں۔

باب 5

بین الاقوامی تجارت
(INTERNATIONAL TRADE)

دورِ حاضر میں دنیا کا کوئی بھی ملک اپنی ضروریات کی تمام اشیا میں خود کفالت حاصل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ قدرت نے ہر ملک کو مختلف نوعیت کے ذرائع اور مخصوص آب وہوا سے نوازا ہے جن کی بنا پر ہر ملک کے افراد اپنی ذہنی، جسمانی، موروثی اور خداداد صلاحیتوں کو استعمال میں لا کر مختلف پیشے اختیار کر کے ان سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں۔ وسائل کے اعتبار سے کئی ممالک عاملین پیدائش کی دستیابی، مہارت اور تخصیصِ کار (Specialization) کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ کچھ ممالک میں زرخیز زمین کے وسیع وعریض رقبے ہیں تو کچھ جدید ٹیکنالوجی اور جدت سازی میں بے پناہ ترقی کی بدولت مشینیں، آلات، کمپیوٹر، جہاز، جنگی ساز وسامان اور انسانی بقا کے لیے ضروری آسائشی حاجات (مثلاً خوراک، لباس، رہائش، سامان، سائیکل، پنکھے وغیرہ) تعیشاتی حاجات (مثلاً کاریں، ائیر کنڈیشنز وغیرہ) بنانے میں مصروف ہیں۔ اس طرح کئی ممالک قدرتی گیس معدنیات اور تیل کی دولت سے مالا مال ہیں پیداواری وسائل کی یہی تقسیم تمام ممالک کو ایک دوسرے سے تجارتی مراسم استوار کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ ایک ملک کے افراد دوسرے ممالک کے افراد کی پیشہ وارانہ صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کر کے تخصیص کار کے اُصولوں کے تحت پیداواری وسائل کا بھرپور استعمال کرتے ہیں جو شے وہ اپنے ملک میں وسائل یا جدید ٹیکنالوجی کے فقدان کے باعث پیدا نہیں کر سکتے انہیں دستیاب ممالک سے منگوا لیتے ہیں جہاں یہ اشیا سستی پیدا ہو رہی ہوں۔ اس طرح تخصیص کار کے اصول سے فائدہ اُٹھا کر ہر ملک نہ صرف اپنے باشندوں کی ضروریات کو پورا کرتا ہے بلکہ فاضل اشیا (Surplus Goods) کو برآمد کر کے دوسرے ممالک سے تخصیصی اشیا حاصل کر کے بہت سی اشیا کے استعمال سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ مختلف ممالک کے درمیان اشیا وخدمات کا یہی لین دین معاشی اصطلاح میں بین الاقوامی تجارت (International Trade) کہلاتا ہے جس کی بنیاد وسائل کی قدرتی وجغرافیائی تقسیم پر ہے۔ موجودہ باب میں ہم بین الاقوامی تجارت کے موضوعات پر بحث کریں گے۔

5.1 ملکی اور بین الاقوامی تجارت (Domestic & International Trade)

ملکی تجارت (Domestic Trade)

کسی ملک کی جغرافیائی حدود کے اندر افراد، اداروں، شہروں، قصبوں اور ملک کے درمیان اشیا وخدمات کا لین دین ملکی تجارت کہلاتا ہے۔ ملکی تجارت میں اشیا وخدمات کے خریدنے اور فروخت کرنے والے ایک ہی ملک کے باشندے ہوتے ہیں جو ضروریات زندگی کے تمام لوازمات کا آپس میں لین دین کرتے ہیں جبکہ ملکی حدود کے اندر اشیا وخدمات کا لین دین بدستور ملکی اثاثوں کا حصہ ہی رہتا ہے۔

بین الاقوامی تجارت (International Trade)

کسی ایک ملک کا دیگر ممالک سے اشیا وخدمات کا لین دین بین الاقوامی تجارت کہلاتا ہے۔ ہر ملک وہ اشیا وخدمات دوسرے ممالک سے منگواتا ہے جو خود پیدا کرنے سے قاصر ہو یا جن کو پیدا کرنے میں نسبتاً زیادہ مصارف پیدائش اُٹھتے ہوں۔ بین الاقوامی تجارت کو بیرونی تجارت یا تجارت خارجہ بھی کہتے ہیں۔ اس تجارت میں اشیا وخدمات کے تبادلے میں خریدار اور فروخت کار مختلف ممالک سے تعلق رکھتے ہیں۔

ملکی اور بین الاقوامی تجارت میں فرق
(Difference Between Domestic and International Trade)

ملکی و بین الاقوامی تجارت کی بنیادی وجہ تخصیص کار (Specialization) اور مصارف پیدائش میں فرق ہے تاہم دونوں میں منافع کا محرک کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن وسائل کی امتیازی تقسیم دونوں قسم کی تجارت کو ایک دوسرے سے درج ذیل نکات پر مختلف کر دیتی ہے۔

1۔ محنت اور سرمایہ کی نقل پذیری (Mobility of Labour and Capital)

ایک ہی ملک کی جغرافیائی حدود کے اندر محنت اور سرمایہ کی نقل پذیری آسان اور لچکدار ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے محنت اور سرمائے کو ان کی استعداد کار کے مطابق حصہ مل جاتا ہے اور وہ کم معاوضے والے علاقوں سے نکل کر ایسے علاقوں میں پہنچ جاتے ہیں جہاں انہیں شرح اُجرت اور شرح سود زیادہ ملتی ہے۔ اس سے نہ صرف مزدوروں اور سرمائے کے معاوضے یکساں ہو جاتے ہیں بلکہ اشیا پیدا کرنے کے اخراجات میں یکسانیت اور منڈی کو استحکام نصیب ہوتا ہے اس کے برعکس بین الاقوامی سطح پر محنت اور سرمائے کی نقل پذیری میں کئی قسم کی رکاوٹیں حائل ہوتی ہیں مثلاً مزدوروں کی زبان، رسم ورواج، مذہبی جذبات، پاسپورٹ (Passport) اور ویزا (Visa) وغیرہ کی کڑی شرائط بھی بیرون ملک کی نقل پذیری میں مشکلات کا سبب بنتی ہیں۔ مزید برآں ملکی قوانین محنت اور سرمائے کی اندرون ملک نقل پذیری پر پابندی عائد نہیں کرتے لیکن محنت اور سرمائے کی دیگر ممالک آزادانہ نقل پذیری پر پابندی عائد کرتے ہیں جس کے باعث محنت اور سرمائے کے معاوضوں کی شرح اُجرت اور شرح سود میں یکسانیت نہیں پائی جاتی اور مختلف ممالک میں اشیا کی قیمتیں مختلف ہوتی ہیں جو بین الاقوامی تجارت کے فروغ کا ذریعہ بنتی ہیں۔

2۔ کرنسیوں کی شرح مبادلہ (Exchange Rate of Currencies)

ملک کے اندر اشیا وخدمات کے لین دین ان کی ادائیگیاں اور وصولیاں ملک میں رائج ایک ہی کرنسی کی صورت میں ہوتی ہیں۔ کیونکہ ایک ہی ملک میں بسنے والے خریدار اور فروخت کار کا تعلق کسی دوسرے ملک سے نہیں ہوتا اس لیے انہیں خرید وفروخت میں ملکی کرنسی ہی قبول کرنا پڑتی ہے۔ لیکن مختلف ممالک میں مختلف نوعیت کی کرنسیاں مثلاً ڈالر، پونڈ، یورو، ریال، رنگٹ، ین، دینار وغیرہ رائج ہوتی ہیں اس لیے اشیا وخدمات کے بین الاقوامی تبادلہ کی صورت میں ملکی کرنسی کو دوسرے ممالک کی کرنسیوں سے تبدیل کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح کرنسیوں کی باہمی شرح مبادلہ (Exchange Rate) کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے بعض اوقات کرنسیوں کے شرح مبادلہ میں اتار چڑھاؤ بین الاقوامی تجارت میں مشکلات کا باعث بنتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی ایک ملک اپنی کرنسی کی قدر کم یا زیادہ کرے تو دوسرے ممالک کی تجارت پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی ملک اپنی کرنسی کی قدر برآمدات بڑھانے کے لیے کم کر دے تو مقابلے میں برآمد کرنے والے ملک کی برآمدی تجارت پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اسے مجبوراً منڈی میں رہنے کے لیے کرنسی کی قدر کم کرنا پڑتی ہے۔

3۔ تجارتی پابندیوں میں فرق (Difference in Trade Restrictions)

کسی ایک ملک کی جغرافیائی حدود کے اندر تجارتی مال کی نقل وحمل پر کوئی خاص تجارتی پابندیاں عائد نہیں ہوتیں بلکہ اشیا وخدمات کو کثرت والے علاقوں سے قلت والے علاقوں کی طرف منتقل کرنے کے لیے حکومت موثر انتظامات کرتی ہے تاکہ عوام کو سہولتوں کی فراہمی

کے ساتھ ساتھ قیمتوں میں بھی استحکام فراہم کیا جا سکے۔ اس کے برعکس بین الاقوامی تجارت کی صورت میں اشیا وخدمات کی نقل وحمل پر کئی پابندیاں اور شرائط عائد ہوتی ہیں مثلاً درآمدی وبرآمدی لائسنس حاصل کرنے پڑتے ہیں، نسبت درآمد و برآمد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تجارتی محصولات ادا کرنے پڑتے ہیں۔ بعض اوقات غیر ممالک میں اپنی اشیا کی مانگ کو موثر بنانے اور اپنی صنعتوں کو ترقی دینے کی غرض سے تامین کی پالیسی (Protection Policy) کے تحت کم قیمت پر بھی اشیا فروخت کی جاتی ہیں جس سے درآمد و برآمد کرنے والے ممالک کے درمیان کرنسی کی قیمتوں میں عدم استحکام کے باعث توازن تجارت پیچیدگی کا شکار بن جاتا ہے مزید برآں مختلف ممالک کی بین الاقوامی تجارت کے سلسلے میں تجارتی پالیسیاں اور ترجیحات مختلف ہوتی ہیں۔

4۔ سرکاری سہولتوں میں فرق (Difference in Government Facilities)

اندرونِ ملک تجارت کے فروغ کے لیے حکومت خریدار اور فروخت کار کو مخصوص قسم کی سہولیات مثلاً ٹیکس میں رعایت، رعایتی قرضے، اعانے (مالی امداد) مہیا کرتی ہے تاکہ ملکی تجارت میں اشیا آزادانہ طور پر ایک علاقے سے دوسرے علاقے تک پہنچ سکیں اور ارزاں قیمتوں پر اشیا دستیاب ہوں۔ اس کے برعکس بین الاقوامی سطح پر اشیا کی لین دین کے سلسلے میں حکومت کی ترجیحات مختلف ممالک کے لیے مختلف ہوتی ہیں جس کے تحت بعض اوقات کوٹہ سسٹم اور فری ٹریڈ جیسی پالیسیاں رواج دے کر تجارتی مراسم مستقل نوعیت پر استوار کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا مختلف ممالک کو مختلف مراعات اور پابندیاں عائد کر کے حکومت اشیا کی پیدائش اور ان کے مصارف پیدائش کو استحکام بخشتی ہے۔ چونکہ ملکی تجارت میں عام طور پر اشیا کی نقل وحمل کے سلسلے میں کسی قسم کے معاہدے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن بین الاقوامی سطح پر مختلف ممالک کے درمیان باقاعدہ تجارتی معاہدے تحریر کیے جاتے ہیں اور تجارتی وفود کے تبادلوں کو موثر بنا کر تجارتی معاہدوں کو فروغ دیا جاتا ہے۔

5۔ ذوق اور معیار میں فرق (Difference in Taste and Standard)

ہر ملک میں بسنے والے باشندوں کا اشیا استعمال کرنے کے سلسلے میں ذوق اور معیار وہاں کے جغرافیائی حالات، رسم و رواج، مذہبی جذبات اور احساسات کا مرہونِ منت ہوتا ہے اسی لیے ملکی سطح پر اشیا کی پیدائش اور تجارت مذکورہ بالا عوامل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے عمل میں لائی جاتی ہے۔ ملک کے اندر پیدا ہونے والی تمام اشیا کی تجارت آزادانہ طور پر غیر مشروط ہوتی ہے۔ لیکن مختلف ممالک سے صرف وہی اشیا درآمد کی جاتی ہیں جو لوگوں کے ذوق اور معیار پر پوری اترتی ہوں۔ اس طرح بین الاقوامی سطح پر مختلف ممالک کے درمیان کئی اشیا تجارتی پابندیوں اور شرائط کا شکار بن جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف ملکوں کے لوگوں کی صلاحیتوں اور آمدنیوں میں فرق بھی معیار زندگی اور ذوق کو بدل دیتا ہے لیکن ملکی سطح پر عام طور پر لوگوں کی صلاحیتیں اور آمدنیاں یکسانیت کا شکار ہوتی ہیں جو معیار زندگی اور ذوق کو بھی متاثر نہیں کرتیں۔

6۔ وسائل کی دستیابی (Availability of Resources)

ہر ملک کو قدرت نے مخصوص وسائل سے نوازا ہے اس لیے کسی ایک ملک کے اندر موجود قدرتی وسائل کے ذخائر ایک جیسی نوعیت کے حامل ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر پاکستان ایک زرعی ملک ہے اس لیے ملکی تجارت کا بیشتر حصہ زرعی پیداوار پر مشتمل ہے اور ملک کے اندر ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں زیادہ تر زرعی پیداوار کا ہی لین دین کیا جاتا ہے۔ اسکے برعکس مختلف ممالک متعدد نوعیت کے قدرتی وسائل سے مالا مال ہیں اس لیے ہر ملک میں مختلف نوعیت کی اشیا پیدا کی جاتی ہیں جو ملکی تجارت کو بین الاقوامی تجارت سے ممتاز کرتی ہیں۔ اکثر

ممالک اپنی ضروریات کی اشیاد یگر ممالک سے منگوا کر تخصیص کار کا فائدہ اٹھاتے ہیں جو کہ ملکی تجارت کی صورت میں زیادہ موثر ثابت نہیں ہوتا۔

بین الاقوامی تجارت کے فائدے اور نقصانات
(Advantages and Disadvantages of International Trade)

بین الاقوامی تجارت موجودہ مشینی اور الیکٹرونک دور کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ کیونکہ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جس کی تمام ضروریات زندگی کی پیدائش پر خود کفالت اور تخصیص کار حاصل ہو اسی لیے بین الاقوامی تجارت دنیا کی تمام معیشتوں پر اپنے مثبت اثرات مرتب کرتی ہے جس کا اندازہ درج ذیل فوائد سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

بین الاقوامی تجارت کے فائدے (Advantages of International Trade)

1۔ ضروری اشیا کا حصول (Availability of Essential Goods)

بین الاقوامی تجارت کی بدولت کوئی ملک وہ اشیا درآمد کر سکتا ہے جو کہ وہاں سرے سے پیدا ہوتی نہیں مثال کے طور پر پاکستان کو جنگی ساز و سامان، جہاز اور کئی مشینی آلات کمپیوٹر وغیرہ بنانے پر دسترس حاصل نہیں۔ اس لیے بین الاقوامی تجارت کے ذریعے ہم اپنی ضرورت کا جنگی ساز و سامان، جہاز، مشینیں وغیرہ دیگر ممالک سے منگوا لیتے ہیں۔ اسی طرح کئی مالک زرعی اجناس کپاس، چاول، گندم وغیرہ پیدا نہیں کرتے لہٰذا وہ یہ اشیا پاکستان سے درآمد کر لیتے ہیں اس طرح تجارت کئی ممالک کی ضروریات کو پورا کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

2۔ سستی اشیا کا حصول (Availability of Cheap Goods)

بین الاقوامی تجارت کی بدولت ہر ملک اپنی ضرورت کی اشیا ارزاں قیمتوں پر منگوا سکتا ہے جہاں یہ اشیا تخصیص کار کے اصول کے تحت کم لاگت پر تیار کی جاتی ہیں اور اس طرح نہ صرف ملکی وسائل ضائع ہونے سے بچ جاتے ہیں بلکہ اعلیٰ کوالٹی کی اشیا کی دستیابی ممکن ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر پاکستان کمپیوٹر، ٹیلی ویژن، کاریں، جہاز وغیرہ ان ممالک سے درآمد کرتا ہے جہاں یہ اشیا سستی پیدا ہوتی ہیں کپاس، چاول، قالین، آلات جراحی، کھیلوں کا سامان وغیرہ دوسرے ممالک پاکستان سے کم قیمت پر درآمد کرتے ہیں۔ اس طرح ساری دنیا کے ممالک بین الاقوامی تجارتی رابطے کی بنیاد پر اشیا سستے داموں درآمد کرتے ہیں اور بین الاقوامی تجارت سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں۔

3۔ تخصیص کار (Specialization)

تخصیص کار کے اُصول کے تحت ہر ملک اپنے پیداواری وسائل صرف اس صورت میں استعمال میں لاتا ہے جب اُسے اشیا کی پیدائش پر کم سے کم لاگت برداشت کرنی پڑے اس طرح نہ صرف قیمتی وسائل ضائع ہونے سے بچ جاتے ہیں بلکہ انہیں متبادل استعمالات میں لا کر کثیر زرمبادلہ کمایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جاپان جاذب سرمایہ (Capital Intensive) اشیا مثلاً مشینری اور دیگر الیکٹرانک اشیا کی تیاری میں خود کفالت رکھتا ہے اور ان اشیا کو دیگر ممالک میں بیچ کر نہ صرف کثیر زرمبادلہ کماتا ہے بلکہ بدلے میں ضرورت زندگی کے سارے لوازمات حاصل کر کے اعلیٰ معیار زندگی سے لطف اندوز ہوتا ہے اور یہ سب بین الاقوامی تجارت کی بدولت اشیا کی پیدائش میں تخصیص کار کی بدولت ممکن ہوتا ہے۔ پیداواری طریقے بہتر ہوتے ہیں روزگار بڑھتا ہے اور ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔

4۔ وسیع پیمانہ پیدائش (Large Scale Production)

بین الاقوامی تجارت کی بدولت اشیا بڑے پیمانہ پر پیدا کی جاتی ہیں تاکہ زیادہ اشیا برآمد کر کے کثیر زرمبادلہ کمایا جا سکے نتیجہ میں کاروباری صنعتوں کا قیام بڑھنا شروع ہو جاتا ہے اور کاروباری اداروں کے اندرونی و بیرونی فوائد مثلاً خرید و فروخت کی کفائتیں، قرضوں کی آسان اقساط پر فراہمی، نقل و حمل کی سستی سہولتیں، ترغیبی اداروں کی خدمات اور دیگر کاروباری معلومات سے استفادہ ہوتا ہے۔ پیداواری عمل کے دوران مصارف پیدائش کفایتوں کے باعث مزید کم ہو جاتے ہیں۔ ملکی کاروبار خوب پھلتا پھولتا ہے اور ملکی صنعتوں کے منافع جات بڑھ جاتے ہیں۔

5۔ فاضل پیداوار کا نکاس (Disposal of Surplus Output)

بین الاقوامی تجارت فاضل پیداوار کے نکاس میں بڑی مددگار اور معاون ثابت ہوتی ہے کیونکہ کوئی بھی ملک اپنی زائد پیداوار کو قلت والے ملک میں برآمد کر کے نہ صرف زرمبادلہ کماتا ہے بلکہ اپنی صنعتوں کو بند ہونے سے بچا کر سرد بازاری کے خطرات سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس طرح معیشتیں پوری طاقت سے پیداواری عمل میں مصروف رہتی ہیں اور بے روزگاری کا مسئلہ بھی درپیش نہیں آتا۔ ملک کی معاشی ترقی کی رفتار بھی تیز تر ہو جاتی ہے۔ فاضل پیداوار کے عدم نکاس کے باعث کوئی بھی ملک اپنی زائد پیداوار کا نکاس نہیں کر سکتا اور نہ زرمبادلہ کما سکتا ہے اس سلسلے میں پاکستان نے کئی مرتبہ اپنی فاضل پیداواریں مثلاً کپاس، چینی وغیرہ برآمد کر کے کثیر مقدار میں زرمبادلہ کمایا جس سے پاکستان کے توازن تجارت میں بہتری آئی۔

6۔ ناگہانی حالات (Unforseen Circumstances)

بین الاقوامی تجارت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کئی ممالک ہنگامی اور برے حالات (مثلاً قحط سالی، مصنوعی قلت، قدرتی آفات، وبائیں، زلزلے، سیلاب وغیرہ) میں دیگر ہمسایہ ممالک سے امداد حاصل کر لیتے ہیں اور برے وقت سے بچ نکلتے ہیں۔ اسی طرح جب کسی ملک پر ناگہانی آفات آ جائیں تو دنیا بھر کے ممالک سے امدادی اشیا اور رقوم وہاں پہنچائی جاتی ہیں تاکہ مصیبت کے وقت میں ایسے ملک کا ساتھ دیا جا سکے۔ بعض اوقات موسمی تبدیلیاں اور بارشوں کے تغیر پذیر معمولات کسی ملک کی پیداواری صلاحیت کو بری طرح متاثر کرتے ہیں جس کے باعث زرعی اجناس کی قلت ہو جاتی ہے ان حالات میں دوسرے ممالک سے اپنی ضروریات کی اشیا کو درآمد کیا جا سکتا ہے۔

7۔ اجارہ داریوں کا خاتمہ (Removal of Monopolies)

بین الاقوامی تجارت کے باعث کاروباری شعبوں میں مقابلہ کی فضا قائم ہو جاتی ہے جس کے باعث ملکی اشیا کی کوالٹی بہتر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور کئی قسم کی اعلیٰ کوالٹی کی اشیا منڈی میں دستیاب ہوتی ہیں۔ کوئی ایک ملک کسی دوسرے ملک میں اجارہ داری قائم نہیں کر سکتا۔ یہی صورت حال اور ممالک کی تجارت پر بھی لاگو ہوتی ہے۔ صنعتوں میں مقابلہ بازی کے باعث اشیا کی قیمتیں مستحکم رہتی ہیں اور اشیا کا معیار بھی گرنے نہیں پاتا۔ معاشرے میں اعلیٰ اقدار فروغ پاتی ہیں، پیداواری ذرائع کو بہتر اور موثر طریقے سے استعمال کیا جاتا ہے۔

8۔ عالمی امن (Global Peace)

بین الاقوامی تجارت نہ صرف عالمی امن برقرار رکھنے کا باعث بنتی ہے بلکہ مختلف ممالک کے درمیان تہذیب وتمدن اور ثقافت کے فروغ کا بھی ذریعہ ہے۔ اکثر ممالک بین الاقوامی تجارت ہی سے دوستانہ تعلقات کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں اسی طرح ایک دوسرے کی تہذیب اور ثقافت بھی لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ بین الاقوامی تجارت کی بدولت مختلف ممالک کے لوگوں کو آپس میں ملنے کا موقع ملتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کی تہذیب اور رہن سہن کو سیکھتے ہیں ان کے معاشی مفادات میں بھی بھائی چارے کی فضا قائم ہوتی ہے اور عالمی سطح پر امن وسلامتی پروان چڑھتی ہے۔

بین الاقوامی تجارت کے نقصانات (Disadvantages of International Trade)

بین الاقوامی تجارت جہاں متعدد فائدے فراہم کرتی ہے وہاں کسی نہ کسی حد تک معیشت میں خرابیاں بھی پیدا کرتی ہے۔ جن سے زیادہ تر پسماندہ ممالک متاثر ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی تجارت کے اہم نقصانات درج ذیل ہے۔

1۔ بیرونی اشیا پر انحصار (Dependence on Foreign Products)

بین الاقوامی تجارت کی بدولت تخصیصِ کار کے اصول کے تحت مخصوص اشیا کی پیدائش پر قومی وسائل بے دریغ خرچ کر دیے جاتے ہیں اور ضرورت کی باقی اشیا کے لیے دوسرے ممالک کا محتاج بننا پڑتا ہے اور اگر کسی وجہ سے بروقت اشیا درآمد نہ کی جا سکیں تو ملک کا پورا نظام بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر پاکستان میں ماسوائے چند مخصوص اشیا کے دیگر اشیا کی پیدائش کے لیے مشینری اور خام مال غیر ممالک سے درآمد کیے جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں خام مال اور مشینری نہ ملنے کی صورت میں تمام پیداواری شعبے بند کرنا پڑتے ہیں۔ بے روزگاری پھیل جاتی ہے اور قومی پیداوار خطرناک حد تک کمی کا شکار ہو جاتی ہے اور ملکی حالات ناسازگار ہو جاتے ہیں۔

2۔ محدود اشیا کی پیدائش میں تخصیص کار (Specialization in a Few Goods)

چونکہ بین الاقوامی تجارت کی بنیاد تخصیص کار کے اصول پر قائم ہے۔ اس لیے ہر ملک اپنے قومی وسائل کو صرف ان اشیا کی تیاری میں استعمال کرتا ہے۔ جن کی پیدائش پر فی اکائی مصارف پیدائش کم برداشت کرنا پڑتے ہوں اور دیگر ضروری اشیا کی پیدائش کو اس لیے پس پشت ڈال دیا جاتا ہے کہ انہیں ایسے ممالک سے درآمد کر لیا جائے جہاں یہ بہت سستی دستیاب ہوں۔ لیکن ایسی پالیسی معاشرتی ترقی اور ملکی حالات پر برے اثرات مرتب کرتی ہے مثلاً اگر کسی وجہ سے تخصیصی شعبوں میں مزدوروں کی ہڑتالوں، خام مال اور مشینری کی عدم دستیابی یا پیداواری یونٹوں میں خرابی پیدا ہو جائے تو پیداواری شعبوں میں پیداوار بند ہو جائے گی۔ بے روزگاری پھیل جائے گی اور ملکی حالات بدامنی اور قلت کا شکار ہو جائیں گے۔ ان حالات میں فوری طور پر غیر ممالک سے امداد بھی ممکن نہیں ہوتی اور ملکی سالمیت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

3۔ ناموافق نسبت درآمد و برآمد (Unfavourable Terms of Trade)

ترقی پذیر ممالک کی زیادہ تر برآمدات زرعی اجناس مثلاً کپاس، چاول، پٹ سن، چائے، گندم، چینی وغیرہ پر مشتمل ہیں جبکہ اس قسم کی اشیا پیدا کرنے والے ممالک کی تعداد بھی زیادہ ہے جس کی وجہ سے عالمی منڈی میں ان ممالک کے درمیان سخت مقابلہ پایا جاتا ہے۔ چونکہ زرعی اجناس کی قیمتوں کے مقابلے میں صنعتی اشیا کی قیمتیں انتہائی بلند ہوتی ہیں اور ترقی پذیر ممالک کو زیادہ قیمت پر اشیا خریدنی پڑتی

ہیں۔اسی طرح عالمی منڈی میں نسبت درآمد و برآمد میں فرق کے باعث ترقی پزیر ممالک کے منافع جات گھٹ جاتے ہیں۔

4۔ خام مال کی منڈیاں (Markets for Raw Materials)

بین الاقوامی تجارت کے فوائد کی بدولت ترقی پذیر ممالک کی صنعتیں پسماندگی کا شکار بنی رہتی ہیں کیونکہ یہ ممالک زرمبادلہ کے حصول کے لیے خام مال دوسرے ممالک کو برآمد کر دیتے ہیں اور ملکی صنعتوں کو چلانے کے لیے خام مال کی قلت پیدا ہو جاتی ہے۔ملکی صنعتیں اپنی ضرورت کی مصنوعات بھی پیدا کرنے سے محروم ہو جاتی ہیں لیکن اس کے برعکس غیر ملکی صنعتیں خوب پھلتی پھولتی ہیں اور ترقی پذیر ممالک صنعتی ممالک کے لیے خام مال کی منڈی بنے رہتے ہیں۔مزید برآں صنعتی ممالک اشیا مہنگے داموں ترقی پذیر ممالک میں فروخت کر کے زرمبادلہ کے ذخائر ہضم کر جاتے ہیں۔

5۔ اسلحہ اور مضر صحت اشیا کی دستیابی

(Availability of Ammunitions and Injurious Goods)

بین الاقوامی تجارت کی وجہ سے اکثر ممالک میں خطرناک اسلحہ اور صحت کو نقصان پہنچانے والی اشیا کی دستیابی ہو جاتی ہے جس سے نہ صرف معاشرتی برائیاں بلکہ انسانی صحت بھی تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔معاشرے میں ڈر اور خوف کی فضا پروان چڑھتی ہے۔شراب، افیون، چرس، ہیروئین جیسی مضر اشیا صحت کو تباہ و برباد کرتی ہے اور معاشرے سے اخلاقی اقدار کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔اخلاقی طور پر ملک بے شمار برائیوں کا گہوارہ بن جاتا ہے۔معاشی ترقی کی رفتار کم ہو جاتی ہے اور ملک خطرناک برائیوں میں اُلجھ کر رہ جاتا ہے۔

6۔ بین الاقوامی معاشی حالات میں اُتار چڑھاؤ (International Economic Fluctuations)

بین الاقوامی تجارت کے باعث تمام ممالک تجارتی و اقتصادی لحاظ سے ایک اکائی کی طرح ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔اس لیے جب بھی تجارتی چکر (Trade Cycle) سرد بازاری کی لپیٹ میں آتے ہیں تو پوری دنیا کے ممالک اس سے متاثر ہوتے ہیں اور یہ عالمی بحران ساری معیشتوں کو پستی کی طرف دھکیل دیتا ہے۔مثال کے طور پر اگر کسی ایک خطے کے معاشی حالات متاثر ہوتے ہیں تو دوسرے خطوں کی معیشتیں بھی متاثر ہوتی ہیں۔یعنی جب تیل پیدا کرنے والے ممالک میں تیل کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے تو تمام ممالک میں تیل کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں اور افراطِ زر معیشتوں کا حصہ بن جاتا ہے۔قیمتیں بڑھ جانے سے لوگوں کی قوت خرید کم ہو جاتی ہے اور معیارِ زندگی پست ہو جاتا ہے۔

7۔ سیاسی غلبہ (Political Dominance)

بعض اوقات چھوٹی معیشتیں بین الاقوامی تجارت کے باعث اپنی سیاسی آزادی بھی کھو بیٹھتی ہیں۔کیونکہ تجارت کرنے والے بڑے ممالک چھوٹے ممالک کی سیاسی صورت حال سے فائدہ اُٹھا کر ان پر قابض ہو جاتے ہیں اور ان ممالک کے قیمتی وسائل اپنے ملک میں منتقل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔اپنے خطرناک ارادوں کی تکمیل کے لیے سیاسی طور پر من مانی کرتے ہیں، قتل و غارت کا بازار گرم کر دیتے ہیں۔لوگوں سے جینے کا حق چھین لیتے ہیں جیسا کہ برصغیر میں انگریز تجارت کے بہانے داخل ہوا اور پھر 99 سال کے لیے برصغیر کے عوام کو اپنا محکوم بنائے رکھا۔اسی طرح آجکل عراق، افغانستان اور کشمیر میں بسنے والے باشندوں کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے وہ سیاسی غلبہ کی زندہ مثال ہے۔

دورِ حاضر میں ترقی یافتہ ممالک دنیا کے غریب اور پسماندہ ممالک کو اپنی اشیا اور تجارتی مال فروخت کرنے کی منڈیاں بنانا چاہتے ہیں تا کہ غریب اقوام ان کے اشاروں پر چلیں، اس لیے دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں ان منڈیوں پر قبضہ کرنے کے لیے آپس میں رقابت اور خودمختاری کی جنگ شروع ہو جاتی ہے اور پھر کئی سالوں تک ان ممالک کو جنگی میدانوں میں تبدیل کر دیا جاتا ہے جس سے غریب ممالک کے پیداواری وسائل ضائع ہو جاتے ہیں۔ بھوک اور افلاس ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ بین الاقوامی تجارت فائدہ پہنچانے کی بجائے وبالِ جان بن جاتی ہے۔

5.2 بین الاقوامی تجارت کا کلاسیکی نظریہ
(Classical Theory of International Trade)

پس منظر (Background)

بین الاقوامی تجارت کے کلاسیکی نظریے کی بنیاد آدم سمتھ (Adam Smith) اور ڈیوڈ ریکارڈو (David Ricardo) نے رکھی اس سلسلے میں آدم سمتھ نے کلی برتری (Absolute Advantage) کا نظریہ پیش کیا جبکہ ڈیوڈ ریکارڈو نے اپنے خیالات کا اظہار تقابلی مصارف (Comparative Cost) کے اصول پر کیا۔ دونوں نظریات کی بنیاد اشیا کی پیداوار میں تخصیص کار (Specialization) حاصل کرنا ہے تا کہ کم قومی وسائل اور افراد کی مہارت استعمال کر کے کم لاگت (Cost) پر کثیر مقدار میں اشیا تیار کی جا سکیں، اور ملکی ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ فاضل پیداوار کو برآمد کر کے منافع کمایا جا سکے۔ ایسی اشیا جن میں وسائل کی قلت کے باعث تخصیص کار ممکن نہ ہو انہیں ایسے ممالک سے درآمد کر لیا جائے جہاں یہ اشیا تخصیص کار کے تحت پیدا کی جاتی ہوں۔ اس طرح تخصیص کار کے اصول پر کی جانے والی درآمدات اور برآمدات کا انتخاب نہ صرف تجارت میں شریک ممالک کی قومی پیداوار میں تنوع کا باعث بنتا ہے بلکہ ان ممالک کو خاطر خواہ منافع بھی حاصل ہوتا ہے۔ ڈیوڈ ریکارڈو نے تخصیص کار کے اصول کی ضرورت اور اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مختلف ممالک کے تخصیص کار کا عمل بین الاقوامی سطح پر محنت کی عدم نقل پذیری اور محنت کی قدر میں فرق کی وجہ سے عمل میں لایا جاتا ہے کیونکہ ایک ملک کے اندر تو مزدوروں کی نقل پذیری پر کوئی پابندی عائد نہیں ہوتی اس لیے ان کی محنت کی قدر اور شرحِ اُجرت میں یکسانیت پائی جاتی ہے لیکن مختلف ممالک میں نقل و حرکت پر پابندیوں کی صورت میں شرحِ اُجرت اور محنت کی قدر مختلف ہوتی ہے جس کی وجہ سے تخصیص کار پیداواری مراحل میں عمل میں لایا جاتا ہے تا کہ اشیا سستی پیدا کر کے تجارت کے فوائد حاصل کیے جا سکیں۔

آدم سمتھ اور ڈیوڈ ریکارڈو نے اپنے نظریات کی وضاحت کے لیے درج ذیل مفروضات قائم کیے۔

i۔ تجارت میں شریک ممالک کے درمیان مکمل مقابلہ کی فضا پائی جاتی ہے۔

ii۔ محنت اور سرمایہ ایک ملک کی حدود کے اندر تو حرکت پذیر ہیں لیکن بین الاقوامی سطح پر عدم نقل پذیری ہے۔

iii۔ تمام مزدوروں کی پیداواری صلاحیتیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔

iv۔ تجارت میں شریک ممالک میں مکمل روزگار پایا جاتا ہے۔

v۔ تجارتی ممالک کے درمیان تجارت آزادانہ ہوتی ہے۔

vi۔ تجارت اور تخصیص کار کے لیے دو ممالک اور دو اشیا زیر بحث لائی جاتی ہیں۔

vii۔ تجارتی اشیا کی نقل و حمل کے اخراجات تجارت کو متاثر نہیں کرتے اور نہ ہی بین الاقوامی تجارت پر کوئی پابندی عائد ہوتی ہے۔

viii۔ اشیا کی پیداوار قانون یکسانی حاصل کے تابع ہوتی ہے۔

ix۔ ہر ملک کی اپنی اپنی کرنسی ہے لیکن شرح تبادلہ میں فرق پایا جاتا ہے۔

مصارف پیدائش کے لحاظ سے کلاسیکی نظریہ
(Classical Theory According to Cost of Production)

بین الاقوامی تجارت کے کلاسیکی نظریہ کو مصارف پیدائش کے لحاظ سے دو صورتوں میں پرکھا جاتا ہے۔

الف۔ کُلی برتری (Absolute Advantage)

ب۔ تقابلی برتری یا تقابلی مصارف (Comparative Advantage or Comparative Cost)

الف۔ کُلی برتری (Absolute Advantage)

کلاسیکی مکتب فکر کے بانی آدم سمتھ نے اپنے تجارتی نظریہ کی بنیاد کلی برتری پر رکھی۔ جس کے تحت دو ممالک کے درمیان تجارت اس لیے فائدہ مند ہوتی ہے کہ تجارت میں شریک دونوں ممالک کو اپنی شے کی پیداوار میں کلی برتری حاصل ہوتی ہے مثال کے طور پر اگر پاکستان سستا چاول پیدا کرے اور بھارت چینی ارزاں قیمتوں پر تیار کرے تو دونوں ملکوں کو اپنی اشیا کی پیدائش میں کُلی برتری حاصل ہوگی۔ اس لیے پاکستان چینی بھارت سے درآمد کرے گا اور بھارت چاول پاکستان سے منگوائے گا جیسا کہ درج ذیل گوشوارہ سے ظاہر ہے۔

ملک	چاول (کوئنٹل)	چینی (کوئنٹل)
پاکستان	20	10
بھارت	10	20

گوشوارے سے واضح ہے کہ پاکستان کو چاول کی پیداوار میں بھارت پر کلی برتری حاصل ہے اور بھارت کو چینی کی پیداوار میں پاکستان پر کلی برتری حاصل ہے۔

تخصیص کار کے تحت اشیا پیدا کرنے اور تجارت کرنے سے دونوں ملکوں کی پیداواری صلاحیت درج ذیل ہوگی:

الف۔ تخصیص کار اور تجارت کرنے کی صورت میں دونوں ملکوں کی پیداوار =40 کوئنٹل چاول+40 کوئنٹل چینی

ب۔ تخصیص کار اور تجارت نہ کرنے کی صورت میں دونوں ملکوں کی پیداوار =30 کوئنٹل چاول+30 کوئنٹل چینی

تجارتی منافع =10 کوئنٹل چاول+10 کوئنٹل چینی

(ب) نظریہ تقابلی برتری یا تقابلی مصارف (Theory of Comparative Advantage or Cost)

تقابلی برتری یا تقابلی مصارف کا نظریہ ڈیوڈ ریکارڈو نے پیش کیا۔ اس نظریہ کے مطابق تجارت میں شریک دونوں ممالک میں سے

اگر ایک ملک دوسرے ملک کے مقابلے میں دونوں اشیا سستی تیار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو پھر بھی اُسے دونوں تیار نہیں کرنی چاہیں بلکہ اُسے دونوں اشیا میں سے اس شے کو پیدا کرنا چاہیے جس سے اُسے نسبتاً زیادہ فائدہ ہو۔ یعنی تقابلی برتری زیادہ حاصل ہو چونکہ دوسرا ملک پہلے ملک کی نسبت دونوں اشیا مہنگی تیار کرتا ہے اس لیے اُسے کم مصارف پیدائش اُٹھنے والی شے پیدا کرنی چاہیے یعنی جس پر تقابلی کمتری کم ہو۔ اس طرح دونوں ممالک آپس میں تجارت کر کے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ ریکارڈو نے نظریہ تقابلی مصارف کی وضاحت درج ذیل الفاظ میں کی ہے۔

"Its benefits a country to specialize in the production of that commodity in which it has greatest comparative advantage or least comparative disadvantage"

"اگر کسی ملک میں دو اشیا پیدا کرنے کے مصارف کم ہوں اور دوسرے ملک میں ان دونوں اشیا کو پیدا کرنے کے مصارف زیادہ ہوں تو پہلا ملک وہ شے پیدا کرے جس میں اُسے تقابلی برتری زیادہ حاصل ہو اور دوسرا ملک کم کمتری والی شے پیدا کرے۔"

تقابلی نظریہ کو معاشی اصطلاح میں بیان کرنے سے پہلے ہم ایک عام فہم مثال سے اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

تقابلی نظریہ کو سمجھنے کے لیے ایک مصروف ماہر ڈاکٹر کی مثال لے لیجیے جو مریضوں کی تشخیص تو خود کرتا ہے لیکن مریضوں کو تشخیص شدہ ادویات دینے کے لیے ملازم رکھ لیتا ہے حالانکہ ڈاکٹر یہ دونوں کام ملازم کی نسبت زیادہ بہتر طریقے سے سرانجام دے سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود خود صرف مریضوں کی تشخیص کرتا ہے اور ادویات دینے کے لیے ملازم رکھ لیتا ہے کیونکہ ڈاکٹر جانتا ہے کہ جو وقت وہ مریضوں کی تشخیص پر صرف کرتا ہے وہ زیادہ آمدن کا ذریعہ ہے اگر وہ اپنے وقت میں سے آدھا وقت کم آمدن والے کام یعنی ادویات تیار کرنے میں صرف کر دیگا تو نقصان ہوگا۔ لہٰذا ڈاکٹر کو مریضوں کی تشخیص میں تقابلی برتری زیادہ حاصل ہے اس لیے ملازم کو تنخواہ دینے کے باوجود ڈاکٹر کو مالی فائدہ رہتا ہے۔

اس نظریہ کی وضاحت ایک فرضی مثال سے کی جاسکتی ہے۔ فرض کریں پاکستان محنت کی ایک اکائی سے 8 کوئنٹل چینی یا 12 کوئنٹل چاول پیدا کرسکتا ہے اور بھارت اتنی ہی محنت سے 10 کوئنٹل چینی یا 20 کوئنٹل چاول پیدا کرسکتا ہے۔ گویا بھارت دونوں اشیا پاکستان کے مقابلہ میں زیادہ سستی پیدا کرسکتا ہے۔

ممالک	چینی (کوئنٹل)	چاول (کوئنٹل)
پاکستان	8	12
بھارت	10	20

اس گوشوارہ کے مطابق پاکستان میں چینی اور چاول کے درمیان لاگت کی نسبت 1:1.5 ہے۔ یعنی جتنی لاگت سے ایک کوئنٹل چینی پیدا ہوتی ہے اتنی ہی لاگت سے 1.5 کوئنٹل چاول پیدا ہوتا ہے۔ جبکہ بھارت میں چینی اور چاول کے درمیان لاگت کی نسبت 2:1 ہے یعنی جتنی لاگت سے ایک کوئنٹل چینی پیدا ہوتی ہے اتنی ہی لاگت سے 2 کوئنٹل چاول پیدا ہوتے ہیں۔ جب کہ پاکستان ایک کوئنٹل چینی چھوڑ کر اس کے بدلے میں 1.5 کوئنٹل چاول پیدا کرسکتا ہے۔

درج بالا بحث کو ہم یوں بھی بیان کرسکتے ہیں کہ پاکستان میں ایک کوئنٹل چینی چھوڑ کر بدلے میں 1.5 کوئنٹل چاول پیدا کیے جا سکتے ہیں جبکہ بھارت میں ایک کوئنٹل چینی کے بدلے میں 2 کوئنٹل چاول پیدا کیے جاسکتے ہیں۔ اس طرح پاکستان کے مقابلے میں بھارت

چاول سستے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لیے بھارت نظریہ تقابلی کے اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے چاول کی پیداوار میں تخصیصِ کار حاصل کرے گا۔ اس طرح پاکستان ایک کوئنٹل چینی کے بدلے میں 1.5 کوئنٹل چاول پیدا کر سکتا ہے۔ چونکہ بھارت 2 کوئنٹل چاول کے بدلے میں ایک کوئنٹل چینی پیدا کر سکتا ہے لہٰذا پاکستان کو بھارت کے مقابلے میں چینی کی پیداوار میں کم تقابلی کمتری حاصل ہے۔

درج بالا مثال سے ثابت ہے کہ اگر چہ بھارت چاول اور چینی دونوں پاکستان کے مقابلے میں سستی پیدا کرتا ہے۔ لیکن بھارت میں چاول پاکستان کے مقابلے میں سستے پیدا ہوتے ہیں۔ دوسری طرف پاکستان چاول اور چینی دونوں بھارت کے مقابلے میں مہنگی پیدا کرتا ہے۔ یعنی پاکستان کو دونوں اشیا کی پیدائش میں کمتری حاصل ہے۔ لیکن پاکستان کو چاول کے مقابلے میں چینی کی پیداوار میں کم نقصان ہے اس لیے پاکستان اس نظریہ کی رو سے چینی کی پیداوار میں تخصیصِ کار حاصل کرے گا۔ اس طرح دونوں ممالک نظریہ تقابلی مصارف یا لاگت کی رو سے تجارت سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

بین الاقوامی تجارت سے فائدہ (Gains from International Trade)

اب دیکھنا یہ ہے کہ تقابلی مصارف کے نظریہ کے تحت تجارت سے کیا فائدہ ہوگا۔ اس مقصد کے لیے ہم ذیل میں دو گوشوارے بناتے ہیں۔ ایک گوشوارہ میں بین الاقوامی تجارت نہ ہونے کی صورت میں دونوں ممالک میں ہونے والی کل پیداوار بیان کی جائیگی اور دوسرے میں تجارت ہونے کی صورت میں دونوں ممالک میں ہونے والی کل پیداوار کا اندازہ لگایا جائے گا۔

تجارت نہ ہونے کی صورت میں کل پیداوار

	چینی		چاول
پاکستان محنت کی دو اکائیاں لگا کر حاصل کرتا ہے:	8 کوئنٹل	+	12 کوئنٹل
بھارت محنت کی دو اکائیاں لگا کر حاصل کرتا ہے:	10 کوئنٹل	+	20 کوئنٹل
مجموعی طور پر 4 اکائیوں کی پیداوار:	18 کوئنٹل	+	32 کوئنٹل

تجارت ہونے کی صورت میں کل پیداوار

	چینی		چاول
پاکستان محنت کی دو اکائیاں لگا کر حاصل کرتا ہے:	16 کوئنٹل	+	--
بھارت محنت کی دو اکائیاں لگا کر حاصل کرتا ہے:	--		40 کوئنٹل
مجموعی طور پر 4 اکائیوں کی پیداوار:	16 کوئنٹل	+	40 کوئنٹل

گویا تجارت ہونے کی صورت میں 8 کوئنٹل چاول زیادہ اور 2 کوئنٹل چینی کم ملے گی۔ ہم جانتے ہیں کہ پیداوار کی نسبت کے اعتبار سے 2 کوئنٹل چینی زیادہ سے زیادہ 4 کوئنٹل چاول کے برابر ہے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ تجارت ہونے کی صورت میں دونوں ملکوں کو مجموعی طور پر 4 کوئنٹل چاول زیادہ ملے گا۔ یہی بین الاقوامی تجارت کا فائدہ (Gain) ہے۔ نظریہ تقابلی مصارف کی وضاحت درج ذیل ڈائیگرام کی مدد سے بھی کی جاسکتی ہے۔

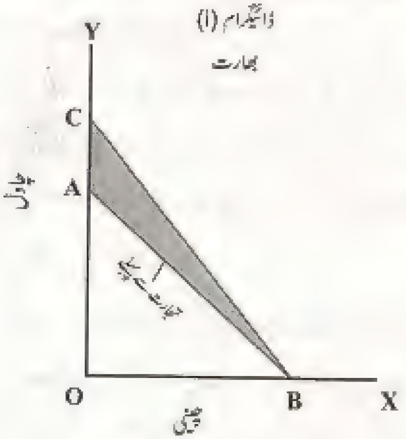

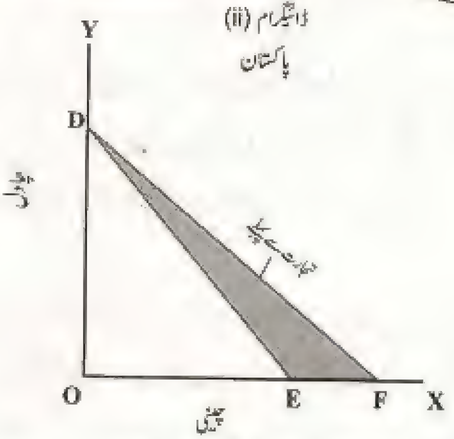

ڈائیگرام (i) میں بھارت کی چاول اور چینی کی پیداواری صلاحیت خط AB سے دکھائی گئی ہے لہٰذا AB خط بھارت کی پیداواری امکان کا خط (Production Possibility Curve) ہے جس کا جھکاؤ (Slope) چاول اور چینی کی نسبتی قیمتوں کا باہمی تناسب ظاہر کر رہا ہے۔ ریکارڈو کے مطابق ان خطوط کے جھکاؤ میں فرق کے باعث ہی شریک ممالک کی تجارت منافع بخش ہو سکتی ہے۔ متذکرہ بحث سے ثابت ہے کہ پاکستان بھارت کو چینی دے کر بھارت سے اسی نسبت سے چاول حاصل کرتا ہے جس کی نسبت سے ان ممالک کے درمیان اشیا کا تبادلہ ممکن ہوتا ہے۔ تقابلی برتری کو ثابت کرنے کے لیے ڈائیگرام (i) میں نقطہ B سے AB خط کے مقابلے میں ایک خط BC کھینچا ہے جو پاکستان اور بھارت کی باہمی تجارت کی نسبت کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح ڈائیگرام (ii) میں نقطہ D سے خط DE کے مقابلے میں ایک خط DF کھینچا گیا ہے جو دونوں ملکوں کے درمیان نسبتی تجارت کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس طرح ڈائیگرام (i) اور (ii) میں دونوں ممالک کے منافع کا مثلث ABC اور DEF سے ہوتا ہے۔

تنقید (Criticism)

نظریہ تقابلی مصارف کو درج ذیل وجوہات کی بنا پر تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔

1۔ بنیادی مفروضہ کمزور ہے

ریکارڈو کے نزدیک کسی شے کی قیمت میں محنت کی اُجرت کلیدی حیثیت رکھتی ہے اور ہر شے کی پیداوار کا دارومدار بھی محنت سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ پیداواری عمل کے دوران چاروں عاملین پیدائش ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں حقیقت میں زیادہ تر اشیا کی پیدائش میں سرمائے اور تنظیم کے معاوضے نسبتاً زیادہ اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔

2۔ محنت کی نقل پذیری کا مفروضہ

اس نظریہ میں فرض کیا گیا ہے اندرونِ ملک مزدور ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں منتقل ہو سکتے ہیں جبکہ بیرون ملک نقل پذیری ممکن نہیں ہوتی۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اندرون ملک کئی وجوہات کی بنا پر مزدوروں کی نقل پذیری کم ہوتی ہے لیکن بہتر روزگار اور جدید ٹیکنالوجی کے حصول کی خاطر اب مزدور مختلف ممالک کا تیزی سے رخ کرتے ہیں۔ اس لیے نقل پذیری کا مفروضہ غلط ثابت ہو جاتا ہے۔

3۔ دو ممالک دو اشیا کی پیداوار

اس نظریہ میں فرض کیا گیا کہ تجارت میں شریک صرف دو ممالک صرف دو اشیا کے لین دین میں مصروف ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کے دور میں کسی ایک ملک کے تجارتی رابطے کئی ممالک سے بیک وقت جاری رہتے ہیں اور تجارتی فوائد حاصل کرنے کے لیے تخصیصی ممالک سے رابطہ تجارتی لین دین کی مجبوری بن چکا ہے۔ اس لیے یہ مفروضہ بھی نظریہ کی اساس کو کمزور کر دیتا ہے۔

4۔ نقل و حمل کے اخراجات

اس نظریہ کے مطابق اشیا کی نقل و حمل پر نہایت معمولی اخراجات برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ چنانچہ تجارتی لین دین کے دوران انہیں نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا کے بہت سے ممالک دیگر ممالک سے تجارتی روابط اور نقل و حمل کے اخراجات میں اضافے کے باعث اشیا منگوانا بند کر دیتے ہیں۔ دوسری طرف نقل و حمل کے اخراجات آج کے دور میں مصارفِ پیدائش کا لازمی حصہ بن چکے ہیں۔

5۔ مکمل مقابلہ اور کامل روزگار کی شرائط

اس نظریہ میں فرض کیا گیا ہے کہ اشیا اور محنت کی منڈیوں میں مکمل مقابلہ پایا جاتا ہے جو کہ کسی بھی صورت میں ممکن نہیں کیونکہ ہر ملک کی منڈی کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ کامل روزگار کی سطح بھی حقیقی دنیا میں ممکن نہیں کیونکہ معیشتوں کے معاشی عدم استحکام روزگار کی سطح کو ٹھہراؤ نصیب ہی نہیں ہونے دیتے اور معیشتوں میں افراطِ زر اور تفریطِ زر کا مسئلہ درپیش رہتا ہے۔

6۔ خدمات (Services) کی اہمیت

اس نظریہ میں صرف اشیا کی تجارت پر زور دیا گیا ہے اور انسانی زندگی کے ایک اور اہم پہلو خدمات کے شعبے کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ موجودہ دور میں خدمات سے حاصل ہونے والا زرِ مبادلہ ملک کی مجموعی تجارت کا نمایاں حصہ ہوتا ہے اس لیے خدمت کی اہمیت کو کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

7۔ آزاد تجارت

اس نظریہ کے مطابق دو ملکوں کے درمیان تجارت پر کوئی پابندی عائد نہیں ہوتی۔ لیکن حقیقت میں کوئی ایسا ملک نہیں جو آزادانہ دوسرے ممالک کے ساتھ تجارت کر سکے۔ کیونکہ اشیا کی درآمد و برآمد پر کئی قسم کی پابندیاں اور ٹیکس عائد ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ غیر ضروری اشیا و خدمات پر کئی قسم کی حد بندیاں بھی عائد ہوتی ہیں۔

8۔ مزدوروں کی استعداد کار

تقابلی مصارف کے نظریہ میں فرض کیا گیا ہے کہ تمام مزدوروں کی استعداد کار ایک جیسی ہوتی ہے حالانکہ ایسا ممکن نہیں کیونکہ ہر مزدور ذہنی قابلیت، صلاحیت، تجربہ اور تعلیمی ہنر کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ اس لیے یہ مفروضہ غیر حقیقی اور مبہم بنیادوں پر قائم ہے۔ اس کے علاوہ مزدوروں کے ذوق و شوق بھی بدلتے رہتے ہیں جو نظریہ کے مفروضات کو غلط ثابت کر دیتے ہیں۔

5.3 توازن تجارت اور توازن ادائیگیاں
(Balance of Trade & Balance of Payments)

توازن تجارت میں صرف مرئی اشیا (Visible goods) کی درآمدت و برآمدت کو مدِنظر رکھا جاتا ہے۔ اس لیے کسی ملک میں

سال بھر کے دوران اشیا (یعنی جو چیزیں نظر آئیں اور مخصوص حجم رکھیں) کی درآمد و برآمد کے توازن کو توازنِ تجارت کہتے ہیں۔

اگر سال بھر کے دوران مرئی اشیا کی درآمدات برآمدات سے تجاوز کر جائیں تو ملک غیر موافق توازن تجارت کا شکار بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر مرئی اشیا کی برآمدات درآمدات سے زیادہ ہوں تو معیشت کا توازن تجارت فاضل ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ توازن تجارت میں غیر مرئی اشیا (Invisible goods) شامل نہیں ہوتیں اسی لیے توازنِ تجارت ملکی تجارت کے صحیح اعداد و شمار کی عکاسی نہیں کرتا۔

توازنِ ادائیگیاں (Balance of Payments)

توازن ادائیگی میں مرئی اور غیر مرئی دونوں اشیا کی درآمد و برآمد شامل ہوتی ہے۔ اس لیے کسی ملک میں سال بھر کے دوران تجارت کی جانے والی مرئی و غیر مرئی اشیا سے حاصل ہونے والی رقوم کے توازن کو توازن ادائیگی کہتے ہیں۔ توازن تجارت کی طرح توازن ادائیگی بھی موافق اور غیر موافق ہو سکتا ہے۔ متذکرہ بالا بحث سے پتہ چلتا ہے کہ توازن تجارت توازنِ ادائیگی کا حصہ ہوتا ہے۔ اس لیے دیگر ممالک کے ساتھ معاشی لین دین کا مکمل اور جامع ریکارڈ (Record) توازن ادائیگی کہلاتا ہے۔

پروفیسر کنڈل برگر (Prof. Kindle Berger) نے توازن ادائیگی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

" The Balance of Payments of a country is a comprehensive record of all economic transactions between the residents of the reporting country and residents of foreign countries."

"اس سے مراد تمام معاشی لین دین کا باقاعدہ ریکارڈ ہے جو ایک ملک کے باشندوں کا دوسرے ممالک کے باشندوں کے درمیان ہوتا ہے۔"

پروفیسر سموئیل سن (Samuelson) کے نزدیک:

"وہ تمام معاشی لین دین جن کے باعث غیر ملکی زرمبادلہ خرچ ہوتا یا حاصل ہوتا ہے توازنِ ادائیگی کہلاتا ہے۔"

لہٰذا توازن ادائیگی میں درج ذیل دونوں مرئی اور غیر مرئی اشیا شامل ہوتی ہیں۔

الف۔ مرئی اشیا مثلاً مشینیں، آلات، سائیکل، فرنیچر، گندم اور پھل وغیرہ۔

ب۔ غیر مرئی اشیا عام طور پر خدمات وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

i۔ بین الاقوامی جہاز ران کمپنیوں، بیمہ کمپنیوں کے منافع جات

ii۔ سیر و تفریح اور تعلیم پر اُٹھنے والے اخراجات

iii۔ غیر ملکی قرضہ جات پر سود کی ادائیگی

iv۔ سیاسی و مذہبی اُمور پر اُٹھنے والے اخراجات

v۔ پاکستانی افرادی قوت کی منتقل کردہ رقوم

vi۔ ڈاک، فیکس پر اُٹھنے والے اخراجات

بین الاقوامی زری فنڈ (IMF) کے مطابق کسی ملک کے توازن ادائیگی کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(الف) حساب رواں (Current Account)

(ب) حساب سرمایہ (Capital Account)

حساب رواں میں سال بھر کے دوران اشیا و خدمات کے لین دین کو شامل کیا جاتا ہے جس میں رواں سال کے دوران برآمدی وصولیاں اور درآمدی ادائیگیاں شمار کی جاتی ہیں۔ حساب رواں میں درج ذیل رقوم شامل ہوتی ہیں۔

(i) مرئی اشیا کی درآمدات و برآمدات

(ii) غیر مرئی اشیا کی درآمدات و برآمدات

(iii) نقل وحمل کے اخراجات

(iv) سامانِ جنگ کی خرید وفروخت

(v) تحائف، گرانٹ وغیرہ

حساب سرمایہ میں سال بھر کے دوران سرمائے کی اندرون ملک حرکت اور بیرون ملک انخلا شامل ہوتا ہے۔ یاد رہے اگر کسی وجہ سے رواں حساب میں خسارہ پیدا ہو جائے تو انہیں حساب سرمایہ سے پورا کیا جاتا ہے۔ حساب سرمایہ میں درج ذیل رقوم شامل ہوتی ہیں۔

(I) غیر ملکی قرضے

(II) غیر ملکی گرانٹ، گفٹ، امداد وغیرہ

(iii) غیر ملکی سرمایہ کاری وغیرہ

5.4 گلوبلائزیشن (عالمگیریت) (Globalization)

جب متعدد ممالک بین الاقوامی تجارت کے ذریعے ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں تو وہ عالمگیر معیشت کا حصہ بن جاتے ہیں۔ ایسے اتحاد میں ان ممالک کے مفادات اور ذمہ داریاں مشترک نوعیت کی ہوتی ہیں اور تمام ممالک مل کر معاشی ترقی کی دوڑ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ان ممالک کے کاروباری معاملات احسن طریقوں سے طے پاتے ہیں، اگر دنیا کے کسی ایک خطے میں کوئی فیصلہ کیا جاتا ہے تو دنیا کے باقی ماندہ خطے اس فیصلے سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کاروباری فیصلے انفرادیت کی بجائے اجتماعی ممالک کی رائے سے طے پاتے ہیں اور پیداواری شعبوں کی کارکردگی پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

گلوبلائزیشن کے فائدے (Advantages of Globalization)

(i) دنیا کی معیشت کو ٹیکنالوجی کے استعمال کا موقع ملتا ہے۔

(ii) بین الاقوامی تجارت کے سلسلے میں نقل وحمل کے اخراجات کم ہو جاتے ہیں۔

(iii) غیر ملکی اجارہ داریوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

(iv) آزادانہ تجارت فروغ پاتی ہے اور اشیا کی قیمتیں مستحکم رہتی ہیں۔

(v) صارفین کے ذوق اور معیار میں بہتری آتی ہے اور معیارِ زندگی بلند ہو جاتا ہے۔

(vi) اشیا کی کوالٹی میں ہنر اور مقابلے کی فضا قائم ہوتی ہے۔

(vii) بڑے پیمانے پر تخصیصِ کار کے بھرپور فائدے حاصل کیے جاتے ہیں۔
(viii) مختلف ممالک کے باشندوں کو ایک دوسرے کے رہن سہن سے واقفیت ملتی ہے اور بھائی چارے کی فضا قائم ہوتی ہے۔
(ix) تحقیق، تجربہ اور علمی میدان میں نت نئی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔
(x) جدت طرازی کے باعث ترقیاتی کام تیز ہو جاتے ہیں۔

5.5 کثیرالملکی کارپوریشنز (Multi-National Corporations)

موجودہ دور میں ترقی پذیر ممالک کی بدحالی کو دُور کرنے میں ٹیکنالوجی کا اہم کردار ہے اور ٹیکنالوجی کی منتقلی میں کثیرالملکی کارپوریشنز کا بڑا عمل دخل ہے۔ یہ کارپوریشنز ترقی پذیر ممالک میں اپنے ذیلی ادارے کھول کر میزبان ملکوں کو اپنا کاروبار چلانے کی اجازت دیتی ہیں جس کی وجہ سے علم، فنون، مہارت اور آجرانہ مہارت غیر ممالک میں منتقل ہوتی ہے۔ عام طور پر کثیرالملکی کارپوریشنز کا ترقی پذیر ممالک کی طرف رجحان ٹیرف (Tariff) کی پابندیاں عائد کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کارپوریشنز کی برآمدات میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ نتیجہ کے طور پر یہ کارپوریشنز اشیا برآمد کرنے کی بجائے دوسرے ممالک میں جا کر سرمایہ کاری کرنے کو ترجیح دیتی ہیں جس سے ان کے منافع جات بڑھ جاتے ہیں۔ کثیرالملکی کارپوریشنز کے قیام سے ترقی پذیر ممالک میں درج ذیل فوائد حاصل کیے جاتے ہیں۔

(i) ترقی پذیر ممالک میں جدید ٹیکنالوجی منتقل ہوتی ہے۔
(ii) میزبان ممالک کی پیداواری صلاحیتیں بڑھ جاتی ہیں اور اشیا کا معیار بہتر ہو جاتا ہے۔
(iii) مزدوروں کی اُجرتیں اور تنخواہیں بڑھ جاتی ہیں اور معیارِ زندگی بلند ہو جاتا ہے۔
(iv) بے روزگاری کم ہو جاتی ہے اور گروہی تنظیموں کے فسادات کی شرح کم ہو جاتی ہے۔
(v) ان کارپوریشنز کی وجہ سے ملک میں مقابلے کے حالات پیدا ہوتے ہیں۔
(vi) مزدوروں کی استعدادِ کار میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ان کی قوتِ خرید بڑھ جاتی ہے۔
(vii) اشیا کی پیدائش پر مصارفِ پیداوار گھٹ جاتے ہیں اور پیداوار بڑھ جاتی ہے۔
(viii) ملکی معیشت کے تمام شعبے غیر ملکی سرمایہ کاری سے مستفید ہوتے ہیں۔
(ix) ضروریاتِ زندگی کم قیمت پر دستیاب ہوتی ہیں۔

نقصانات (Disadvantages)

(i) ترقی پذیر ممالک میں مغربی طرزِ زندگی کو ہوا ملتی ہے اور معاشرے میں اخلاقی برائیاں جنم لیتی ہیں۔
(ii) یہ کارپوریشنز اثر و رسوخ کی وجہ سے ملکی ٹیکس اور دیگر سرچارجز ادا نہیں کرتیں۔
(iii) ملکی وسائل کا بے جا استعمال مستقبل میں مشکلات پیدا کر سکتا ہے۔
(iv) اشیا کی قیمتیں زیادہ وصول کرتی ہیں جس سے صارفین کو نقصان پہنچتا ہے۔
(v) ملک میں نئی صنعتوں کے قیام کو جمود لگ جاتا ہے اور نئی صنعتیں قائم ہونا بند ہو جاتی ہیں۔

(vi) ملکی وسائل کو غیر ممالک منتقل کر دیا جاتا ہے اور میزبان ملک کو خام مال کی منڈی سمجھا جاتا ہے۔

(vii) حکومت کو ٹیکس یا رائلٹی وغیرہ ادا نہیں کی جاتی۔

(viii) کاروبار میں اجارہ داری قائم کر کے ملکی معیشت کو نقصان پہنچایا جاتا ہے۔

(ix) منافع کا بیشتر حصہ بیرون ملک منتقل ہو جاتا ہے۔

(x) غیر ملکی سرمایہ کاروں کی موجودگی میزبان ملکوں کے سرمایہ کاروں کے لیے خطرہ ثابت ہوتی ہے اور وہ کاروباری میدان میں اُترنے سے گھبراتے ہیں۔

5.6 ٹرانس نیشنل کارپوریشنز (Transnational Corporations)

یہ کارپوریشنز کثیر المملکتی کارپوریشنز کے بارے میں معلومات اکٹھا کرتی ہیں ان کی حیثیت حکومت کے نمائندہ ادارے کی مانند ہوتی ہے۔ان کارپوریشنز کے اہم فرائض درج ذیل ہوتے ہیں:

1- یہ کارپوریشنز حکومت کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ مقامی طور پر پیدا ہونے والے خام مال کو استعمال کریں۔اس طرح ملکی سطح پر ٹرانسفر پرائسنگ (Transfer Pricing) اور بیرونی زرمبادلہ میں کفایت ہوتی ہیں۔

2- یہ تجویز کرتی ہیں کہ انہی کارپوریشنز کو کاروبار کرنے کی اجازت دی جائے جو درآمدات کے بدل تیار کریں اور برآمدات کو بڑھانے میں مددگار ہوں۔

3- ان کارپوریشنز کے مطابق کثیر المملکتی کارپوریشنز کو اس بات کا پابند بنایا جائے کہ وہ موثر تامین کی پالیسی کے تحت اشیا پیدا کریں۔

4- حکومت صرف ان کارپوریشنز کو منافع جات باہر لے جانے کی اجازت دے، جو اپنے بقایا جات، ٹیکس، ڈیوٹیاں وغیرہ ادا کردیں۔

5- وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ فروخت کار کثیر المملکتی کارپوریشنز سے کاروباری حقوق ملکی تحویل میں لے لیے جائیں اور انہیں صرف اشیا کی فیئر پرائس ادا کی جائیں۔

5.7 عالمی تجارتی ادارہ (World Trade Organization)

عالمی تجارتی ادارے (WTO) کے قیام کا مقصد مختلف ممالک کے درمیان تجارتی قوائد و ضوابط کو نافذ العمل کروانا اور بحیثیت عالمی ادارے کے اپنے فرائض سرانجام دینا ہے۔اس ادارے کا قیام یکم جنوری 1995 کو عمل میں آیا جس میں تقریباً دنیا کے 148 ممالک شامل ہیں۔

اس ادارے کا وجود بین الاقوامی کارپوریشنز کے بے لگام ادارے کو کنٹرول کرنے کے لیے عمل میں لایا گیا تاکہ تجارتی معاملات میں (General Agreement on Tariffs and Trade) طرز کا ایک عالمی ادارہ قائم کیا جائے جو بین الاقوامی تجارت ، سرمایہ کاری اور ملکی قوانین کو بہتر کر سکے۔اس ادارے کے اہم فرائض درج ذیل ہیں:

(i) مختلف ممالک کے مابین تجارتی معاہدوں اور نسبت درآمد و برآمد کو موثر بنانا۔

(ii) ادارے میں شریک ممالک کو بحث کے لیے مواقع فراہم کرنا۔
(iii) تجارت میں شریک ممالک کے باہمی اختلافات دُور کرنا۔
(iv) بین الاقوامی تجارتی پالیسیوں کی پاسداری کرنا۔
(v) تجارت میں شامل ممالک کو ٹیکنالوجی اور فنی تربیت فراہم کرنا۔
(vi) تجارتی میدان میں موجود دیگر بین الاقوامی اداروں کے ساتھ مل کر تجارت کو فروغ دینا۔

عالمی تجارتی ادارے کے فوائد (Advantages)

عالمی تجارتی ادارے کے فوائد درج ذیل ہیں:

(i) عالمی تجارتی ادارہ تجارتی ممالک کے درمیان امن اور سلامتی کا ضامن بنتا ہے جس سے تجارت فروغ پاتی ہے۔
(ii) تجارت میں شریک ممالک کے درمیان تجارتی اختلافات اور جھگڑوں کو پُرامن طریقے سے حل کر کے ترقی کی راہ ہموار کرتا ہے۔
(iii) تجارت میں شریک ممالک کو اشیا کی بین الاقوامی نقل وحمل پر ہر قسم کے ٹیکس، کوٹے سے آزادی مل جاتی ہے۔
(iv) تجارتی ممالک میں اچھی کوالٹی کی اشیا دستیاب ہوتی ہیں جن میں انتخاب کی سہولت بھی مل جاتی ہے۔
(v) اس ادارے کے قیام سے تجارتی ممالک میں لوگوں کی آمدنیاں بڑھ جاتی ہیں اور معیارِ زندگی بلند ہو جاتا ہے۔
(vi) تجارتی معاملات میں فروغ مختلف ممالک کے لیے معاشی ترقی کا ذریعہ بنتا ہے۔
(vii) ضروریاتِ زندگی کے لوازمات سستے اور ارزاں قیمتوں پر دستیاب ہو جاتے ہیں جس سے زندگی کے معاملات میں آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔
(viii) تجارتی پالیسیوں کو بہتر بنا کر تجارت کے لیے بہتر مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔
(ix) طاقت ور ممالک کی اجارہ داریوں کو ختم کر کے متوازن ترقی کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔
(x) ترقی پذیر ممالک کی تجارت کو تقویت ملتی ہے۔

عالمی تجارتی ادارے کے نقصانات (Disadvantages)

اس ادارے کے نقصانات درج ذیل ہیں:

(i) یہ ادارہ تجارت میں شریک ممالک کو اپنی پالیسیاں اپنانے پر مجبور کرتا ہے جس سے بسا اوقات معاشی حالات بگڑ جاتے ہیں۔
(ii) تجارتی اشیا پر ٹیکس ختم ہونے سے ملکی زرِ مبادلہ کے ذخائر کم ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔
(iii) ملکی ذرائع کا غلط استعمال کیا جاتا ہے جس سے ملکی ترقی کی رفتار سست ہو جاتی ہے۔
(iv) نئی صنعتوں کے قیام میں رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ غیر ملکی اشیا کی موجودگی میں سرمایہ کاری رک جاتی ہے۔

مشقی سوالات

سوال 1: نیچے دیئے گئے ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات میں سے دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

(1) کسی ملک کی جغرافیائی حدود کے اندر اشیاو خدمات کی نقل و حرکت کیا کہلاتی ہے؟

(ا) بین الاقوامی تجارت (ب) ملکی تجارت

(ج) علاقائی تجارت (د) عالمی تجارت

(2) بین الاقوامی تجارت کی بنیادی وجہ کیا ہے؟

(ا) تخصیص کار (ب) منافع جات

(ج) اشیاو خدمات کی پیداوار (د) باہمی تعاون

(3) کلی برتری کا نظریہ بین الاقوامی تجارت کس نے پیش کیا؟

(ا) مارشل (ب) آدم سمتھ

(ج) ڈیوڈ ریکارڈو (د) کینز

(4) غیر ملکی تجارت میں کونسی شے نقل پذیر نہیں ہوگی؟

(ا) محنت (ب) زمین

(ج) اشیاو خدمات (د) سرمایہ

(5) عالمی تجارتی ادارے کا نام کیا ہے؟

(ا) IMF (ب) GATT

(ج) World Bank (د) WTO

سوال 2: درج ذیل جملوں میں دی گئی خالی جگہیں پُر کریں۔

1- کسی ایک ملک کا دیگر ممالک سے اشیاو خدمات کا لین دین ۔۔۔۔ کہلاتا ہے۔

2- ایک ہی ملک میں محنت اور سرمایہ کی نقل پذیری ۔۔۔۔ ہوتی ہے۔

3- بین الاقوامی تجارت کا تقابلی مصارف کا نظریہ ۔۔۔۔ نے پیش کیا۔

4- توازنِ تجارت میں صرف ۔۔۔۔ اشیا شامل ہوتی ہے۔

5- پاکستان کا ادائیگیوں کا توازن اکثر ۔۔۔۔ میں رہتا ہے۔

سوال 3: کالم (الف) اور کالم (ب) میں دیئے گئے جملوں میں مطابقت پیدا کر کے دُرست جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
غیر مرئی اشیا	وسائل کی تقسیم	
بین الاقوامی تجارت	ملکی تجارت	
علاقائی تجارت	تامین کی پالیسی	
تخصیص کار	خدمات	
ملکی صنعتوں کا تحفظ	مصارفِ پیدائش میں کمی	
	مختلف ممالک کے درمیان تجارت	
	آزادانہ تجارت	
	مشینیں، آلات وغیرہ	

سوال 4: درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے۔

(i) بین الاقوامی تجارت سے کیا مراد ہے؟

(ii) ملکی تجارت کی تعریف لکھیں؟

(iii) حسابِ رواں اور حسابِ سرمایہ میں فرق بیان کریں؟

(iv) یکساں مبادلہ سے کیا مراد ہے؟

(v) تقابلی برتری سے کیا مراد ہے؟

(vi) توازنِ ادائیگی سے کیا مراد ہے؟

سوال 5: درج ذیل سوالات کے جوابات تفصیل سے تحریر کریں۔

(i) بین الاقوامی اور ملکی تجارت میں فرق بیان کیجئے؟

(ii) بین الاقوامی تجارت کے فائدے اور نقصانات بیان کریں؟

(iii) کلاسیکی نظریہ بین الاقوامی تجارت بیان کیجئے؟

(iv) توازنِ تجارت اور توازنِ ادائیگی میں فرق بیان کیجئے؟

(v) درج ذیل کو تفصیل سے بیان کریں۔

(الف) کثیر الملکتی کارپوریشنز (ب) عالمی تجارتی ادارہ

باب 6

پاکستان کی معیشت کا تعارف
(INTRODUCTION OF PAKISTAN'S ECONOMY)

14 اگست 1947 کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔ جغرافیائی لحاظ سے پاکستان دو حصوں مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان پر مشتمل تھا۔ دونوں حصوں کے درمیان تقریباً ایک ہزار میل کا فاصلہ تھا۔ مشرقی پاکستان میں پٹ سن کی بہترین فصل پیدا ہوتی تھی اور مغربی پاکستان گندم، چاول اور کپاس کی پیداوار کے لیے مشہور تھا لیکن ملک کے دونوں حصوں کی صنعتی بنیاد بہت کمزور تھی، متحدہ ہندوستان کے کل 921 صنعتی یونٹوں میں سے صرف 34 صنعتی یونٹ پاکستان کے حصے میں آئے۔

پاکستان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس میں وسیع میدان ہیں۔ بلند و بالا پہاڑ ہیں۔ دریا پہاڑوں سے اترتے ہیں اور میدانی علاقوں کو سیراب کرتے ہیں اور ہر طرف سبزہ بکھیرتے، فصلوں کے لیے پانی مہیا کرتے سمندر میں جا گرتے ہیں۔ ملک کے دُور دراز علاقوں خصوصاً میدانی علاقوں میں نہروں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ پانی کو ذخیرہ کرنے، بجلی پیدا کرنے اور نہری نظام کو پانی فراہم کرنے کے لیے بڑے بڑے ڈیم ہیں۔ دنیا کے بہترین چاول پیدا کرنے والے، کپاس کا سونا اُگلتے، گنے کی پیداوار سے رونق بخشتے اور دنیا کے بہترین مزے والے پھل پیدا کرتے میدانی علاقے ہیں جو کہ نہ صرف ملکی ضروریات کے پیش نظر پیداوار فراہم کرتے ہیں بلکہ بیرون ملک برآمدات کے لیے خام اشیا اور تیار شدہ مال فراہم کرتے ہیں۔

سب سے بڑھ کر پاکستان کے محنتی اور جفاکش لوگ ہیں جو کھیتوں میں کام کرتے، پہاڑوں کا سینہ چیرتے، صنعتی میدان میں اپنی محنت سے پیداوار حاصل کرتے، بیرون ملک جا کر اپنے خاندان اور اپنے وطن عزیز کے لیے زرمبادلہ کماتے اور ملک میں بھجواتے ہیں۔ ان سے بھی بڑھ کر پاکستان کا سرمایہ نوجوانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جو کہ اپنے وطن کو عظیم سے عظیم تر بناتے ہیں۔

6.1 پاکستان کی معیشت کے مختلف شعبوں کا تعارف
(Introduction to Different Sectors of Pakistan's Economy)

پاکستان کی معیشت کے شعبوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

(1) زراعت (Agriculture)

پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے۔ پاکستان کی تقریباً 61 فی صد آبادی دیہات میں آباد ہے۔ جس کا کسی نہ کسی طرح زراعت کے شعبہ کے ساتھ تعلق ہے۔ اس میں سے تقریباً 43.5 فی صد کا تعلق زراعت کے شعبہ سے ہے۔ پاکستان کا کل رقبہ 79.6 ملین ہیکٹر ہے۔ اس کا صرف 25.2 فی صد قابل کاشت ہے۔ 10 فی صد نیم کاشت شدہ ہے جبکہ تقریباً 3.5 فی صد رقبہ پر جنگلات ہیں، یوں کل 39.8 فی صد رقبہ کسی نہ کسی صورت میں کاشت ہو رہا ہے، باقی 60.2 فی صد صحراؤں اور پہاڑوں پر مشتمل ہے۔

پاکستان کی خام قومی پیداوار (GDP) کا 20.9 فی صد زراعت سے حاصل ہوتا ہے۔ پاکستان کے زرمبادلہ کا تقریباً 65 فی صد

زراعت اور زراعت سے وابستہ صنعتوں سے حاصل ہوتا ہے۔ زراعت ہماری صنعتوں کے لیے خام مال فراہم کرتی ہے۔ پاکستان کی سب سے بڑی صنعت ٹیکسٹائل ہے، جس کا انحصار زراعت پر ہے۔

سال 15-2014 میں زرعی شعبہ میں شرح نمو (Growth Rate) 2.9 فیصد رہی۔ کپاس کی کل پیداوار 13.983 ملین گانٹھ رہی، جبکہ گندم کی پیداوار 24.478 ملین ٹن ہوئی۔ زراعت کی پیداوار کا 25.6 فی صد بڑی فصلوں کپاس، گندم، چاول، گنا، مکئی، جوار، باجرہ، جو، تمباکو وغیرہ پر مشتمل ہے۔

چھوٹی فصلوں (Minor Crops) کا حصہ کل زرعی پیداوار کا 11.1 فی صد ہے۔ اس میں شرح نمو منفی 1.1 فی صد رہی، جبکہ لائیوسٹاک (Livestock) کا حصہ زرعی شعبہ میں 56.3 فی صد ہے اور اس شعبہ میں شرح نمو 4.1 فیصد رہی۔

گذشتہ چند سالوں میں پاکستان کی زراعت کا شعبہ اُتار چڑھاؤ کا شکار رہا ہے۔ ان سالوں میں آب پاشی کے لیے پانی کی کمی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔

پاکستان میں فصلیں دو موسموں میں پیدا ہوتی ہیں۔ خریف کی فصلیں اور ربیع کی فصلیں، خریف کا آغاز اپریل تا جون میں ہوتا ہے اور فصل کی کٹائی اکتوبر تا دسمبر میں ہوتی ہے، جبکہ فصل ربیع کا آغاز اکتوبر تا دسمبر ہوتا ہے اور اختتام اپریل مئی میں ہوتا ہے۔

خریف کی فصلوں میں چاول، گنا، کپاس، مکئی، باجرہ اور جوار شامل ہیں جبکہ فصل ربیع میں گندم، چنے، تمباکو، جو وغیرہ شامل ہیں۔ بڑی فصلوں گندم، چاول، کپاس اور گنا کا حصہ 90.4 فی صد ہے جبکہ پورے زرعی شعبہ میں ان کا حصہ 32 فی صد ہے جبکہ چھوٹی فصلوں کا حصہ 11.1 فی صد ہے۔

(2) صنعت (Industry)

پاکستان کی خام قومی پیداوار میں صنعتی شعبہ کا حصہ 20.30 فی صد ہے۔ جبکہ صنعتی شعبے میں مینوفیچرنگ کا حصہ خام قومی پیداوار کا 13.3 فیصد ہے۔ اس میں سے بڑے پیمانے کی صنعتوں کا حصہ 10.6 فیصد اور چھوٹے پیمانے کی صنعت کا حصہ 1.73 فیصد ہے جبکہ تعمیرات شعبہ کا حصہ 5.2 فیصد اور بجلی اور گیس کی تقسیم کا حصہ 2.2 فیصد ہے۔ گزشتہ سالوں میں اس شعبہ میں کافی ترقی ہوئی ہے۔ جولائی تا مارچ 15-2014 میں اس شعبے کی شرح نمو 3.62 فیصد رہی۔

کل صنعتی پیداوار میں بڑی صنعتوں کا حصہ 69.5 فی صد ہے۔ ان میں سوتی دھاگہ، سوتی کپڑا، چینی، کھادیں، صابن اور کپڑے دھونے کے پاؤڈر، گھی، پکانے کا تیل، سیمنٹ، سگریٹ، چپس، کاریں، ٹریکٹر، موٹر سائیکل، سکوٹر، بائیسکل، پیپر اور پیپر بورڈ، ٹی وی، ٹائر، ریفریجریٹر اور کاسٹک سوڈا شامل ہیں۔

ان صنعتوں کے بارے میں چند اہم معلومات درج ذیل ہیں:

(i) ٹیکسٹائل کی صنعت (Textile Industry)

یہ صنعت پاکستان کی سب سے اہم صنعت ہے۔ ٹیکسٹائل کی صنعت کا ملکی برآمدات میں حصہ 54 فیصد ہے۔ اس شعبہ سے پاکستان کے مزدور طبقہ کا 38 فی صد وابستہ ہے۔ اس میں کپاس، روئی اور بنائی رنگائی چھپائی (Printing) اور تیار شدہ کپڑے (Ready

Made Garments) شامل ہیں۔ دنیا کے دھاگے کی تجارت کا 30 فی صد اور کپڑے کا 8 فی صد پاکستان سے ہوتا ہے۔

اس صنعت میں ہوزری کی مصنوعات' ریڈی میڈ کپڑے' تولیے' ترپال' کینوس' خیمے' مصنوعی ریشہ' آرٹ سلک وغیرہ شامل ہیں۔

(ii) آٹو موبائل کی صنعت (Automobile Industry)

اس شعبہ میں 18 بڑے یونٹ گاڑیوں کی پیداوار (نئی گاڑیاں بنانا اور پرزے جوڑ کر تیار کرنا) میں مصروف ہیں' 850 دیگر پیداواری یونٹ اس شعبہ کو پرزہ جات فراہم کرتے ہیں۔ گذشتہ سال گاڑیوں کی پیداوار میں 17.02 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ یہ شعبہ کاریں، ٹرک، بسیں، جیپیں، ٹریکٹر، اور موٹر سائیکل وغیرہ تیار کرتے ہیں۔

(iii) کھاد کی صنعت (Fertilizer Industry)

کھاد زرعی پیداوار بڑھانے کے لئے ایک بہت اہم عنصر ہے، پاکستان میں کھاد پیدا کرنے کے انیس کارخانے کام کر رہے ہیں جو کہ 6.9 ملین ٹن کھاد تیار کرتے ہیں جبکہ ان کی پیداواری گنجائش 8.983 ملین ٹن ہے۔ ان میں سے 6 کارخانے یوریا کھاد تیار کرتے ہیں۔

(iv) رنگ و روغن اور وارنش (Paint and Warnish)

پاکستان میں اس شعبہ میں 22 بڑے کارخانے اور تقریباً 400 چھوٹے کارخانے پیداواری عمل میں مصروف ہیں۔ بڑے کارخانے ملکی ضرورت کا تقریباً 50 فیصد پورا کرتے ہیں جبکہ بقیہ 50 فیصد ضرورت غیر منظم شعبے سے پوری ہوتی ہے۔

(v) سیمنٹ کی صنعت (Cement Industry)

پاکستان کی سیمنٹ کی صنعت بھی بڑی تیزی سے ترقی کی منازل طے کر رہی ہے۔ ملک کے اندر تعمیراتی شعبہ میں ہونے والی ترقی کے نتیجے میں سیمنٹ کی ملکی ضروریات میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ یہ صنعت نہ صرف ملکی ضرورت کو پورا کر رہی ہے بلکہ افغانستان، انڈیا، جنوبی افریقہ، عراق، سری لنکا، تنزانیہ، جبیوتی، موزمبیق، سوڈان اور کینیا کو بھی سیمنٹ برآمد کیا جا رہا ہے۔ 15-2014 میں سیمنٹ کی پیداوار 29 ملین ٹن ہو گئی ہے جو کہ 14-2013 میں 30 ملین ٹن تھی۔

(vi) سرکاری شعبہ کی صنعتیں (Public Sector Industries)

سرکاری شعبہ میں کئی ادارے ملکی صنعتی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مسلسل مصروف عمل ہیں۔ ان میں نیشنل فرٹیلائزر کارپوریشن (NFC)، پنجاب ایگریکلچر کارپوریشن (PACO)، سٹیٹ سیمنٹ کارپوریشن (SCC)، سٹیٹ انجینئرنگ کارپوریشن (SEC)، پاکستان سٹیل شامل ہیں۔

چھوٹے اور درمیانے درجے کی صنعتیں (SMEs-Small and Medium Enterprises)

چھوٹے اور درمیانے درجے کی صنعتیں کسی بھی ترقی پذیر ملک کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہیں لیکن پاکستان میں اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔ پاکستان میں اس شعبہ کی ترقی کے لیے Small and Medium Enterprises Development

Authority (SMEDA) قائم کی گئی ہے۔ SMEDA کے قیام کا مقصد چھوٹے اور درمیانے درجے کی صنعتوں کے فروغ کے لیے اقدامات کرنا ہے تاکہ لوگ اپنے لیے خود روزگار کے مواقع پیدا کر سکیں اور بے روزگاری کا مقابلہ کیا جائے۔ اس ادارہ نے اپنے لیے 7 شعبوں کا انتخاب کیا ہے۔ ان شعبوں میں موتی اور زیورات (Pearl and Jewellery)، دودھ (Dairy Milk)، زرعی پیداوار کو پراسس کرنا (Agro-processing)، ماہی گیری (Fishries)، فرنیچر (Furniture)، کھیلوں کا سامان (Sports goods)، سمال انجینئرنگ (Small Engineering)، ماربل (Marble) اور گرینائٹ (Granite) شامل ہیں۔ اس مقصد کے لیے یکم جنوری 2002 میں SME بنک کا قیام بھی عمل میں لایا گیا ہے۔ جس کا مقصد چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کے لیے قرضوں کی فراہمی ہے۔

6.2 تجارتی شعبہ کا حصہ (Share of Trade Sector)

2014-15 میں تجارتی خسارہ 13910 ملین ڈالر تھا اس خسارہ کی بڑی وجہ درآمدات میں برآمدات کی نسبت بہت زیادہ اضافہ ہے۔ 2014-15 میں درآمدات میں اضافہ 1.8 فیصد ہوا اور برآمدات میں 5 فیصد کمی ہوئی۔ جس کی وجہ سے تجارتی خسارہ 49.2 فیصد ہو گیا۔ اس کی ایک بڑی وجہ درآمدات کی قیمتوں میں تیزی سے اضافہ ہے۔

قیام پاکستان کے وقت مغربی پاکستان کپاس اور مشرقی پاکستان پٹ سن برآمد کرتے تھے۔ اس میں سے زیادہ تر برآمدات بھارت کو کی جاتی تھیں۔ اس طرح پاکستان کی برآمدات کا تقریباً 60 فی صد بھارت کو جاتا تھا۔ 1949 میں پاکستان اور بھارت میں کشیدگی کے باعث ان برآمدات میں خاطر خواہ کمی ہوئی اور پاکستان نئی منڈیوں کی تلاش میں برطانیہ، بلجیم، فرانس، جرمنی اور اٹلی کی منڈیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ 1950 میں کوریا جنگ کی وجہ سے پاکستان کی برآمدات میں اچانک اضافہ ہوا۔ بعد کے سالوں میں اس شعبہ میں بہت سی تبدیلیاں آتی گئیں۔ پاکستان نے کئی نئے شعبوں کی طرف توجہ دی۔ اب پاکستان جرمنی، جاپان، بلجیم، ہانگ کانگ، چین کو سوتی دھاگہ برآمد کرتا ہے۔ پاکستان کی 36.3 فی صد برآمدات صرف 5 ملکوں امریکہ، جرمنی، برطانیہ، ہانگ کانگ اور متحدہ عرب امارات کو جاتی ہیں۔ ان میں سے صرف امریکہ کو 25 فی صد برآمدات ہوتی ہیں۔

پاکستان سے برآمد کی جانے والی اشیا میں سوتی کپڑا، چاول، سوتی دھاگہ، چمڑا اور چمڑے کی مصنوعات، قالین، مچھلی اور مچھلی کی مصنوعات، سبزیاں، پھل، آلات جراحی، کھیلوں کا سامان، ہوزری اور تیار شدہ کپڑے (Ready Made Garments) اور دیگر اشیا شامل ہیں۔

سال 2014-15 کے پہلے 10 ماہ میں پاکستان کی کل برآمدات (Exports) 20.176 ملین ڈالر جبکہ سال 2014-15 میں پاکستان کی کل درآمدات (Imports) 34.086 ملین ڈالر تھیں جبکہ سال 2013-14 میں ان کی مالیت 34.645 ملین ڈالر تھی۔

پاکستان کی اہم درآمدات میں تیل، کھانے کا تیل، ایلومینیم، سٹیل، ادویات، پلاسٹک، کیڑے مار ادویات، ریشمی دھاگہ، ٹیکسٹائل مشینری، زرعی مشینری، بجلی کی مشینری وغیرہ شامل ہیں۔

پاکستان کی درآمدات بھی زیادہ تر چند ایک ممالک کے ساتھ ہوتی ہیں۔ ان میں سے تقریباً 60 فیصد صرف دس ممالک کے ساتھ ہیں۔ ان ممالک میں امریکہ، چین، برطانیہ، جرمنی، افغانستان، متحدہ عرب امارات، فرانس، بنگلادیش، اٹلی اور سپین شامل ہیں۔

6.3 بازارِ حصص (Stock Exchange Market)

کسی ملک کی شرح تعمیر و ترقی، صنعتوں کے فروغ، سرمایہ کاری میں اضافہ، روزگار کے مواقع میں اضافہ اور اشیائے ضرورت کی بروقت فراہمی کے لیے ضروری ہے کہ سرمایہ کی منڈی (Capital Market) پوری طرح سے کام کر رہی ہو۔ سرمایہ کاروں کا اعتماد بحال ہو۔ سرمایہ کار محسوس کریں کہ وہ جو بھی سرمایہ کاری کریں گے وہ محفوظ ہوگی اور کیپیٹل مارکیٹ اُتار چڑھاؤ سے محفوظ رہے گی۔ اس ضمن میں سٹاک مارکیٹ یا بازارِ حصص کا کردار بہت اہم ہے۔

پاکستان میں اس وقت تین سٹاک ایکسچینج کام کر رہی ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں۔

1۔ کراچی سٹاک ایکسچینج (Karachi Stock Exchange)

2۔ لاہور سٹاک ایکسچینج (Lahore Stock Exchange)

3۔ اسلام آباد سٹاک ایکسچینج (Islamabad Stock Exchange)

(1) کراچی سٹاک ایکسچینج (KSE)

2015 میں کراچی سٹاک ایکسچینج میں 560 کمپنیاں لسٹ پر تھیں اور اس سال 6 نئی کمپنیاں رجسٹرڈ ہوئیں۔ ان میں سے 217 کاٹن اور ٹیکسٹائل کے شعبہ سے تھیں، 159 بنک اور مالیاتی ادارے جبکہ 89 مختلف ادارے تھے۔ کراچی سٹاک ایکسچینج کا کل سرمایہ (Listed Capital) 1177.77 بلین روپے تھا اور 29.1 بلین روپے کے فنڈ گردش میں آئے۔

(2) لاہور سٹاک ایکسچینج (LSE)

لاہور سٹاک ایکسچینج کا قیام 1971 میں عمل میں لایا گیا۔ لاہور سٹاک ایکسچینج میں کل 433 کمپنیاں لسٹ پر ہیں جبکہ 2013-14 میں 4 نئی کمپنیاں رجسٹرڈ ہوئیں اور 2015 میں 8 نئی کمپنیاں رجسٹرڈ ہوئیں۔ LSE کا کل سرمایہ (Listed capital) 1096.1 بلین روپے ہے۔ لاہور سٹاک ایکسچینج (LSE) 2015 میں 4.3 بلین روپے کے فنڈز گردش میں لایا۔

(3) اسلام آباد سٹاک ایکسچینج (ISE)

اسلام آباد سٹاک ایکسچینج کا قیام اگست 1992 میں عمل میں آیا۔ ISE میں 218 کمپنیاں لسٹ پر ہیں۔ ISE 2014-15 میں 6.9 بلین روپے گردش میں لایا۔ ISE کا کل سرمایہ (Listed Capital) 894.4 بلین روپے ہے۔

اس طرح تینوں سٹاک ایکسچینج نے سال 2014-15 میں کل 40.3 بلین روپے گردش (Fund Mobilized) میں لائیں۔

یوں مختلف سٹاک ایکسچینج چھوٹے اور بڑے سرمایہ کاروں میں بچت کو فروغ دینے اور اپنی بچتوں کو سرمایہ کاری کے لیے استعمال کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں، اس کے نتیجے میں بہت بڑی بڑی رقوم سرمایہ کاری کے لیے مہیا ہوتی ہیں، یوں مختلف شعبوں اور صنعتوں کے لیے سرمایہ کی فراہمی کا انتظام ہوتا ہے۔ تھوڑے سرمایہ کے مالکوں میں بھی بڑی بڑی صنعتوں اور اداروں کی ملکیت کا احساس پیدا ہوتا ہے، یوں سٹاک مارکیٹوں میں سرمایہ کاری فروغ پاتی ہے اور یہ سرمایہ ملکی سطح پر سرمایہ کاری، روزگار کے مواقع کی فراہمی، اشیائے صرف و سرمایہ کی

رسد میں اضافہ اور سرمایہ کاروں کے لیے منافع کا باعث بنتا ہے۔

6.4 تعلیم اور صحت (Education and Health)

(الف) شعبہ تعلیم (Education Sector)

تعلیم کسی بھی ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے انتہائی اہم ہے۔ دنیا میں وہی قومیں ترقی کی منازل طے کرتی ہیں جو تعلیم و تحقیق کے میدان میں آگے ہوتی ہیں جہالت اور ناخواندگی کسی بھی ملک کی ترقی کے راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ثابت ہوتی ہے۔ دین اسلام اپنے ماننے والوں میں تعلیم کو فروغ دینا چاہتا ہے۔ رسول ﷺ کا ارشاد ہے۔

علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے۔

پاکستان میں شرح خواندگی

بدقسمتی سے پاکستان ان ممالک میں شامل ہے جہاں شرح خواندگی بہت کم ہے۔ پاکستان میں شرح خواندگی تقریباً 58 فی صد ہے۔ جبکہ شہری علاقوں میں تقریباً 73.2 فی صد آبادی خواندہ ہے اور دیہی علاقوں میں یہ شرح تقریباً 49.2 صد ہے۔ پاکستان میں مردوں میں شرح خواندگی خواتین سے زیادہ ہے۔ خواندہ افراد میں مردوں کی شرح 69 فی صد اور خواتین کی شرح 46 فی صد ہے۔ سندھ اور پنجاب میں شرح خواندگی نسبتاً زیادہ ہے جبکہ بلوچستان اور خیبر پختونخوا میں کم ہے۔ پڑھے لکھے لوگوں میں 37.5 فی صد میٹرک سے کم' 10.7 فی صد میٹرک، 4.7 فی صد انٹرمیڈیٹ' 4.3 فی صد گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ ہیں۔

(ب) شعبہ صحت (Health Sector)

صحت کی بنیادی سہولتوں کا حصول ہر فرد کا بنیادی حق ہے' اور تعلیم کے علاوہ صحت کی سہولتوں کی فراہمی بھی حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔ دُنیا میں بعض ممالک (خصوصاً سویڈن وغیرہ) تعلیم و صحت کے شعبوں میں اپنے بجٹ کا 50 فی صد تک خرچ کرتے ہیں' اچھی صحت سے اچھی قوم پیدا ہوتی ہے' اور مضبوط و توانا جسم بھی قوم کی سماجی و معاشی ترقی کے لیے ضروری ہے۔

پاکستان اس معاملہ میں اپنے علاقے کے دیگر ممالک سے بہت پیچھے ہے' مثلاً پاکستان میں اوسط زندگی کا عرصہ 66 سال ہے' سری لنکا میں 75.73 سال اور ملائیشیا میں 73.79 سال ہے۔ نوزائیدہ بچوں کی شرح اموات پاکستان میں 63.26 فی ہزار ہے۔ بھارت میں 47.6، سری لنکا میں 9.7' تھائی لینڈ میں 16.4 اور ملائیشیا میں 15.0 فی ہزار ہے۔

پورے ملک میں سرکاری شعبہ میں 1142 ہسپتال' 669 دیہی مراکز صحت' 5438 بنیادی مراکز صحت ہیں۔ جبکہ صرف 5499 ڈسپنسریاں ہیں' ڈاکٹروں کی کل تعداد 1,75,223 ہے۔ یوں 1073 افراد کے لیے اوسطاً صرف ایک ڈاکٹر ہے۔ دانتوں کے ڈاکٹروں کی کل تعداد 15,106 ہے گویا 12,447 لوگوں کے لیے صرف ایک ڈاکٹر ہے۔ نرسوں کی کل تعداد 90,276 ہے۔ اس طرح اوسطاً 2123 لوگوں کے لیے صرف ایک نرس ہے۔ ان ڈاکٹر' نرسوں' ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں کی زیادہ تر تعداد شہری علاقوں میں ہے۔ جبکہ دیہی علاقوں میں صحت عامہ کی سہولتیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس لیے دیہی علاقوں میں خصوصاً اور شہری علاقوں میں لوگوں کو نیم حکیم قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے جو کہ اکثر اوقات صحت کو بہتر کرنے کے بجائے خراب کرنے کا باعث بنتے ہیں گویا پاکستان میں صحت کے شعبہ میں

درج ذیل خامیاں پائی جاتی ہیں۔

(الف) دیہی اور شہری علاقوں میں سہولتوں کا فرق۔

(ب) صحت کی سہولتوں کا ناکافی ہونا۔

(ج) صحت کی سہولتوں کا فقدان

پاکستان میں صحت کی سہولتوں کی فراہمی پر حکومتی اخراجات علاقے کے دیگر ممالک کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ وفاقی اور صوبائی سطح پر صحت کے شعبہ میں کیے جانے والے کل اخراجات پاکستان کی خام قومی پیداوار کا صرف 0.6 فی صد بنتے ہیں جو کہ بہت ہی کم ہیں عالمی ادارہ صحت کی سفارشات کے مطابق پاکستان میں صحت کی سہولتوں کی فراہمی کے لیے کم ازکم 34 ڈالر فی کس اخراجات درکار ہیں' لیکن حقیقتاً بہت ہی کم رقم اس شعبہ پر صرف کی جارہی ہے' یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں مختلف بیماریوں اور ان کے نتیجے میں ہونے والی شرح اموات بہت زیادہ ہیں۔

مشقی سوالات

سوال 1: نیچے دیے گئے ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

1۔ پاکستان کی دیہات میں رہنے والی آبادی کی شرح ہے۔

(الف) 61% (ب) 72.5%

(ج) 63.5% (د) 80.5%

2۔ پاکستان میں جنگلات کا کل رقبہ ہے۔

(الف) 5% (ب) 3.5%

(ج) 7.6% (د) 9.6%

3- پاکستان کی قومی پیداوار میں زراعت کا حصہ ہے۔

(الف) 25.2% (ب) 20.9%

(ج) 18.2% (د) 28.4%

4۔ پاکستان میں فصلوں کے موسم ہوتے ہیں۔

(الف) بہار اور خریف (ب) خزاں اور خریف

(ج) ربیع اور خریف (د) خریف

5۔ پاکستان کی خام قومی پیداوار میں صنعتی شعبہ کا حصہ ہے۔

(الف) 22.2% (ب) 20.30%

(ج) 14.3% (د) 24.3%

6۔ ٹیکسٹائل کی صنعت کا ملکی برآمدات میں حصہ ہے۔

(الف) 77% (ب) 54%

(ج) 57% (د) 53%

7۔ پاکستان میں کھاد بنانے والے کارخانوں کی تعداد ہے۔

(الف) 15 (ب) 19

(ج) 25 (د) 27

8۔ پاکستان سیمنٹ برآمد کرتا ہے۔

(الف) سعودی عرب کو (ب) ایران کو

(ج) افغانستان کو (د) ترکی کو

9۔ چھوٹی اور درمیانے درجے کی صنعتوں کے فروغ کے لیے پاکستان میں بنک قائم کیا گیا ہے:

(الف) SMEDA (ب) SME

(ج) MCB (د) HBL

10۔ کوریا کی جنگ کی وجہ سے پاکستانی برآمدات میں اضافہ ہوا۔

(الف) 1955 (ب) 1951

(ج) 1949 (د) 1960

سوال 2: درج ذیل جملوں میں دی گئی خالی جگہیں پُر کریں۔

1۔ پاکستان کی برآمدات میں سب سے زیادہ حصہ ____________ کا ہے۔

2۔ پاکستان میں ____________ سٹاک ایکسچینج ہیں۔

3۔ پاکستان کی سٹاک ایکسچینجوں کے نام ________ ، ________ اور ________ ہیں۔

4۔ اسلام آباد میں سٹاک ایکسچینج کا قیام سال ____________ میں عمل میں لایا گیا۔

5۔ کسی ملک کے لیے جنگلات کا رقبہ کل رقبے کا کم سے کم ____________ ہونا چاہیے۔

6۔ پاکستان میں جنگلات کا رقبہ ____________ فی صد ہے۔

7۔ پاکستان میں فصلیں موسم ____________ اور موسم ____________ کے حساب سے بوئی جاتی ہیں۔

8۔ پاکستان کی سب سے زیادہ نقد آور فصلیں ہیں: ________ ، ________ ، ________

اور ________ ۔

سوال 3: کالم (الف) اور کالم (ب) میں دیئے گئے جملوں میں مطابقت پیدا کر کے دُرست جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
زراعت	ٹیکسٹائل	
صنعت	کراچی، لاہور، اسلام آباد	
پاکستان کی سب سے بڑی صنعت	SMEs	
سٹاک ایکسچینج	خوردنی تیل، ادویات وغیرہ	
چھوٹے اور درمیانے درجے کی صنعتیں	کپاس	
پاکستان کی درآمدات	20.9 فی صد	
شرح خواندگی	20.30 فی صد	
شعبہ صحت میں خرچ	0.6 فی صد	
	سٹاک ایکسچینج	
	58 فی صد	

سوال 4: درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے۔

1- پاکستان میں زراعت کی اہمیت پر تین لائنیں لکھیے۔

2- پاکستان کی معیشت میں زراعت، صنعت اور تجارت کے حصے بیان کیجئے۔

3- پاکستان میں کونسی فصلیں پیدا ہوتی ہیں؟

4- پاکستان کی اہم صنعتیں کون سی ہیں؟

سوال 5: درج ذیل سوالات کے جوابات تفصیل سے تحریر کریں۔

1- پاکستان کی چھوٹے اور درمیانے درجے کی صنعتیں کونسی ہیں؟

2- پاکستان کی اہم درآمدات کون سی ہیں؟

3- پاکستان کی اہم برآمدات کون سی ہیں؟

4- پاکستان میں شرح خواندگی کی صورت حال تفصیل سے بیان کریں۔

5- پاکستان کی سٹاک مارکیٹوں پر تفصیلی نوٹ تحریر کیجئے۔

باب 7
پاکستان کی قومی آمدنی
(NATIONAL INCOME OF PAKISTAN)

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی ولولہ انگیز قیادت میں 1947 میں پاکستان معرض وجود میں آیا۔ پاکستان اللہ تعالیٰ کا ایک بے مثال عطیہ ہے۔ اس وطن عزیز کے حصول کے لیے مسلمانان ہند نے بے شمار قربانیاں دیں۔ اپنے گھر بار چھوڑے، جانوں کی قربانیاں دیں اور دنیا کی تاریخ کی ایک بہت بڑی ہجرت ہوئی۔ خداوند قدوس نے ان قربانیوں کا ثمر ایک خوب صورت ملک کی صورت میں دیا۔ جس میں ہر طرح کے موسم ہیں۔ ہر نوع کی معدنیات کے خزانے ہیں۔ دریا، پہاڑ، نہریں، چشمے، آبشاریں، میدان، کوہستان، سطح مرتفع، زرخیز وادیاں، اور برف پوش چوٹیاں اور سب سے بڑھ کر جفاکش نوجوان، باشعور اور عقلمند بزرگ اور روشن مستقبل کی اُمید یعنی ہمارے بچے، انہیں کا نام پاکستان ہے۔

پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے انگریز متحدہ ہندوستان پر قابض تھے جو یہاں کے خام مال کو انگلینڈ لے جاتے تھے اور وہاں سے تیار مال کی صورت میں مہنگے داموں واپس ہندوستان میں بھیجتے تھے۔ اس عرصہ کے دوران ہندوستان صنعتی لحاظ سے پسماندہ رہا۔ لیکن مسلمان علاقوں میں یہ پسماندگی انتہا درجہ پر تھی جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ متحدہ ہندوستان کے کل 921 صنعتی یونٹوں میں سے صرف 34 پاکستان کے حصے میں آئے۔ مسلمان زیادہ تر بطور مزدور خدمات انجام دیتے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان ایک زرعی ملک کے طور پر سامنے آیا۔ لیکن زرعی شعبہ کی پسماندگی کی وجہ سے ہمیں غذائی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے درآمدات کا سہارا لینا پڑا۔ زراعت کے علاوہ، صنعت وحرفت، نقل وحمل، مواصلات، بینکاری اور خدمات کے شعبے میں بھی ہم پسماندگی کا شکار رہے۔ پاکستان میں سیاسی عدم استحکام معاشی ترقی کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ثابت ہوا۔ مسلسل بدلتی ہوئی حکومتوں میں معاشی پالیسیاں بھی مسلسل تبدیلی کے عمل سے گذرتی رہیں۔ ہر آنے والی حکومت گذشتہ حکومتوں کی طرف سے کی گئی کوششوں پر پانی پھیرنے اور اپنی مرضی کی پالیسیاں ٹھونسنے کے درپے رہی۔ جس کی وجہ سے نہ تو ہمارا ملک بہت زیادہ ترقی کر سکا اور نہ ہی ہماری خام قومی پیداوار اور فی کس قومی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہوسکا۔

7.1 پاکستان کی خام قومی پیداوار (GNP)

مقداری لحاظ سے بظاہر پاکستان کی قومی آمدنی اور فی کس آمدنی میں اضافہ ہوا ہے۔ زرعی پیداوار بڑھی ہے۔ صنعتی لحاظ سے ہم نے ماضی کے مقابلہ میں کافی ترقی کی ہے اور صنعتی شعبہ کا پاکستان کی خام قومی پیداوار میں حصہ بہت حد تک بڑھا ہے۔ مواصلات اور ذرائع نقل وحمل (Transportation) کے شعبہ میں بھی بہت زیادہ ترقی نظر آتی ہے۔ تعلیمی اداروں میں داخلہ لینے والے طلبہ وطالبات کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ دفاعی لحاظ سے پاکستان ایٹم بم بنانے اور میزائل ٹیکنالوجی میں بہت آگے نکل گیا ہے۔ کمپیوٹر اور سافٹ ویئر میں ہم نے بہت ترقی کی ہے۔ موبائل فون، انٹرنیٹ اور دیگر ذرائع رسل ورسائل کے استعمال میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد سے آج تک پاکستان میں قومی آمدنی میں اضافہ کی شرح کچھ یوں ہے کہ پچاس کے عشرے (60-1950) کے دوران شرح نمو 3.5 فی صد رہی، ساٹھ کے عشرے (1970-1960) کے دوران 7 فی صد، ستر کے عشرے

(1970-80) کے دوران 5 فی صد، نوے کے عشرے (1990-2000) میں 4 فی صد اور 06-2000 کے پہلے پانچ برسوں میں یہ شرح اوسطاً 5 فی صد سالانہ رہی۔ اس لحاظ سے ساٹھ کے عشرہ (1960-70) کے دوران پاکستان میں شرح نموسب سے زیادہ رہی، جبکہ نوے کے عشرے (1990-2000) کے دوران کم ہو کر 4 فی صد کی سطح پر آ گئی

ذیل میں مختلف سالوں میں پاکستان کی خام قومی پیداوار کا گوشوارہ دیا گیا ہے۔

گوشوارہ نمبر 1

پاکستان کی خام قومی پیداوار (GNP at fc)

سال	خام قومی پیداوار (GNP)
2004-05ء	4681.99 بلین روپے
2005-06ء	4944.82 بلین روپے
2006-07ء	5275.33 بلین روپے
2007-08ء	8701.36 بلین روپے
2008-09ء	8781.57 بلین روپے
2009-10ء	9111.89 بلین روپے
2011-12	9856.81 بلین روپے
2012-13ء	10319.34
2013-14	110685.77 بلین روپے
2014-15	11195.70 بلین روپے

2006-07 کے بعد کے یہ اعداد و شمار 06-2005 کی مستقل قیمتوں پر ہیں۔

یہ اعداد و شمار 06-2005 کی مستقل قیمتوں پر ہیں۔

پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے اور پاکستان کی بیشتر آبادی کا انحصار اس شعبہ پر ہے اور پاکستان کی لیبر فورس کا ایک بہت بڑا حصہ اسی شعبہ سے وابستہ ہے۔ زرعی شعبہ زرعی فصلوں، ماہی گیری، پرورش حیوانات، جنگلات اور معدنیات وغیرہ پر مشتمل ہے۔ یہ شعبہ جو کہ 70-1969 میں خام قومی پیداوار میں 40% حصہ ڈالتا تھا اب صرف 20.9% حصہ ڈالتا ہے۔ یوں زراعت کے شعبہ کا حصہ ماضی کے مقابلہ میں بہت کم ہو گیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں صنعتی شعبہ میں پاکستان نے خاص ترقی کی ہے۔ صدر ایوب خان کے دور میں صنعت کا حصہ 16% تک پہنچ چکا تھا جو کہ 15-2014 میں بڑھ کر 20.30% ہو گیا ہے۔ 60 کے عشرہ میں جس تیزی سے ترقی ہوئی وہ رفتار بعد کے ادوار میں برقرار نہ رہ سکی۔

ذیل کے گوشوارہ میں مختلف سالوں میں خام قومی پیداوار میں مختلف شعبوں کا حصہ دکھایا گیا ہے۔

گوشوارہ نمبر 2

خام قومی پیداوار (GNP) میں مختلف شعبوں کا حصہ (فی صد تناسب)

شعبہ جات	2010-11	2011-12	2012-13	2013-14	2014-15
زراعت	21.7	21.6	21.4	21.2	20.9
صنعت	24.7	21.0	39	25.4	20.4
کان کنی	3.0	3.0	3.0	2.9	2.9
تعمیرات	2.4	2.4	2.3	2.4	2.4
بجلی و گیس	.2.4	2.4	1.7	1.7	1.7
نقل و حمل	13.1	13.2	13.3	13.4	13.4
بنکاری و بیمہ کاری	3.0	2.9	3.1	3.1	3.1
سرکاری انتظامیہ و دفاع اور خدمات	6.2	6.7	7.2	7.1	7.4
تجارت	18.8	8.4	18.4	18.4	18.3
دیگر خدمات	19.1	9.4	9.5	9.7	9.9

7.2 پاکستان میں قومی آمدنی کی پیمائش میں درپیش مشکلات
(Difficulties in Measurement of National Income in Pakistan)

پاکستان میں قومی آمدنی کی پیمائش کے لئے بنیادی معلومات وفاقی ادارہ شماریات (Federal Bureau of Statistics) اکٹھا کرتا ہے اور حکومت پاکستان اقوام متحدہ کے نیشنل اکاؤنٹس کے نظام کے تحت خام قومی پیداوار (GNP) کی پیمائش کرتی ہے اور یہ اعداد و شمار ہر سال قومی بجٹ کے اعلان سے ایک روز پہلے معاشی جائزہ (Economic Survey) کی صورت میں شائع کئے جاتے ہیں۔ وزیر خزانہ اس موقع پر پریس کانفرنس کر کے گذشتہ سال کی معیشت کی مجموعی کارکردگی، مختلف شعبوں کا معیشت میں حصہ اور ان کی کارکردگی و قومی آمدنی اور ان کے شرح نمو وغیرہ کی تفصیل بتاتے ہیں۔

پاکستان میں زراعت، صنعت، کان کنی، بجلی، گیس، تھوک و پرچون کاروبار وغیرہ کے شعبوں میں قومی آمدنی کا اندازہ پیداوار کے طریقے (Product Method) سے لگاتے ہیں جبکہ نقل و حمل، رسل و رسائل، بنکاری و بیمہ کاری، سرکاری انتظامیہ، دفاع اور خدمات کے شعبہ میں قومی آمدنی کی پیمائش کے لیے آمدنی کا طریقہ (Income Method) استعمال کیا جاتا ہے جبکہ تعمیرات کے شعبہ میں خرچ کا طریقہ (Expenditure Method) استعمال کیا جاتا ہے۔

پاکستان میں قومی آمدنی کے اعداد و شمار دو طرح سے پیش کئے جاتے ہیں۔

(الف) رواں قیمتوں کے لحاظ سے (National Income at Current Prices)

اس طریقہ کے مطابق رواں سال (Current Year) کی قیمتوں پر تمام اشیا وخدمات کی مجموعی مالیت کی پیمائش کی جاتی ہے۔

(ب) ساکن قیمتوں کے لحاظ سے (National Income at Constant Prices)

اس لحاظ سے کسی ایک سال کو بنیادی سال (Basic year) کے طور پر اختیار کیا جاتا ہے اور اس بنیادی سال کی قیمتوں پر قومی آمدنی کی پیمائش کر لی جاتی ہے۔ پاکستان میں پہلے 50-1949 پھر 60-1959، اور اس کے بعد 81-1980 کی قیمتوں کو بنیادی سال کی قیمتوں کے لئے اختیار کیا گیا۔ حالیہ برسوں میں قومی آمدنی کی پیمائش 2000-1999 کی قیمتوں کے لحاظ سے کی جاتی ہے۔ اکنامک سروے میں جہاں قومی آمدنی کے اعداد وشمار دیئے جاتے ہیں وہاں انہی بنیادوں پر قومی آمدنی کی پیمائش کر کے گوشوارے تشکیل دیئے جاتے ہیں۔

پاکستان میں قومی آمدنی کی پیمائش میں کئی طرح کی مشکلات پیش آتی ہیں اور حاصل ہونے والے اعداد وشمار کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اس کی درج ذیل وجوہات ہیں۔

1۔ تربیت یافتہ عملہ کی کمی (Lack of Trained Staff)

پاکستان میں اعداد وشمار کی فراہمی کے لئے ایسے تربیت یافتہ افراد کی ضرورت ہے جو کہ پوری ذمہ داری کے ساتھ پاکستانی معیشت کی صحیح تصویر اعداد وشمار کی روشنی میں پیش کر سکیں لیکن نہ تو ہمارے ہاں ایسے قابل اعتماد ادارے موجود ہیں جو کہ یہ کام سرانجام دے سکیں اور نہ ہی سرکاری شعبہ میں اتنی افرادی قوت فراہم کی جاتی ہے جو کہ پاکستان کے وسیع وعریض علاقوں میں جا کر معلومات اکٹھا کر سکیں۔ اسی طرح شماریاتی مواد اکٹھا کرنے اور ترتیب دینے کے لئے تربیتی اداروں کی ضرورت ہے۔ یوں تربیت یافتہ عملہ کی کمی قومی آمدنی کی پیمائش میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

2۔ غیر ذمہ دار عملہ (Irresponsible Staff)

پاکستان میں حب الوطنی کے فقدان، کم تنخواہوں اور دیگر وجوہات کی بنا پر اعداد وشمار جمع کرنے والا عملہ اپنی ذمہ داریوں کو پوری دیانت داری سے ادا نہیں کرتا۔ زرعی اعداد وشمار کی فراہمی کے ضمن میں زیادہ تر انحصار محکمہ مال پر کرنا پڑتا ہے۔ صنعتی شعبہ اور دیگر شعبوں میں معلومات فراہم کرنے والا عملہ زیادہ تر دفتر کے اندر کام کرنے کا قائل ہے اور فیلڈ میں جا کر معلومات اکٹھی کرنا اپنے شایان شان نہیں سمجھتا۔ جس کی وجہ سے قومی آمدنی اور معیشت کی مجموعی تصویر واضح طور پر دیکھنا مشکل ہے۔

3۔ عوام کا عدم تعاون (Non-Cooperation of People)

تعلیم کی کمی، محکمہ انکم ٹیکس کا خوف اور دیگر بہت سی وجوہات کی بنا پر عموماً عوام اعداد وشمار اکٹھا کرنے والے کارکنان سے تعاون نہیں کرتے۔ بعض اوقات لوگ اپنی صحیح معلومات کو چھپانے کے لئے عملہ کو رشوت بھی دیتے ہیں۔ یوں زرعی وصنعتی شعبہ کے کاروبار اور دیگر شعبوں میں حقیقی اعداد وشمار کی بجائے غیر حقیقی اعداد وشمار اکٹھے ہوتے ہیں اور قومی آمدنی کی صحیح تصویر سامنے نہیں آتی۔

4۔ بلامعاوضہ خدمات (Unpaid Services)

عام لوگوں کی خدمات جن کا وہ معاوضہ نہیں لیتے قومی آمدنی میں شمار نہیں ہو پاتیں مثلاً گھریلو خواتین کا گھر میں کھانا بنانا، کپڑے دھونا، گھر کی صفائی کرنا، بچوں کی دیکھ بھال کرنا وغیرہ، اساتذہ کا اپنے بچوں یا دوسرے کے بچوں کو مفت پڑھانا۔ اپنے گھر کے لان میں پھل دار،

پھول دار پودے اور سبزیاں اگانا ایسے ہی کام ہیں لیکن یہ پیداواری کام کسی گنتی میں نہیں آتے اور یوں قومی آمدنی میں شمار ہونے سے رہ جاتے ہیں۔ یوں قومی آمدنی کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے۔

5۔ گھریلو صنعت کے اعداد و شمار کا نہ ہونا (Lack of Data on Cottage Industry)

قومی آمدنی کی پیمائش کرتے ہوئے عام طور پر بڑے بڑے کارخانوں اور صنعتوں کی پیداوار کو شمار کر لیا جاتا ہے جبکہ بہت سی ایسی چھوٹی صنعتیں جو کہ گھروں میں قائم ہوتی ہیں اور باہر سے آنے والے لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوتی ہیں۔ ان کے بارے میں معلومات کا حصول بھی دشوار ہوتا ہے اور یوں قومی آمدنی میں شمار نہیں ہو پاتیں۔

6۔ ناخواندگی (Illiteracy)

عوام میں ناخواندگی کا تناسب بہت زیادہ ہے اس لئے اشیا کی مقدار و قیمت اور اس کے بارے میں ریکارڈ رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ یوں ناخواندگی بھی قومی آمدنی کی پیمائش میں ایک رکاوٹ ثابت ہوتی ہے۔

7۔ سمگلنگ (Smuggling)

پاکستان ایک وسیع و عریض ملک ہے۔ اس کی سرحدیں کئی ملکوں کے ساتھ ملتی ہیں۔ جس میں وسیع و عریض ریگستانی اور پہاڑی علاقے ہیں۔ اس طرح سرحدوں کے ساتھ قبائلی علاقے بھی ہیں۔ ان علاقوں سے کروڑوں روپے کا سامان دوسرے ملکوں میں سمگل ہوتا ہے یا سمگل ہو کر آتا ہے۔ اس سامان پر نہ تو کوئی امپورٹ ڈیوٹی دی جاتی ہے اور نہ ہی کسی جگہ ان کا اندراج ہوتا ہے۔ یوں انڈر گراؤنڈ تقریباً 20% کاروبار کسی شمار میں نہیں آتا۔

8۔ حساب کتاب نہ رکھنا (Lack of Book Keeping)

پاکستان میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد حساب کتاب رکھنے کی اہمیت سے واقف نہیں ہے۔ زیادہ آمدنی والے لوگ اس لئے حساب کتاب نہیں رکھتے کہ انہیں اس کی فکر نہیں اور غریبوں کی آمدنی اتنی کم ہوتی ہے کہ وہ اُسے کسی اہمیت کا حامل نہیں سمجھتے۔ اس طرح زمیندار اور جاگیردار بھی حساب کتاب رکھنے کی اہمیت معلوم نہ ہونے یا ٹیکسوں سے بچنے کے لئے اعداد و شمار رکھنے سے گھبراتے ہیں۔

9۔ فرسودگی کے اخراجات (Depreciation Expenditures)

قومی آمدنی کی پیمائش کرنے والے ماہرین شکست و ریخت یا فرسودگی کے اخراجات کو قومی آمدنی سے منہا نہیں کرتے۔ اس لئے خالص قومی پیداوار (NNP) صحیح صورت میں واضح نہیں ہو پاتی۔

10۔ غیر زری پیداوار (Non- Monetary Production)

ہمارے ملک میں بہت سی ایسی اشیا پیدا کی جاتی ہیں جو کہ پیدا کنندگان اپنے ذاتی استعمال کے لئے رکھ لیتے ہیں۔ جیسے دیہات میں کاشتکار اپنی ضرورت کا سال بھر کا غلہ ذخیرہ کر لیتے ہیں۔ اسی طرح دیگر پیدا کار بھی اپنی ضرورت کی اشیا رکھنے کے بعد بقیہ مقدار کو فروخت کرتے ہیں۔ یوں بہت سی اشیا قومی آمدنی میں شمار ہونے سے رہ جاتی ہیں۔

7.3 پاکستان میں فی کس آمدنی (Per Capita Income in Pakistan)

اگر کسی ملک کی کل آمدنی کو کل آبادی سے تقسیم کر دیا جائے تو فی کس آمدنی معلوم ہو جاتی ہے۔

$$\text{فی کس قومی آمدنی} = \frac{\text{کل قومی آمدنی}}{\text{کل آبادی}}$$

فی کس آمدنی سے کسی ملک کے عوام کے معیارِ زندگی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ زیادہ فی کس آمدنی والے ممالک کے عوام کم فی کس آمدنی والے ممالک کی نسبت زیادہ خوشحال ہوتے ہیں، بہتر اور زیادہ مقدار میں ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح فی کس آمدنی سے کسی ملک کے معاشی اُتار چڑھاؤ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اگر فی کس آمدنی بڑھ رہی ہو تو اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ملک معاشی طور پر ترقی کی طرف گامزن ہے بصورتِ دیگر ملک ترقی نہیں کر رہا۔ تاہم فی کس آمدنی کسی ملک میں تقسیم دولت کی صحیح صورتِ حال کی عکاسی نہیں کرتی۔

پاکستان میں فی کس آمدنی

فی کس آمدنی کے لحاظ سے مختلف ممالک کو تین درجات میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(الف) زیادہ آمدنی والے ممالک

(ب) درمیانی آمدنی والے ممالک

(ج) کم آمدنی والے ممالک

دنیا کے مختلف ممالک کی فی کس آمدنی آئی ایم ایف (IMF) کے معیار کے مطابق درج ذیل ہے۔

ملک کی سطح	نام ملک	فی کس آمدنی (ڈالرز میں)
1۔ زیادہ فی کس آمدنی والے ممالک	1۔ سوئٹزرلینڈ	83,073
	2۔ امریکہ	48,328
	3۔ جاپان	45,870
	4۔ سنگاپور	49,271
	5۔ برطانیہ	38,811
2۔ درمیانی فی کس آمدنی والے ممالک	1۔ کوریا	22,224
	2۔ سعودی عرب	21,196
	3۔ ملائشیا	10,085
	4۔ ترکی	10,363
	5۔ روس	12,993
	6۔ ایران	6,420
	7۔ چین	5,417
	8۔ مصر	2,932

3- کم فی کس آمدنی والے ممالک	1۔سری لنکا	2,880
	2۔انڈونیشیا	3,512
	3۔ بھارت	1,514
	4۔ پاکستان	1,512☆
	5۔بنگلہ دیش	767
	6۔ایتھوپیا	365

☆ World Economic Outlook Database/List of Countries by per capita Income. Retrieved on 20 Dec, 2012.

☆ Economic Survey of Pakistan 2014-15

پاکستان میں کم فی کس آمدنی کی وجوہات
(Causes of Low Per Capita Income in Pakistan)

1۔ قدرتی وسائل کی قلت (Scarcity of Natural Resources)

پاکستان میں قدرتی وسائل کی کمی ہے۔ تیل اور لوہا معاشی ترقی کی بنیادی ضرورت ہے پاکستان ہر سال کروڑوں روپے کا زرمبادلہ ان کی درآمد پر خرچ کرتا ہے۔ پاکستان میں دریافت ہونے والا لوہا معیاری نہیں ہے۔ تیل اور لوہا دریافت کرنے کے لیے حکومتی کوششیں بھی ناکافی ہیں۔ اس کے علاوہ کسی ملک کی زرعی اراضی کا ایک چوتھائی حصہ یعنی 25% جنگلات پر مشتمل ہونا چاہیے جبکہ پاکستان میں جنگلات کا رقبہ بہت کم ہے۔

2۔ زراعت پر انحصار (Dependance on Agriculture)

دوسرے ترقی پذیر ممالک کی طرح پاکستان کی معیشت کا انحصار زراعت پر ہے لیکن بدقسمتی سے ابھی تک ہم زرعی ملک ہونے کے باوجود غذائی قلت پر قابو پا کر خود کفالت حاصل نہیں کر سکے۔

کاشتکاری کے دقیانوسی طریقوں کا استعمال، زرعی اراضی کی غلط تقسیم، کچھ کسانوں کی زمین اتنی کم ہے کہ وہ اپنی ضروریات بھی پوری نہیں کر پاتے جبکہ بیشتر زمین پر اس قسم کے لوگوں کا قبضہ ہے جو براہ راست زرعی پیداوار بڑھانے میں دلچسپی نہیں لیتے۔ زرعی اراضی کا بیشتر حصہ سیم وتھور کی وجہ سے ناقابل کاشت ہے، کسان قناعت پسندی کی وجہ سے فی ایکڑ پیداوار بڑھانے کے لئے کوشش نہیں کرتے، جاہل اور ان پڑھ ہونے کی وجہ سے کاشتکاری کے جدید طریقے اپنانے سے کتراتے ہیں، مالی طور پر خوش حال نہیں کہ زرعی مداخل مثلاً بیج، کھاد، کیڑے مار ادویات کی جدید اقسام استعمال کر سکیں۔

3۔ سرمائے کی کمی (Shortage of Capital)

پاکستان میں بچتوں کی شرح کم ہے جس کی وجہ سے سرمایہ کاری کم ہوتی ہے اور سرمایہ کاری کم ہونے کی وجہ سے پیداوار اور آمدنی دونوں کم ہوتی ہیں اور نتیجتاً فی کس آمدنی کم ہے۔

4۔ صنعتی پسماندگی (Industrial Backwardness)

پاکستان صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ ممالک کی نسبت بہت پیچھے ہے ابھی تک بہت سی بنیادی اشیائے صارفین بھی دوسرے ملکوں سے

درآمد کی جاتی ہیں۔ صنعتی پسماندگی کی وجوہات میں جدید ٹیکنالوجی سے استفادہ نہ کرنا، تخصیصِ کار کی کمی، تربیت یافتہ محنت کاروں کی کمی، مکمل مقابلہ نہ ہونا جس سے کارخانہ داروں میں ترقی کرنے کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا، آئے دن مزدوروں اور کارخانہ داروں کے درمیان جھگڑوں کی وجہ سے ہڑتالیں، توڑ پھوڑ اور آگ لگانے کے واقعات سے سرمایہ کاری کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے۔ ملک کے اندر دوسرے ممالک کے تیار شدہ مال کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ درآمدی اشیا کو اپنی ملکی اشیا پر ترجیح دی جاتی ہے جس سے صنعت کی ترقی کے مواقع کم ہو جاتے ہیں۔

5۔ افراطِ آبادی (Over Population)

پاکستان میں آبادی کی افزائش کی شرح 1.92 فی صد سالانہ ہے جو کہ بہت زیادہ ہے۔ پاکستان کی آبادی 191.71 ملین ہے اور اس میں ہر سال تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے لیکن بڑھتی ہوئی اس آبادی کے تناسب سے نہ تو ہم اپنے وسائل میں اضافہ کر پاتے ہیں اور نہ ہی پیداوار میں اضافہ ہو پاتا ہے۔ اس لئے پاکستان میں فی کس آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہو پاتا۔

6۔ غیر ملکی قرضوں کا بوجھ (Foreign Debt Burden)

پاکستان پر اندرونی و بیرونی قرضوں کا بوجھ وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتا رہا ہے۔ جس کی وجہ سے ہمارے ملکی بجٹ کا ایک بڑا حصہ مصارفِ قرضہ (Debt Servicing) یعنی قرضوں اور ان پر سود کی ادائیگی پر خرچ ہو جاتا ہے اور ہمیں اپنے اخراجات اور ترقیاتی اخراجات کے لئے مزید قرضے لینے پڑتے ہیں۔ قرضوں کی یہ لعنت ملکی ترقی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ثابت ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے فی کس آمدنی پر بھی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

7۔ تجارتِ خارجہ میں خسارہ (Deficit in Balance of Trade)

پاکستان کو خارجہ تجارت میں خسارہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح ادائیگیوں کا توازن بھی ہمیشہ پاکستان کے خلاف رہا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کی برآمدات میں زرعی خام مال اور نیم تیار شدہ مال شامل ہیں اور ان کی قیمتیں کم وصول ہوتی ہیں جبکہ درآمدات کی قیمتیں بہت زیادہ ادا کرنی پڑتی ہیں۔ اس سے پاکستان کی نسبت درآمد و برآمد پاکستان کے خلاف رہتی ہے۔ ملک میں افراطِ زر کی وجہ سے قیمتوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا برآمدات کی طلب بھی کم ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کی ادائیگیوں کا توازن خسارہ میں رہتا ہے اور قومی آمدنی میں اضافہ کی شرح زیادہ نہیں ہو پاتی۔

8۔ ناقص منصوبہ بندی (Defective Planning)

پاکستان میں پانچ سالہ منصوبوں میں ترجیحات کا انتخاب درست نہیں کیا گیا۔ تمام منصوبوں میں خامیاں موجود ہونے کی وجہ سے بیشتر منصوبے ناکام رہے۔ ملک میں معاشی تفاوت بڑھتا رہا اور دولت چند خاندانوں میں مرکوز ہو کر رہ گئی۔ غریب طبقات وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مزید غربت کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔

9۔ محنت کی پست استعدادِ کار (Low Efficiency of Labour)

پاکستانی محنت کاروں کی کام کرنے کی صلاحیت ترقی یافتہ ملکوں کی نسبت کم ہے۔ جس کی کئی وجوہات ہیں مثلاً پاکستان کی شدید آب و ہوا کی وجہ سے لوگ سست اور کاہل ہیں، پاکستان میں تربیت یافتہ یا ماہر کاریگروں کی کمی ہے، اُجرتوں میں کمی کی وجہ سے مزدور اپنے

اہل خانہ کی بنیادی ضرورتیں بھی پوری نہیں کر پاتے۔ جس کی وجہ سے ان کی صحت خراب رہتی ہے اور ان کی استعداد کار بھی کم ہو جاتی ہے، کام کرنے کا ماحول حفظان صحت کے اصولوں کے مطابق نہیں جس سے مزدوروں کی کام کرنے کی صلاحیت بھی تندرست آدمی کی نسبت کم ہوگی، تفریحی مشاغل کے مواقع سے استعداد کار بڑھتی ہے جبکہ مزدوروں کو ایسے مواقع نہیں ملتے، احساس ذمہ داری اور فرض شناسی کا فقدان بھی اس کی ایک وجہ ہے۔

10۔ معاشی اور معاشرتی برائیاں (Economic and Social Evils)

مادیت پسندی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ لوگ راتوں رات امیر بننے کی خاطر منفی حربے استعمال کرتے ہیں۔ معاشرہ میں ذخیرہ اندوزی، سمگلنگ، چوری، ڈاکہ زنی، رشوت خوری جیسی برائیاں عام ہیں اس سے باصلاحیت لوگوں کی بھی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔

11۔ سیاسی ابتری (Political Unrest)

68 سال گزرنے کے باوجود بھی تک ملک کو سیاسی استحکام حاصل نہیں ہو سکا حکومت بدلنے کے ساتھ سرکاری پالیسیاں بھی تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ جس سے لوگوں اور سرمایہ کاروں میں بے اعتمادی اور بے چینی کی فضا پیدا ہوتی ہے اور سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ پاکستان میں لوٹ کھسوٹ، بدامنی، توڑ پھوڑ اور دہشت گردی بھی سرمایہ کاری پر برے اثرات مرتب کرتی ہے۔

12۔ جغرافیائی سیاسی حالات (Geopolitical Situation)

پاکستان جغرافیائی لحاظ سے بہت ہی اہم خطے میں واقع ہے۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان چپقلش روز اول سے جاری ہے۔ ہم دو بڑی جنگیں اور کئی پراکسی وارز (Proxy Wars) لڑ چکے ہیں۔ روس کے خلاف مجاہدین کی جنگ اور امریکی مفادات میں پاکستان ہی اس جنگ کا مرکز رہا۔ نائن الیون کے بعد افغانستان کے خلاف امریکی جنگ کے لئے پاکستان بیس کیمپ کی پوزیشن میں رہا۔ اب بھی ہماری بہت سی فوج بارڈرز پر موجود ہے اور جنگی صورت حال سے دوچار ہے۔ اس قسم کے حالات بھی پاکستان کی مجموعی پیداوار اور فی کس آمدنی میں کمی کا باعث بنتے ہیں۔

13۔ بدعنوانی (Corruption)

پاکستان میں ہر شخص مادی دوڑ میں حصہ لینے کا خواہشمند ہے بدعنوانی ہر سطح پر بڑھتی جا رہی ہے۔ ہمارے بہت سے فیصلوں کے پیچھے ملکی مفاد کی بجائے ذاتی اور گروہی مفادات پوشیدہ ہوتے ہیں۔ دیانت دار اور محنتی افراد کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور وہ مایوس ہو کر ملکی ترقی میں اپنا وہ حصہ ڈالنے سے قاصر رہتے ہیں جس کے وہ اہل ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے قومی پیداوار پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

14۔ سرمایہ کی بیرون ملک منتقلی (Capital Flight)

پاکستان کا ایک بہت بڑا مسئلہ جو گذشتہ دہائیوں میں بہت زیادہ ابھر کر سامنے آیا ہے وہ سرمایہ کی بڑی مقدار میں بیرون ملک منتقلی کا ہے۔ سرمایہ دار طبقہ اپنے سرمایہ کو متحدہ عرب امارات، سوئٹزرلینڈ، امریکہ و برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک کے بنکوں میں رکھنا زیادہ محفوظ سمجھتا ہے۔ جس سے ملک کے اندر سرمایہ کی کمی واقع ہوتی جاتی ہے اور ملکی سرمایہ کاری، پیداوار، قومی آمدنی اور فی کس آمدنی پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

15۔ اعلیٰ دماغ لوگوں کی بیرونِ ملک منتقلی (Brain Drain)

پاکستان میں بڑھتی ہوئی بدعنوانی، ملازمتوں کے اچھے مواقع کی کمی، تنخواہوں اور اُجرتوں کا کم معیار، محنتی لوگوں کی حوصلہ شکنی، جرائم کی بڑھتی ہوئی رفتار، اشیا کا ناخالص ہونا اور دیگر بہت سی وجوہات کی بنا پر نوجوانوں اور خاص طور پر ہنر مند طبقات میں بیرون ملک منتقلی کا رُجحان بہت تیزی سے بڑھا ہے۔ جس کی وجہ سے اندرون ملک ہم ان افراد کی صلاحیتوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکے اور قومی آمدنی و فی کس آمدنی میں بھی خاطر خواہ اضافہ نہیں ہو سکا۔

فی کس آمدنی میں اضافہ کے لیے تجاویز

(Measures of Increase in Per Capita Income)

پاکستان کی فی کس آمدنی میں اضافہ کے لئے درج ذیل اقدامات مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

1۔ زرعی ترقی (Agricultural Development)

پاکستان ایک زرعی ملک ہے اس کی قومی آمدنی کا زیادہ تر انحصار زراعت پر ہے لہٰذا زرعی ترقی کے لیے درج ذیل اقدامات اہمیت کے حامل ہیں۔ پاکستان میں جدید کاشت کاری کو فروغ دیا جائے۔ حکومت کسانوں کو آسان قسطوں پر مالی قرضے مہیا کرے۔ زراعت میں ترقی کے لئے ریسرچ سنٹر قائم کیے جائیں تاکہ نئے بیج اور دوسرے مداخل میں ترقی ہو سکے۔ آب پاشی کے لئے ڈیم بنائے جائیں، ٹیوب ویل لگائے جائیں۔ سیم و تھور کی شکار اراضی کو بحال کرنے کے ساتھ ساتھ دوسری بنجر زمینوں کو بھی آباد کیا جائے۔ جنگلات میں اضافہ کیا جائے۔ انتشار اراضی اور غیر معاشی قطعات کی تقسیم کی روک تھام کے لئے قوانین بنا کر ان پر سختی سے عمل کیا جائے۔ زرعی اصلاحات کے ذریعے جاگیرداری نظام کی حوصلہ شکنی کی جائے اور کاشتکاروں کو زرعی اراضی کے مالکانہ حقوق دیے جائیں۔

2۔ صنعتی ترقی (Industrial Development)

زرعی ترقی کے ساتھ ساتھ صنعتی ترقی بھی لازمی ہے کیونکہ یہ دونوں شعبے ایک دوسرے کے لئے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ صنعتی ترقی کے لئے جدید ٹیکنالوجی اور سائنس سے استفادہ کیا جائے۔ مزدوروں اور دوسرے محنت کاروں کی استعداد پیداوار میں اضافہ کے لئے تربیتی مراکز قائم کئے جائیں۔ انہیں تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا جائے۔ ملک میں گھریلو دستکاریوں اور چھوٹی صنعتوں کو فروغ دیا جائے۔ برآمدی مصنوعات اور درآمدی متبادل پیدا کئے جائیں۔ دُور دراز علاقوں سے خام مال منگوانے اور مصنوعات پہنچانے کے لئے ذرائع نقل و حمل اور مواصلات کو ترقی دی جائے۔ جن صنعتوں میں نجی سرمایہ کار جھجک محسوس کریں ان میں حکومت خود سرمایہ کاری کرے مثلاً بھاری مشینری وغیرہ۔ صنعتی ترقی کے لئے حکومت طویل مدت قرضے مہیا کرے۔

3۔ ذرائع توانائی کی ترقی (Development of Energy Resources)

توانائی کے مختلف ذرائع مثلاً بجلی، گیس، تیل، کوئلہ، شمسی توانائی حاصل کرنے کے غیر روایتی ذرائع (Informal Resources) کو استعمال میں لا کر ملک میں ایندھن کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اقدامات کیے جائیں۔ اسی طرح عوام الناس کو ایندھن کے ضیاع سے روکنے اور اس کی بچت کی طرف راغب کیا جائے۔

4۔ ترقی کا جذبہ (Spirt of Progress)

کسی بھی ملک کی ترقی کے لئے اس کے باشندوں میں ترقی کرنے کا جذبہ اور ارادہ بہت ضروری ہے۔ لوگ انفرادی مفادات پر اجتماعی مفادات کو ترجیح دیں۔ اپنا کام نہایت ذمہ داری اور فرض شناسی سے سرانجام دیں۔ لوگ دیانت اور امانت کو اپنا شعار بنائیں۔ جب کسی قوم میں احساس ذمہ داری پیدا ہو جائے اور یہ شعور بیدار ہو جائے کہ ملک کا مفاد ان کا اپنا مفاد ہے تو اس راستے میں حائل تمام رکاوٹیں ختم ہو جاتی ہیں۔

5۔ موافق توازن تجارت (Favourable Balance of Trade)

پاکستان کی غیر موافق بین الاقوامی تجارت بھی اس کی قومی آمدنی میں کمی کا بڑا سبب ہے۔ بین الاقوامی تجارت میں ایسی تبدیلیاں لائی جائیں جس سے ملک کو ترقی کرنے میں مدد ملے اس کے لئے خام مال کی بجائے مصنوعات برآمد کی جائیں۔ برآمدی اشیا کی تعداد بڑھائی جائے اس کے علاوہ برآمدی اشیا کا معیار بڑھانے کے لئے اقدامات کئے جائیں۔ مزید ملکوں کے ساتھ تجارتی معاہدے کر کے اپنی تجارت کو فروغ دیا جائے۔ نئی نئی منڈیاں تلاش کی جائیں۔ صرف نہایت ضروری اشیا درآمد کی جائیں۔ درآمدی اشیا کے نعم البدل ملک میں ہی تیار کئے جائیں۔ ہمارے ملک میں سیر وسیاحت کے مقامات کو مزید دلفریب اور پُرکشش بنایا جائے تا کہ دوسرے ملکوں سے سیاحوں میں اضافہ ہو سکے۔ بحری، بری اور فضائی ذرائع نقل وحمل کو جدید تقاضوں کے مطابق تبدیل کیا جائے تا کہ یہ ذرائع بھی آمدنی کا ذریعہ بن سکیں۔ دوسرے ممالک میں ملازمت کے مواقع تلاش کر کے افرادی قوت برآمد کر کے زرمبادلہ کمایا جائے۔

6۔ سیاسی استحکام (Political Stability)

معاشی ترقی اور قومی آمدنی میں اضافہ کے لئے سیاسی استحکام نہایت ضروری ہے تا کہ لوگوں میں بے اعتمادی کی فضا پیدا نہ ہو۔ خارجہ پالیسی کے ذریعے دوسرے پڑوسی ملکوں سے دوستانہ تعلقات پیدا کئے جائیں تا کہ ان سے سیاسی تنازعات پُرامن طریقے سے حل کر کے دفاع پر اخراجات کم کئے جا سکیں۔

7۔ تشکیلِ سرمایہ میں اضافہ (Increase in Capital Formation)

کسی بھی ملک کی ترقی کے لئے سرمایہ کا ہونا ضروری ہے لہٰذا سرمایہ اندوزی کو بڑھانے کے لئے بینکاری نظام کو جدید تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے۔ بچتوں کو بڑھانے کے لئے زیادہ سے زیادہ ترغیبات دی جائیں اور ان بچتوں کو اس طرح استعمال کیا جائے تا کہ اس سے قومی آمدنی بڑھے۔ بینکوں کے علاوہ دوسرے مالی ادارے بھی قائم کئے جائیں تا کہ لوگوں کی چھوٹی چھوٹی بچتوں کو اکٹھا کیا جا سکے۔

8۔ موثر معاشی منصوبہ بندی (Effective Economic Planning)

معاشی ترقی کے لئے جدید زمانہ میں معاشی منصوبہ بندی کرنا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ منصوبہ بندی کے ذریعے موجودہ ذرائع کو بہتر طور پر استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے منصوبہ بندی کی جائے تا کہ زیادہ سے زیادہ روزگار کے مواقع پیدا ہوں۔ توانائی کے وسائل کو ترقی دی جائے۔ عام تعلیم اور فنی تعلیم کو فروغ دیا جائے۔ نئے وسائل اور ذرائع کی دریافت سے معاشی ترقی کی رفتار کو تیز تر کیا جائے۔ بنیادی تحتی ڈھانچہ (Basic Infrastructure) اور اشیائے سرمایہ میں اضافہ کیا جائے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی سے استفادہ کیا جائے۔

9۔ دولت کی مساویانہ تقسیم (Equitable Distribution of Wealth)

ملک میں دولت کی مساویانہ تقسیم سے ہنرمند افراد بھی اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر قومی آمدنی میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ حکومت ایسے لوگوں کے لئے قرضوں کا انتظام کرے۔ محصولات کا نظام اس طرح بنایا جائے کہ دولت کا رخ امیروں سے غریبوں کی طرف مڑ سکے۔

10۔ شرح خواندگی میں اضافہ (Increase in Literacy Rate)

کسی بھی ملک کی پیداوار میں اضافہ اور فی کس آمدنی میں اضافہ کی راہ میں ناخواندگی و جہالت ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ علم انسان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو جگاتا ہے اور ان میں کام کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ گویا علم اور ہنر سے کسی بھی ملک کو ترقی کی راہوں پر لایا جا سکتا ہے۔

11۔ آبادی کی منصوبہ بندی (Population Planning)

ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کو روکنے کے لئے منصوبہ بندی سے کام لیا جائے۔ لوگوں میں تعلیم عام کی جائے تاکہ وہ بڑھتی ہوئی آبادی کے نقصانات سے روشناس ہو سکیں۔ اس کے علاوہ فاضل محنت کو اس طرح استعمال میں لایا جائے کہ وہ ملکی معیشت پر بوجھ بننے کی بجائے اس کے لئے باعث رحمت ثابت ہو۔

12۔ قرضوں سے نجات (Debt Retirement)

اندرونی و بیرونی قرضے پاکستان کے عوام اور حکومت پر بہت بڑا بوجھ ہیں ان قرضوں سے جلد از جلد نجات کے نتیجے میں بہت سے وسائل قومی ترقی اور پیداوار میں اضافہ کے لئے استعمال ہو سکیں گے اور فی کس قومی آمدنی میں اضافے کا ذریعہ ثابت ہونگے۔

13۔ ہنرمند افراد کی حوصلہ افزائی (Encouragement of the Skilled Labour)

اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ہنرمند افراد کسی بھی قوم کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔ ملک و قوم کو جن افراد کی ضرورت ہو اور وہ مایوس ہو کر ملک چھوڑ جائیں یہ اس ملک و قوم کی بدقسمتی ہے۔ ایسے افراد کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جائے انہیں سہولتیں بہم پہنچائی جائیں تو وہ ملک و قوم کی ترقی، پیداوار، قومی و فی کس آمدنی میں اضافہ کے سلسلہ میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

7.4 ٹیکس کلچر (Tax Culture)

کسی بھی حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے اقدامات کرے۔ ملک کی سرحدوں کی حفاظت، اندرون ملک امن و امان کا قیام، عدلیہ، انتظامیہ اور مقننہ (قانون ساز ادارے) کا قیام، عوامی فلاح و بہبود کے لئے اقدامات، بے روزگاری کا خاتمہ، افراط زر اور تفریطِ زر کی صورت حال کو کنٹرول کرنا۔ ملک کے مختلف حصوں کو یکساں ترقی دینے کے لئے اقدامات کرنا اور شہری و دیہی آبادی کو بنیادی سہولتیں فراہم کرنا حکومت کی بنیادی ذمہ داریاں ہیں۔

حکومت کے لئے ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآں ہونا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک اسے عوام کا بھرپور تعاون حاصل نہ ہو۔ عوام کے تعاون کی ایک شکل حکومت کی طرف سے عوام پر عائد شدہ محصولات (ٹیکسوں) کی ادائیگی ہے۔ کوئی بھی حکومت اس وقت تک مذکورہ بالا مقاصد حاصل نہیں کر سکتی جب تک اس کے پاس آمدنی اور مالیات نہ ہوں۔ دور جدید میں حکومتی آمدنی کا سب سے اہم اور بڑا ذریعہ وہ محصول (ٹیکس) ہیں جو حکومتیں عوام پر عائد کرتی ہیں۔

پروفیسر ڈی وی ٹی (De Viti) کے بقول ٹیکس (Tax) حکومت کی ان خدمات کا معاوضہ ہے جو وہ لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے سرانجام دیتی ہے مثلاً بیرونی حملوں سے بچاؤ کے لئے فوج رکھنا، اندورن ملک امن وامان قائم رکھنا، پولیس اور عدالتوں کا وسیع انتظام کرنا وغیرہ۔

حکومتوں کو ادا کئے جانے والے ٹیکسوں کی کئی اقسام ہیں۔ ان ٹیکسوں کو ہم دو بڑی اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(الف) براہ راست محصول (Direct Taxes)

(ب) بالواسطہ محصول (Indirect Taxes)

براہ راست ٹیکسوں میں آمدنی ٹیکس (Income Tax)، دولت ٹیکس (Wealth Tax)، جائیداد ٹیکس (Property Tax) وغیرہ شامل ہیں جبکہ بالواسطہ ٹیکسوں میں بکری ٹیکس (Sales Tax)، ایکسائز ڈیوٹی (Excise Duty) وغیرہ شامل ہیں۔

براہ راست ٹیکس کی ادائیگی کرنے والا شخص ٹیکس کی رقم براہ راست حکومتی خزانہ میں جمع کرواتا ہے جبکہ بالواسطہ ٹیکس کسی کاروباری ادارہ وغیرہ کو ادا کیا جاتا ہے اور وہ ادارہ حکومتی خزانہ میں جمع کرواتا ہے مثلاً مختلف اشیا پر سیلز ٹیکس وغیرہ۔

اچھے نظام محصول کے لئے ضروری ہے کہ اس کی بنیاد ماہرین معاشیات کی طرف سے دیئے گئے اصولوں پر رکھی گئی ہو جو نظام سادہ ترین اور عام فہم ہوگا وہی کامیاب ہوگا۔ پیچیدہ اور نہ سمجھ میں آنے والے نظام محصولات کا نفاذ لوگوں میں اس نظام سے نفرت کی صورت میں نکلتا ہے۔ اسی طرح اس نظام ٹیکس کا نتیجہ اگر معاشرہ میں دولت کی منصفانہ تقسیم کی صورت میں نکلے، زیادہ سے زیادہ رقوم کم سے کم شرح ٹیکس کی صورت میں جمع ہوں، ٹیکس دہندگان پر ٹیکس ان کی ادائیگی کی صلاحیت (Ability to pay) کے مطابق لگایا جائے، ٹیکس جمع کرنے پر کم سے کم اخراجات اٹھانے پڑیں۔ ٹیکسوں کی وصولی کا نظام ٹیکس دہندگان کے لئے آسان ہو، اسی طرح اس نظام ٹیکس میں لچک ہو، ادائیگی کے وقت اور رقم کی ادائیگی کے بارے میں ٹیکس دہندگان کو پوری معلومات ہوں۔ ٹیکس دہندگان پر اعتماد کیا جائے۔ ٹیکسوں کے ذریعے حاصل ہونے والی آمدنی زیادہ سے زیادہ عوامی فلاح و بہبود پر خرچ ہو اور حکمرانوں کی عیاشیوں اور بے جا اخراجات پر ضائع نہ ہوتی ہو تو ملک میں ایک اچھا ٹیکس کلچر وجود میں آسکتا ہے۔ عوام ٹیکس کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے ادا کرتے ہیں۔ ٹیکس چوری کا کلچر فروغ نہیں پاتا۔ بصورت دیگر لوگ ٹیکسوں کی ادائیگی سے بچنے کے لئے طرح طرح کے بہانے تراشتے ہیں، رشوت کا بازار گرم ہوتا ہے، ٹیکس چھپانے اور جھوٹ بولنے کا کلچر عام ہو جاتا ہے۔ یوں کل وصولی میں ہونے والی کمی کو پورا کرنے کے لئے ٹیکس کی شرح میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں لوگ ٹیکس چوری کے لئے نئے راستے تلاش کرتے ہیں۔ اس لئے ماہرین معاشیات یہ تجویز کرتے ہیں کہ ملک میں ٹیکس کلچر کو فروغ دینے کے لئے ٹیکس کے نظام کو سادہ، عام فہم اور عوام دوست بنایا جائے تاکہ ملک معاشی طور پر خود کفالت اور ترقی کی منازل طے کر سکے۔

پاکستان میں ٹیکس کلچر (Tax Culture in Pakistan)

پاکستان کی آبادی 191.71 ملین ہے۔ لیکن اتنی بڑی آبادی والے ملک میں ٹیکس گزاروں کی تعداد بہت کم ہے۔ اس میں بھی اکثریت تنخواہ دار طبقے کی ہے۔ حالانکہ گذشتہ 67 سالوں میں مالدار طبقہ کی دولت میں بے انتہا اضافہ ہوا ہے۔ گذشتہ چند سالوں میں پراپرٹی کے کاروبار میں لوگوں نے اربوں روپے کمائے ہیں۔ لیکن ملک کی ترقی و خوشحالی کے لیے جس انداز میں ٹیکس کلچر کو فروغ پانا چاہیے تھا اور ملکی آمدنی میں اضافہ ہونا چاہیے تھا ایسا نہیں ہو سکا۔ آج بھی پاکستان میں خام ملکی پیداوار (GDP) کے تناسب سے ٹیکس کی شرح (Tax to GDP ratio) 9.2 فیصد بنتی ہے جو دنیا کے دیگر ممالک کے مقابلے میں بہت کم ہے۔

بجٹ 12-2011 میں اعلان کیا گیا کہ پاکستان میں مزید 23 لاکھ ایسے افراد کی نشاندہی ہو چکی ہے جو ٹیکس ادا کرنے کے قابل ہیں تاہم اس سال ان میں سے 7 لاکھ لوگوں کو ٹیکس نیٹ میں لایا جائے گا اور ان میں سے ابھی 71 ہزار لوگوں کو نوٹس جاری کیے جا چکے ہیں۔

پاکستان میں مختلف سالوں میں ٹیکس وصولی

سال	کل وصولی (ارب روپے)	براہ راست ٹیکس (ارب روپے)	بالواسطہ ٹیکس (ارب روپے)
2004-05	588.3	176.9	411.4
2005-06	713.5	225.0	488.5
2006-07	847.2	333.7	513.5
2007-08	1008.1	387.9	620.2
2008-09	1161.1	443.5	717.6
2009-10	1327.1	526.0	801.4
2010-11	1558.2	602.5	955.7
2011-12	1882.7	738.4	1144.3
2012-13	1946.4	743.4	1203.0

ٹیکس وصولی کی شرح حیرت انگیز کم ہے۔ اس کی بنیادی وجہ پاکستان میں ٹیکس کلچر کا صحیح انداز میں پروان نہ چڑھنا ہے۔ حکومت پاکستان کے جاری کردہ اکنامک سروے میں اس کی درج ذیل وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

1۔ پیچیدہ نظام ٹیکس (Complex)
2۔ غیر لچک دار (Inelastic)
3۔ غیر مستعد (Inefficient)
4۔ غیر منصفانہ (Inequitable)
5۔ ناجائز (Unfair)

ٹیکس کلچر کو فروغ دینے کے لیے حکومتی اقدامات

پاکستان میں ٹیکس کلچر کو فروغ دینے کے لیے حکومت پاکستان نے سال 2002 میں درج ذیل اقدامات کیے ہیں۔

1۔ کالا دھن سفید کرنے کی تمام سکیموں کا خاتمہ کر دیا گیا۔
2۔ ٹیکس سروے کروایا گیا اور ڈاکومینٹیشن کی گئی۔ اس کے نتیجے میں 2,34,189 نئے انکم ٹیکس دہندگان کا اضافہ ہوا اور 34000 نئے سیلز ٹیکس دہندگان بڑھے۔
3۔ دولت ٹیکس (Wealth Tax) کو ختم کر دیا گیا۔
4۔ مرکزی و صوبائی سطح پر ٹیکسوں کی تعداد کم کی گئی۔
5۔ ٹیکس انتظامیہ میں بنیادی سطح پر تبدیلیوں کا آغاز کیا گیا۔

6۔ زرعی ٹیکس کے نفاذ کا آغاز کیا گیا۔
7۔ جنرل سیلز ٹیکس (GST) کا دائرہ کار وسیع کیا گیا۔
8۔ سیلز ٹیکس واپسی (Refund) کے نظام کو سہل بنانے کے لئے الیکٹرانک طریق کار کا آغاز کیا گیا۔
9۔ ٹیکس کلچر کو فروغ دینے کے لئے لوگوں کو ٹیکس کے تعین میں خودکار نظام ٹیکس (Self Assessment Scheme) کا آغاز کیا گیا اور ٹیکس دہندگان پر اعتماد کو فروغ دینے کے لئے اقدامات کئے گئے۔
10۔ کراچی میں بڑے پیمانے کا ٹیکس ادائیگی کا یونٹ (Large Tax payer Unit) اور لاہور اور پشاور میں درمیانے درجے کا یونٹ (Medium Tax Payer Unit) قائم کیا گیا۔

حکومت پاکستان نے وقتاً فوقتاً ایسے اقدامات کا اعلان کیا ہے کہ جس کے نتیجے میں لوگوں میں ٹیکس ادائیگی کا شعور اور کلچر فروغ پا رہا ہے لیکن اس نظام پر لوگوں کے اعتماد کو فروغ دینے کے لئے ابھی بھی بہت سے اقدامات کرنا ضروری ہیں تاکہ لوگوں کا نظام ٹیکس پر اعتماد بحال ہو اور وہ اسے اپنی قومی ذمہ داری سمجھتے ہوئے ٹیکس کلچر کا حصہ بنیں۔

مشقی سوالات

سوال 1: نیچے دیئے گئے ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات میں سے دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

-1 پاکستان کی فی کس آمدنی ہے۔
(الف) 1254 ڈالر (ب) 1095 ڈالر
(ج) 972 ڈالر (د) 1,512 ڈالر

-2 فی کس آمدنی ہوتی ہے۔
(الف) فی مزدور آمدنی (ب) فی خاندان آمدنی
(ج) فی فرد آمدنی (د) فی فرم آمدنی

-3 فی کس آمدنی کے لحاظ سے پاکستان کا شمار ہوتا ہے۔
(الف) زیادہ فی کس آمدنی والے ملکوں میں (ب) درمیانی آمدنی والے ملکوں میں
(ج) کم آمدنی والے ملکوں میں (د) ان میں سے کوئی نہیں

-4 قومی آمدنی مشتمل ہوتی ہے۔
(الف) ملک کی تمام زرعی پیداوار پر (ب) تمام صنعتی پیداوار پر
(ج) تمام مزدوروں کی آمدنیوں کے مجموعہ پر
(د) ایک سال کے دوران ملک میں پیدا ہونے والی تمام اشیا و خدمات کی مجموعی مالیت پر۔

5- فی کس آمدنی مساوی ہے۔

(الف) کل قومی آمدنی / کل صرفی اخراجات (ب) کل قومی آمدنی / کل آبادی

(ج) کل قومی آمدنی / کل جمعیت محنت (د) کل قومی آمدنی / ملک میں کل نوجوان

6- پاکستان کی قومی آمدنی کی پیمائش میں رکاوٹ نہیں ہے۔

(الف) غیر ذمہ دار عملہ (ب) عوام کا عدم تعاون

(ج) ناخواندگی (د) صحیح اعداد و شمار

سوال 2: درج ذیل جملوں میں دی گئی خالی جگہیں پُر کریں۔

1- پاکستان کی معیشت میں سب سے بڑا شعبہ __________ ہے۔

2- فی کس آمدنی = کل قومی آمدنی تقسیم __________۔

3- پاکستان کی خام قومی پیداوار میں ______ کا حصہ مسلسل بڑھ رہا ہے۔

4- ٹیکس کلچر کو فروغ دینے کے لئے حکومت پاکستان نے سال 2002 میں ایک ______ کروایا اور ڈاکومینٹیشن کی۔

5- پاکستان میں ______ ٹیکس کا دائرہ وسیع کیا جا رہا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ قومی خزانے کے لئے قربانی دے سکیں۔

سوال 3: کالم (الف) اور کالم (ب) میں دیے گئے جملوں میں مطابقت پیدا کر کے دُرست جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
خام قومی پیداوار میں حصہ کم ہو رہا ہے۔	بلا معاوضہ خدمات	
پاکستان کی فی کس آمدنی 15-2014 میں	کم شرح فی کس آمدنی	
کسی ملک میں ایک شخص کے حصہ میں آنے والی اوسط آمدنی	غیر ذمہ دار عملہ	
قومی آمدنی کی پیمائش میں مشکلات	سرمایہ کاری	
قومی آمدنی میں شامل نہیں ہوتی	زراعت	
ٹیکس	1,512 امریکی ڈالر	
	بالواسطہ/ بلا واسطہ	
	فی کس آمدنی	

سوال 4: درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے۔

1- پاکستان میں معیار زندگی پست ہونے کی پانچ وجوہات لکھیے۔

2- صنعتی ترقی کے فروغ کے لئے چار تجاویز دیجیے۔

3- ملک میں زرعی پیداوار میں اضافہ کے لئے چار تجاویز تحریر کیجئے۔

4- پاکستان میں توازن تجارت کو موافق بنانے کے لئے چار تجاویز دیجئے۔

5- پاکستان کی قومی آمدنی میں مختلف شعبوں کا حصہ بیان کیجئے۔

سوال 5: درج ذیل سوالات کے جوابات تفصیل سے تحریر کریں۔

1۔ پاکستان میں قومی آمدنی کی پیائش کے سلسلہ میں درپیش مشکلات بیان کریں۔

2۔ فی کس آمدنی سے کیا مراد ہے؟ پاکستان میں فی کس آمدنی کم ہونے کی وجوہات تحریر کیجئے۔

3۔ پاکستان میں فی کس آمدنی بڑھانے کے لئے تجاویز پیش کریں۔

4۔ پاکستان میں لوگوں کا معیار زندگی پست ہونے کی کیا وجوہات ہیں؟ معیار زندگی بلند کرنے کے لئے تجاویز پیش کریں۔

5۔ ٹیکس کلچر سے کیا مراد ہے؟ پاکستان میں ٹیکس کلچر کو کیسے فروغ دیا جا سکتا ہے؟

باب 8
معاشی ترقی ومنصوبہ بندی
(ECONOMIC DEVELOPMENT AND PLANNING)

معاشی ترقی (Economic Development)

معاشی ترقی سے مراد کسی پسماندہ معیشت کا ترقی یافتہ معیشت کی طرف گامزن ہونا ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے کہ جس کے دوران جدید اور ترقی یافتہ ذرائع کو اختیار کر کے، انسانی وسائل کی بہتری کے ذریعے اور سرمایاتی ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے معیشت میں ایسی تبدیلیاں لائی جاتی ہیں کہ ملک کی خام قومی آمدنی بڑھتی ہے۔ لوگوں کا معیار زندگی بلند ہوتا ہے۔ عوام الناس کو تعلیم، صحت، روزگار اور تفریح کے بہتر مواقع میسر آتے ہیں۔

8.1 معاشی ترقی کی تعریف (Definition)

مختلف ماہرین معاشیات نے معاشی ترقی کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

پروفیسر آرتھر لیوس (Professor Aurther Lewis)

''معاشی ترقی اشیاو خدمات کی پیداوار میں اضافہ کا نام ہے۔ اس اضافہ کا معاشرتی بہبود یا تسکین سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اشیاو خدمات کی پیداوار میں اضافے کے عمل کی وجہ سے لوگوں کی تسکین پہلے سے کم ہو جائے۔''

ایچ ایف ولیم سن (H.F.Willimson) کے مطابق

"Economic development or economic growth is a process, whereby the people of a country or a region come to utilize the available resources, to bring about a sustained increase in per capita production of goods and services. "

"معاشی ترقی یا معاشی نشوونما ایک ایسا عمل ہے کہ جس کے ذریعے کسی ملک یا خطے کے لوگ دستیاب وسائل کو استعمال میں لا کر اشیاو خدمات کی فی کس مقدار میں مسلسل اضافہ کر رہے ہوں۔"

مائر اینڈ بالڈون (Meier and Baldwin) نے معاشی ترقی کی تعریف یوں کی ہے:

"Economic Development is a process whereby an economy's real national income increases over a long period of time and if the rate of development is greater than the rate of growth of population, then per capita real income will also increase"۔

''معاشی ترقی ایک ایسے عمل کا نام ہے کہ جس کے دوران کسی معیشت میں حقیقی قومی آمدنی طویل مدت تک بڑھتی رہتی ہے اور اگر ترقی کی شرح، آبادی میں ہونے والے اضافہ سے زیادہ ہو تو فی کس قومی آمدنی بھی بڑھتی ہے''۔

درج بالا تعریفوں کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ مائر اینڈ بالڈون (Meier & Baldwin) کی معاشی ترقی کی تعریف ایک

جامع اور حقیقت پر مبنی ہے کیونکہ ان ماہرین کے نزدیک معاشی ترقی ایک عمل ہے جس کے نتیجے میں قومی آمدنی ایک طویل عرصہ تک بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس تعریف کا ایک پہلو "عمل" اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ ملک میں طلب و رسد میں تغیرات رونما ہوتے ہیں جن کے تحت ملکی وسائل استعمال ہوتے ہیں۔ قومی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے۔ سرمایہ کاری کے مواقع بڑھتے ہیں۔ لوگوں کی آمدنیوں میں اضافہ ہوتا ہے اور معیار زندگی بہتر ہوتا ہے۔ تعریف کے حوالے سے رسد میں درج ذیل تغیرات پیدا ہوتے ہیں۔

i) نئے معاشی وسائل کی دریافت اور استعمال

ii) پیداواری جدت سازی

iii) فنی صلاحیتوں میں ترقی

iv) معاشی نشوونما میں تیزی

طلب کے تغیرات حسب ذیل ہیں۔

i) معیار زندگی میں تیزی

ii) آمدنی میں اضافہ

iii) پیداواری عمل میں اصلاح

iv) شرح افزائش آبادی میں تیزی وغیرہ

پروفیسر مائر اینڈ بالڈون کے مطابق معاشی ترقی کا عمل محض سال یا دو سال پر محیط نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے 20 یا 25 سال تک کا عرصہ درکار ہوتا ہے۔ ملکی وسائل تیزی سے استعمال میں لائے جاتے ہیں۔ ملک کے بنیادی ڈھانچے میں مثبت تبدیلی آجاتی ہے اور اگر قومی آمدنی میں اضافہ کی شرح آبادی میں اضافہ کی شرح سے زیادہ ہو تو فی کس آمدنی بھی بڑھتی ہے۔

معاشی ترقی کی پیمائش (Measurement of Economic Development)

مختلف ماہرین معاشیات نے معاشی ترقی کی پیمائش کیلئے مختلف مظاہر (Indicators) کو بیان کیا ہے۔ جس کی روشنی میں کسی معیشت کے بارے میں اندازہ کیا جاتا ہے کہ وہ معیشت معاشی ترقی کی طرف گامزن ہے یا نہیں؟

معاشی ترقی کا اندازہ لگانے کے لئے جن مظاہر کو پرکھا جاتا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

(1) حقیقی قومی پیداوار میں اضافہ (Increase in Real National Output)

معاشی ترقی کا سب سے اہم مظہر کسی بھی ملک کی حقیقی قومی آمدنی میں اضافہ ہے۔ اگر کسی ملک کی زری قومی آمدنی بڑھ رہی ہو لیکن ایسا صرف افراط زر کی وجہ سے ہو تو معاشی ترقی کی بجائے معیشت معاشی تنزل کی طرف گامزن ہوگی لیکن اگر حقیقی طور پر ملکی پیداوار میں اضافہ ہو رہا ہو تو یہ معاشی ترقی کے لئے مثبت اور اہم ترین مظہر ہوگا۔

(2) فی کس قومی آمدنی میں اضافہ (Increase in Per Capita Income)

جب حقیقی قومی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے تو اس کے نتیجے میں حقیقی فی کس قومی آمدنی (Real Per Capita Income) میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور لوگوں کا معیار زندگی بہتر ہو جاتا ہے اور اگر ملک میں دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں میں ہو، امیر بہت زیادہ امیر اور غریب انتہائی غربت کا شکار ہوں تو یہ طریقہ معیشت کی ترقی کی صحیح عکاسی نہیں کر پاتا۔ تاہم اگر معاشی ترقی کے نتیجے میں دولت کی تقسیم کی صورت بہتر

ہوتی چلی جائے تو فی کس قومی آمدنی کا طریقہ بھی معاشی ترقی کو جانچنے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

(3) سرمایہ کی اشیا کی پیداوار میں اضافہ (Increase in Capital Goods)

کسی معیشت میں اشیائے سرمایہ (Capital Goods) کی پیداوار میں اضافہ بھی معیشت کی ترقی کا مظہر ہوتا ہے۔

(4) محنت کی کارکردگی میں اضافہ (Increase in Labour Efficiency)

اگر محنت کی فی کس اکائی پہلے کی نسبت مہارت اور کارکردگی میں بہتر ہو اور اشیا کی مقدار اور معیار پہلے سے بہتر ہو تو یہ معاشی ترقی کی علامت تصور کیا جاتا ہے۔

8.2 ترقی پذیر معیشت کے مسائل (Problems of Under Developed Economy)

پروفیسر نرکسے (Professor Nurkse) کے مطابق "غیر ترقی یافتہ ممالک سے مراد وہ ممالک ہیں جن کی آبادی اور قدرتی وسائل کے مقابلہ میں سرمایہ کی کمی ہو"۔ بعض دوسرے ماہرین معیشت کے مطابق اگر کسی ملک میں کام کرنے والے لوگوں (Labour Force) کا پچاس فی صد حصہ زراعت، ماہی گیری اور جنگلات پر انحصار کرے تو ایسی معیشت غیر ترقی یافتہ معیشت ہوتی ہے۔

غیر ترقی یافتہ یا ترقی پذیر معیشتوں کو کئی طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جن میں سے چند ایک اہم مسائل حسب ذیل ہیں۔

1۔ پست فی کس آمدنی (Low per Capita Income)

ترقی پذیر ممالک میں رہنے والے لوگوں کی اکثریت کو غربت کا سامنا ہوتا ہے۔ فی کس آمدنی کا پست معیار ان کی غربت کی نشاندہی کرتا ہے۔ تعلیم وصحت کی سہولتوں کا فقدان ہوتا ہے۔ بچتوں کی شرح کم ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے تشکیل سرمایہ بھی نہیں ہو پاتی۔ یوں غربت وافلاس کا چکر ایسی معیشت کا مقدر بنا رہتا ہے اور یہ معیشتیں افلاس کے اس منحوس چکر سے باہر نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتی رہتی ہیں۔

2۔ بیرونی قرضوں کا بوجھ (Burden of Foreign Debt)

غیر ترقی یافتہ معیشت میں بچتوں اور سرمایہ کی کمی ہوتی ہے۔ جسے پورا کرنے کے لئے ان ممالک کو بیرونی قرضوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ ان ممالک پر جوں جوں بیرونی قرضوں کا بوجھ بڑھتا جاتا ہے۔ اسی طرح بیرونی قرضوں پر ادا کیا جانے والا سود بھی بڑھتا جاتا ہے اور مصارف قرضہ (Debt Servicing) بھی بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ بجٹ کا ایک بڑا حصہ ان کی نذر ہو جاتا ہے۔ اس خسارہ کو پورا کرنے کے لیے یہ ممالک مزید قرضہ لیتے ہیں اور یوں ایک ایسے منحوس چکر میں پھنس جاتے ہیں۔ جہاں سے نکلنا وقت گزرنے کے ساتھ دشوار ہوتا جاتا ہے اور یوں معیشت مزید تنزل کا شکار ہو جاتی ہے۔

3۔ آبادی میں تیز اضافہ (Rapid Growth of Population)

ترقی پذیر ممالک میں آبادی میں اضافہ کی شرح بہت زیادہ ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے ان ممالک کو بے روزگاری، بھوک، غربت وافلاس، فی کس قومی آمدنی میں کمی اور صحت وتعلیم کی سہولتوں کے فقدان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

4۔ وسائل کا غیر پیداواری استعمال (Unproductive Use of Resources)

ترقی پذیر معیشتیں زیادہ تر اشیائے صرف پیدا کرتی ہیں اور ان کی درآمدات بھی زیادہ تر ایسی ہی اشیا پر مشتمل ہوتی ہیں جن سے

قومی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہو پاتا اور وسائل کا رخ صنعتی اشیا کی طرف نہیں مڑتا۔ جس کی وجہ سے معیشت ترقی نہیں کر پاتی۔

5۔ سرمایہ کی قلت (Capital Scarcity)

فی کس آمدنی کم ہونے کی وجہ سے ترقی پذیر معیشت میں بچتوں کی شرح کم ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ سرمایہ کی قلت کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اس لئے قرضوں پر انحصار بڑھ جاتا ہے۔

6۔ زراعت پر دارومدار (Dependance on Agriculture)

بیشتر ترقی پذیر ممالک کی معیشت کا دارومدار زراعت پر ہوتا ہے۔ جبکہ زرعی مشینری کا کم استعمال، کیڑے مار ادویات کا فقدان اور دیگر معیاری زرعی مداخل کی عدم دستیابی کی وجہ سے زرعی پیداوار میں بھی خاطر خواہ اضافہ نہیں ہو پاتا۔

7۔ قدرتی وسائل سے کم استفادہ (Under Utilization of Natural Resources)

بہت سے ترقی پذیر ممالک میں قدرتی وسائل کی بہتات ہونے کے باوجود اُن سے خاطر خواہ استفادہ نہیں کیا جاتا۔ اول تو بے شمار قدرتی وسائل تک رسائی ہی نہیں کی جاتی اور اگر رسائی کر لی جائے تو ان سے صنعتی اشیا پیدا کرنے کی بجائے خام صورت میں برآمد کر دیا جاتا ہے۔ جس سے زرمبادلہ کی صورت میں ملنے والی رقم بہت کم ہوتی ہے اور معیشت کی ترقی میں کوئی مدد نہیں ملتی۔

8۔ انسانی وسائل کی کم استعداد (Low Efficiency of Human Resources)

ترقی پذیر یا غیر ترقی یافتہ ممالک کے افراد کے بارے میں ایک عمومی رائے پائی جاتی ہے کہ یہ لوگ سست و کاہل اور ذہنی و جسمانی لحاظ سے کمزور ہوتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں ترقی یافتہ ممالک کے لوگ بہتر تعلیم و تربیت اور فنی صلاحیتوں، بہتر سہولتوں اور جدید ٹیکنالوجی کے استعمال کے علم کی وجہ سے زیادہ مستعد اور اہل ہوتے ہیں۔

9۔ محدود ملکی منڈی (Limited Domestic Market)

بہتر ذرائع آمدورفت، رسل و رسائل کی کمی اور عوام کی پست قوت خرید کی وجہ سے اشیا و خدمات کی طلب کم ہوتی ہے۔ جس کی وجہ رسد میں خاطر خواہ اضافہ کرنا بھی بعض اوقات فائدہ مند ثابت نہیں ہوتا۔

10۔ توازن تجارت میں خسارہ (Deficit in Balance of Trade)

ترقی پذیر معیشتوں میں زیادہ تر خام مال اور بنیادی زرعی اشیا پیدا کی جاتی ہیں اور دوسرے ممالک کو برآمد کی جاتی ہیں جن سے بہت ہی کم زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں بہت سی ضروریات زندگی اور دیگر اشیا کی درآمد کی وجہ سے ان ممالک کا توازن تجارت ناموافق رہتا ہے۔

11۔ ناموافق توازن ادائیگی (Unfavourable Balance of Payments)

پسماندہ ممالک کا توازن ادائیگی عموماً ناموافق رہتا ہے۔ اس کی وجوہات میں توازن تجارت کا ناموافق ہونا، خام مال کا مناسب قیمتوں پر نہ ملنا، درآمدی اشیا و خدمات کا مہنگا ہونا اور ان کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ ہوتے چلے جانا ہے۔ اس طرح مصارف قرضہ میں مسلسل اضافہ ان ممالک کے توازن ادائیگی میں خسارہ کا باعث بنتا ہے اور یہ معیشتیں اس منحوس چکر کا شکار بنی رہتی ہیں۔

12۔ غیر ترقی یافتہ ذرائع نقل و حمل (Under Developed Means of Trasportation)

ترقی پذیر ممالک میں سڑکوں، ریل اور دیگر ذرائع نقل و حمل کے پسماندہ اور سست رفتار ہونے کی وجہ سے اشیا کی منڈیوں تک رسد بروقت نہیں ہو پاتی اور اچھی قیمت نہیں ملتی جس کی وجہ سے منڈی وسعت پذیر نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے پیداوار میں بھی مناسب حد تک اضافہ نہیں ہو پاتا۔

13۔ ہنر مند افراد کی بیرون ملک منتقلی (Brain Drain)

ترقی پذیر معیشتوں سے ماہرین کی دوسرے ممالک منتقلی بھی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اوّل تو ان ممالک میں ماہرین ملتے نہیں اور اگر ہوں تو سہولتوں کی عدم دستیابی یا کمی کی وجہ سے بہتر سے بہتر ملازمت کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اس طرح قابل ترین طلبہ جو کہ دوسرے ممالک میں تعلیم و ہنر سیکھنے جاتے ہیں اور اکثر اوقات اپنے ممالک میں واپس نہیں آتے اور اگر مجبوراً آنا پڑے تو دوسرے ممالک میں منتقل ہونے کے لئے بے تاب رہتے ہیں۔ اس وجہ سے پسماندہ ممالک میں ہنر مند افراد کی کمی رہتی ہے۔

14۔ ٹیکنالوجی کی کمی اور پسماندگی (Backward State of Technology)

تمام پسماندہ ممالک میں ٹیکنالوجی کی کمی پائی جاتی ہے۔ اس وجہ سے اشیا کے پیداواری مصارف کا زیادہ ہونا، اُجرتوں کا کم ہونا، سرمایہ کی کمی، غیر ہنر مند افرادی قوت اور وسائل کا غیر معیاری استعمال ہے۔

15۔ جذبہ حُب الوطنی کا فقدان (Lack of Patriotism)

پسماندہ ممالک میں حکومتی باگ ڈور زیادہ تر جاگیرداروں اور مفاد پرست عناصر کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ ان کی طرف سے کی گئی منصوبہ بندی اور معاشی پالیسیوں کے پس پردہ بھی ذاتی اور گروہی مفادات ہوتے ہیں۔ اس لئے معیشت تو مجموعی طور پر ترقی نہیں کر پاتی البتہ یہ لوگ امیر سے امیر تر ہوتے چلے جاتے ہیں اور وسائل کا مجموعی رخ ان چند افراد کی طرف رہتا ہے۔

8.3 معاشی ترقی کے عوامل (Factors of Economic Development)

معاشی ترقی ایک ایسا پیچیدہ، مسلسل اور طویل عمل ہے جس کے نتیجہ میں معیشت تنگ دستی و غربت سے بہتر معاشی حالت کی طرف اور ایک پُروقار اور بہتر مستقبل کی طرف گامزن ہوتی ہے۔

اس عمل پر تین طرح کے عوامل اثر انداز ہوتے ہیں

(الف) معاشی عوامل (Economic Factors)

(ب) سماجی و ثقافتی عوامل (Socio - cultural Factors)

(ج) سیاسی عوامل (Political Factors)

(الف) معاشی عوامل (Economic Factors)

1۔ قدرتی وسائل مثلاً زمین، معدنیات، موسمی حالات، دریا، جنگلات، بندرگاہیں وغیرہ۔

2۔ سماجی اور انسانی سرمایہ:

(الف) تعلیم یافتہ اور ہنر مند افراد کی فراہمی

(ب) ذرائع آمد و رفت اور رسل و رسائل کی موجودگی

(ج) وسائل توانائی یعنی بجلی، گیس اور تیل وغیرہ کی موجودگی

(د) تعلیمی اداروں، پیشہ وارانہ اداروں اور ہسپتالوں وغیرہ کی سہولیات

3۔ تشکیل سرمایہ:

الف۔ حقیقی بچتوں میں اضافہ ہونا۔

ب۔ بچتوں کی حرکت پذیری کے لئے نظام بنکاری

ج۔ سرمایہ کاری میں اضافہ کے لئے اقدامات

4۔ سرمایہ اور پیداوار کے تناسب کو بہتر کرنا تاکہ ملکی وسائل کو بہتر طور پر پیداوار میں اضافہ کے لیے کام میں لایا جاسکے۔

5۔ آجرانہ صلاحیتوں کی اہمیت۔

آجر کسی بھی کاروبار میں سرمایہ کاری کرتا ہے۔ نقصان کے اندیشوں کے باوجود خطرہ مول لیتا ہے۔ نئی نئی ایجادات، تحقیق واختراعات کے ذریعے خام مال کی بہتر اور نئی اقسام کو دریافت کرتا ہے اور پیداوار میں اضافہ کی کوشش کرتا ہے۔ جس کے نتیجے میں ملکی پیداوار بڑھتی ہے۔

(ب) سماجی وثقافتی عوامل (Socio - Cultural Factors)

کسی ملک کی معاشی ترقی میں اس ملک کے مخصوص حالات، سماجی ڈھانچہ اور ثقافتی اقدار نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ بعض معاملات میں یہ چیزیں مثبت کردار ادا کرتی ہیں جبکہ بعض دیگر حالات میں منفی نتائج سامنے آتے ہیں۔

اگر سماجی وثقافتی لحاظ سے لوگ نئی چیزوں اور نئے آمدہ حالات میں اپنی مذہبی و دیگر روایات کے اندر رہتے ہوئے انہیں قبول کرنے کے لئے تیار ہوں تو معاشی ترقی پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس طرح اگر تحقیق وایجادات کو انسانیت کی بھلائی کا ذریعہ سمجھا جائے تو معاشی ترقی کی رفتار تیز تر ہوجاتی ہے۔

(ج) سیاسی عوامل (Political Factors)

کسی بھی ملک کا سیاسی استحکام، عوام کا اپنے حکمرانوں پر اعتماد اور حکمرانوں کا عوام کے ساتھ پُرخلوص رویہ اور عمل معاشرے میں سکون کا باعث ثابت ہوتے ہیں۔ حکمران عارضی منصوبہ بندی کی بجائے طویل المیعاد اور مستحکم پالیسیاں بناتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں عارضی نہیں بلکہ مستقل معاشی عمل اور ترقی کی راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں اور ملک معاشی طور پر ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔

قومی پیداوار میں مختلف شعبوں کی نسبتی اہمیت

(Proportional Importance of Different Sectors in National Income)

معاشی ترقی کے نتیجہ میں کسی ملک کی مجموعی قومی پیداوار میں زراعت جیسے شعبوں کا تناسب کم ہوتا جاتا ہے اور صنعتی شعبہ کا تناسب

بڑھتا جاتا ہے۔ پاکستان کی تقریبا 61 فی صد آبادی دیہات میں آباد ہے اور 60 فی صد زراعت کے شعبہ سے وابستہ ہے۔ زراعت کا شعبہ پاکستان کی خام داخلی پیداوار میں 20.9 فی صد کا حصہ دار ہے جبکہ پاکستان کی 45 فی صد لیبر فورس کو روزگار مہیا کرتا ہے اور پاکستان کی برآمدات کا تقریباً 60 فی صد زراعت سے حاصل ہوتا ہے۔

گذشتہ دہائیوں کی نسبت اب صورت حال تبدیل ہوتی جارہی ہے اور خام داخلی پیداوار میں زراعت کا حصہ بتدریج کم ہو رہا ہے اور صنعت کا حصہ بتدریج بڑھ رہا ہے۔ کسی بھی معیشت کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ اس ملک میں صنعتی شعبہ کو دیگر شعبہ جات اور خصوصاً زراعت کے شعبہ کی نسبت زیادہ اہمیت حاصل ہو۔ جس سے ملک اپنی پیداوار بڑھا کر زیادہ روزگار کے مواقع پیدا کرسکتا ہے۔ برآمدات میں اضافہ کے ذریعے توازن ادائیگی اور توازن تجارت کو اپنے حق میں کرسکتا ہے اور معاشی ترقی کی منزل حاصل کرسکتا ہے۔

8.4 پاکستان میں معیارِ زندگی (Quality of Life in Pakistan)

معیار زندگی سے مراد کسی ملک کے باشندوں کی معاشی حالت ہے' کسی ملک کے باشندوں کی معاشی حالت یا معیار زندگی سے مراد ان کی فی کس آمدنی' تعلیم وصحت کی سہولتوں کی فراہمی' رہائش کے لئے گھروں کی فراہمی' کھانے پینے کے لحاظ سے کم از کم معیاری خوراک (جس کا اندازہ فی کس کیلوریز سے لگایا جاتا ہے) اسی طرح عوام کے لئے معاشی ڈھانچہ (Economic Infrastructure) ہے۔ اس میں سڑکیں' مناسب ٹرانسپورٹ' گھروں میں بنیادی سہولتوں کی فراہمی شامل ہے۔

پاکستان میں عوام کا معیار زندگی ترقی یافتہ ممالک کے مقابلہ میں بہت پست ہے' اس کا اندازہ درج ذیل نکات سے لگایا جاسکتا ہے۔

(1) فی کس آمدنی (Per Capita Income)

سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں فی کس آمدنی 1,512 امریکی ڈالر ہے' امریکہ کی فی کس آمدنی پاکستان کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ ہے۔ ہمارا شمار دنیا میں سب سے کم فی کس آمدنی (Low Per Capita Income Group) میں ہوتا ہے جو کہیں پست معیار زندگی کی نشاندہی کرتا ہے۔

(2) تعلیمی پسماندگی (Educational Backwardness)

پاکستان میں تقریباً آدھی آبادی تعلیم سے بے بہرہ ہے اور ابھی تک ہم سو فی صد بچوں کو تعلیمی سہولتیں فراہم نہیں کرسکے۔

(3) صحت کی سہولتوں کی عدم دستیابی (Lack of Health Facilities)

پاکستان میں ڈاکٹروں' نرسوں' ہسپتالوں کی تعداد آبادی کی ضروریات کے حوالہ سے بہت کم ہے۔

(4) رہائشی سہولتوں کی عدم دستیابی (Lack of Residential Facilities)

1981 کی مردم شماری کے مطابق 51.5 فی صد آبادی کے پاس ایک کمرہ پر مشتمل گھر تھے۔ 1998 میں یہ تعداد کم ہو کر 38.1 فی صد اور 2004 میں 25 فی صد رہ گئی۔

اکتوبر 2005 کے زلزلے کے بعد زلزلہ زدہ علاقوں میں صورت حال مزید گھمبیر ہو چکی ہے۔

(5) آمدنیوں میں تفاوت (Income Disparities)

پاکستان میں کم آمدنی والے 20 فی صد افراد کل آمدنی کا صرف 8 فی صد حاصل کر پاتے ہیں' ان کے مقابلہ میں 20 فی صد امرا 45 فی صد آمدنی حاصل کرتے ہیں۔ دولت کی تقسیم میں خرابی بھی اسی طرح ہے۔

(6) افراطِ زر میں اضافہ (Increase in Inflation)

پاکستان میں بڑھتی ہوئی مہنگائی اور افراطِ زر کی وجہ سے عوام کی اکثریت بنیادی ضروریاتِ زندگی تک رسائی حاصل نہیں کر پاتی۔ جس کی وجہ سے معیارِ زندگی میں اضافہ نہیں ہو پاتا۔

(7) یوٹیلٹی سہولتوں کی عدم فراہمی (Lack of Utility Facilities)

بجلی' گیس' ٹیلی فون اور پانی زندگی کی بنیادی ضروریات ہیں، ان بنیادی سہولتوں کی فراہمی معیارِ زندگی میں اضافہ کرتی ہے۔ پاکستان کی ایک بڑی آبادی ان سہولتوں سے محروم ہے۔ علاوہ ازیں ان سہولتوں کے بلوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور اس بڑھتے ہوئے بوجھ کو برداشت کرنا عوام کے لئے مشکل تر ہو رہا ہے جو کہ براہِ راست عوام کے معیارِ زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔

(8) بے روزگاری (Unemployment)

ملک میں کام کرنے والے افراد کی ایک بڑی تعداد یا تو بے روزگار ہے یا مستور بے روزگاری کا شکار ہے۔ جس کا براہِ راست اثر معیارِ زندگی پر پڑتا ہے۔

(9) آبادی کا بڑھتا ہوا دباؤ (Increasing Population Pressure)

پاکستان کی آبادی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ لیکن اس ملک میں بڑھتی ہوئی آبادی کی ضرورت کے مطابق آمدنیوں اور سہولیات میں اضافہ نہیں ہو پا رہا۔ یہ بھی معیارِ زندگی میں اضافہ کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔

(10) حکومتی پالیسیوں میں عدم استحکام (Instability in Government Policies)

پاکستان میں ہر آنے والی حکومت پچھلی حکومتوں کے شروع کئے ہوئے کاموں پر تنقید کرتی ہیں' ان منصوبوں کو بند کر دیتی ہے اور نئے منصوبوں پر کام شروع کرواتی ہے۔ اس عدم استحکام کے نتیجے میں عوام تک سہولیات خاطر خواہ انداز میں نہیں پہنچ پاتیں۔

8.5 معاشی منصوبہ بندی (Economic Planning)

معاشی منصوبہ بندی کا آغاز 1917 میں روس میں آنے والے سوشلسٹ انقلاب سے ہوا۔ اس سے پہلے 1910 میں ناروے کے ایک ماہرِ معاشیات کرسٹون نے معاشی منصوبہ بندی کا تصور دیا۔ 1928 میں روس نے عملی طور پر معاشی منصوبہ بندی کا آغاز کیا۔ 1930 کی عالمی کساد بازاری اور دوسری جنگِ عظیم کی تباہ کاریوں کے بعد معاشی منصوبہ بندی کی اہمیت بڑھتی گئی۔ بنیادی طور پر معاشی منصوبہ بندی کا تصور ایک اشتراکی تصور ہے لیکن آج دنیا بھر کی تمام معیشتوں میں اس نے اپنی اہمیت تسلیم کروالی ہے۔

معاشی منصوبہ بندی کا مفہوم (Meaning of Economic Planning)

معاشی منصوبہ بندی سے مراد ایک منظم طریقِ کار کے مطابق کسی مخصوص اور طے شدہ مقاصد کے حصول کے لئے اپنے وسائل کا

جائزہ لینا اور ان وسائل کو بروئے کار لانے کا عملی طریق کار ہے۔ منصوبہ بندی کے مقاصد کا تعین ہر ملک اپنی ضروریات کے مطابق کرتا ہے۔

پروفیسر رابنز کے مطابق (Prof. Robbins):

''معاشی شعبوں کا انتخاب اور مقاصد کے حصول کے لئے ان پر عمل کرنا معاشی منصوبہ بندی کی خاصیت ہے''۔

پروفیسر ایچ ڈی ڈکنسن (H.D.Dickenson) کے نزدیک:

''معاشی منصوبہ بندی ان بڑے معاشی فیصلوں کا نام ہے جس میں ایک حتمی ادارہ معاشی نظام کے مکمل جائزے کے بعد فیصلہ کرتا ہے کہ کون سی اشیا کتنی مقدار میں کن لوگوں کو مہیا کی جائیں''۔

لیوس لارون (Lewis Lorwin) کے مطابق:

''معاشی تنظیم کی ایک ایسی سکیم جس میں افراد، کارخانے، تنظیمیں اور صنعتیں ایک ایسے نظام کی تعاونی اکائیاں تصور کی جاتی ہیں جس کا مقصد موجودہ وسائل کو اس طرح استعمال کرنا ہوتا ہے کہ لوگوں کی زیادہ سے زیادہ ضرورت کو کم سے کم عرصہ میں پورا کیا جاسکے''۔

مذکورہ بالا تعریفوں کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ معاشی منصوبہ بندی سے مراد ایسا طریق کار ہے جس میں ایسے پروگرام اور پالیسیاں ترتیب دی جاتی ہیں جن کے ذریعے کسی ملک کے دستیاب وسائل کو بھرپور طور پر استعمال میں لا کر کسی معیشت کے بنیادی مسائل کا حل تجویز کیا جاتا ہے اور عوام کا معیارِ زندگی بلند کرنے کے لئے تجاویز دی جاتی ہیں۔

8.6 پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی (Economic Planning in Pakistan)

1947 میں قیام پاکستان کے فوراً بعد کمزور معیشت کو سہارا دینے کے لئے معاشی منصوبہ بندی کی اہمیت کو سمجھا گیا۔ اس ضمن میں سب سے پہلا اقدام قومی منصوبہ بندی ایجنسی (National Planning Agency) کا قیام تھا۔ اس ایجنسی کے قیام کا مقصد پورے ملک کی ترقی کے لئے اقدامات کرنا تھا۔ پاکستان کے قیام کے بعد سماجی، معاشی اور سیاسی صورتحال کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ معاشی منصوبہ بندی کے ضمن میں پروگرام میں بھی تبدیلیاں آتی گئیں۔ منصوبہ بندی ایجنسی کے تحت ایک ترقیاتی بورڈ (Development Board) دوسرا پلاننگ بورڈ اور تیسرے مستقل قومی منصوبہ بندی بورڈ یا پلاننگ کمیشن قائم کئے گئے۔

1948 میں حکومت پاکستان کے اکنامک افیئرز (Economic Affairs) ڈویژن کے تحت ترقیاتی بورڈ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کا بنیادی مقصد ملک میں معاشی ترقی کے کام کا آغاز کرنا اور کم از کم وقت میں معاشی و معاشرتی ترقی کے لئے راہیں ہموار کرنا تھا۔ اس بورڈ نے پاکستان کا پہلا چھ سالہ منصوبہ (57-1951) بنایا۔ اس منصوبہ کو ''کولمبو پلان'' کہا جاتا ہے۔ یہ منصوبہ کولمبو میں ہونے والی جنوبی ایشیاء کے ممالک کی کانفرنس کی تجاویز کی روشنی میں تیار کیا گیا۔ جس کے لئے فنڈز بیرونی امداد سے حاصل ہونا تھے۔ اس پلان کے تحت صوبہ خیبر پختونخوا میں وارسک ڈیم بنایا گیا۔ یہ منصوبہ اپنے آغاز کار سے ہی مشکلات کا شکار ہوا اور کوریا کی جنگ کی وجہ سے منصوبہ میں ترامیم کرنا پڑیں اور اپنی مدت سے دو سال پہلے ہی ختم کر دیا گیا۔

1953 میں حکومت پاکستان نے پلاننگ بورڈ (Planning Board) تشکیل دیا۔ جس کے ذمہ ملک میں ہونے والی ترقی کا

جائزہ اوراس کی روشنی میں پنجسالہ منصوبہ تیار کرنا تھا۔ اس پلاننگ بورڈ نے پہلا پنجسالہ منصوبہ (60-1955) تیار کیا۔ اپریل 1957 میں ایک مستقل قومی منصوبہ بندی بورڈ (Permanent National Planning Board) کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کے چیئرمین پاکستان کے وزیر اعظم تھے۔ اس بورڈ کی ذمہ داری معاشی منصوبہ بندی اور اس کا عملی اطلاق، تحقیق، شماریاتی مواد کی فراہمی، سروے اور ترقیاتی کاموں کا جائزہ لینا تھا اور حکومت پاکستان کو اس کی معاشی پالیسوں کے لئے تجاویز دینا تھا۔ 1958 کے مارشل لاء کے بعد اس بورڈ کی تشکیل نو کی گئی اور اُسے "پاکستان پلاننگ کمیشن" کا نام دیا گیا۔ وزیر اعظم پاکستان اس کے چیئرمین قرار پائے۔ اس طرح اس ادارہ کے اختیارات اور ذمہ داریوں میں اضافہ کر دیا گیا۔

1961 میں صدر پاکستان کمیشن کے چیئرمین بنے اور اس ادارہ کا دائرہ اختیار منصوبہ بندی کے ساتھ ساتھ منصوبہ بندی کے اطلاق اور اس کی نگرانی تک بڑھا دیا گیا۔ اس طرح کی ذمہ داریاں کمیشن کو صدارتی سیکریٹریٹ میں ڈویژن کا درجہ حاصل ہوگیا۔ 1982 میں اس کمیشن کے چیئرمین اور اکنامک افیئرز، فنانس ڈویژن اور منصوبہ بندی کے سیکرٹریز کو اس کا ممبر بنا دیا گیا۔

منصوبہ بندی کمیشن (Planning Commission) کے فرائض

1۔ قلیل مدتی، اوسط مدتی اور طویل مدتی منصوبے تیار کرنا۔
2۔ سالانہ ترقیاتی پروگرام (Annual Development Programme) تیار کرنا۔
3۔ بدلتے ہوئے حالات کے مطابق منصوبہ بندی میں تبدیلیاں کرنا۔
4۔ جاری منصوبہ کے کام کا جائزہ اور نگرانی
5۔ مکمل شدہ پراجیکٹس کا جائزہ (Evaluation)
6۔ ایسے شعبوں، علاقوں اور معاملات کا جائزہ جہاں منصوبہ بندی و ترقی کی ضرورت ہے۔
7۔ ملکی معاشی پالیسیاں اور عمومی معاشی صورت حال کا جائزہ
8۔ معاشی تحقیق، بنیادی معلومات (Data Base) کو بہتر بنانا۔
9۔ تکنیکی اور معاشی لحاظ سے مختلف منصوبوں (Projects) کے لئے مناسب لاگت میں معیاری کام کی تجاویز دینا۔

پلاننگ کمیشن کے اکنامک سیکشن کے تحت متعدد دوسرے سیکشن کام کرتے ہیں۔ ہر سیکشن کے ذمہ مختلف نوعیت کے معاملات ہیں۔ اس کے علاوہ صوبائی منصوبہ بندی و مشینری، صوبائی منصوبہ بندی و ترقیاتی بورڈ وغیرہ منصوبہ بندی و ترقی کے لئے اپنی اپنی ذمہ داری ادا کر رہے ہیں۔

پاکستان میں آٹھ پنجسالہ منصوبے بنائے گئے۔ جن کی تفصیل ذیل کے گوشوارہ میں دی گئی ہے۔

منصوبہ	عرصہ (Period)	حجم (Size)
پہلا پنجسالہ منصوبہ	1955-60	1080 کروڑ روپے
دوسرا پنجسالہ منصوبہ	1960-65	2300 کروڑ روپے
تیسرا پنجسالہ منصوبہ	1965-70	5200 کروڑ روپے
چوتھا پنجسالہ منصوبہ	1973-78	7500 کروڑ روپے

پانچواں پنجسالہ منصوبہ	1978-83	21000 کروڑ روپے
چھٹا پنجسالہ منصوبہ	1983-88	49000 کروڑ روپے
ساتواں پنجسالہ منصوبہ	1988-93	66000 کروڑ روپے
آٹھواں پنجسالہ منصوبہ	1993-98	170000 کروڑ روپے

آٹھویں پنجسالہ منصوبہ کے بعد پاکستان میں پنجسالہ منصوبوں کا دور ختم ہو گیا۔ تاہم اب سالانہ ترقیاتی پلان (Annual Development Plan) تیار کیے جاتے ہیں اور اس کے مطابق ملکی ترقی کیلئے اقدامات کئے جاتے ہیں۔ طویل المدتی منصوبہ بندی کے حوالہ سے پاکستان میں پروگرام 2010 اور ویژن 2025 جیسے منصوبے بھی تشکیل دیئے گئے۔

پاکستان میں منصوبہ بندی کے مقاصد (Objectives of Planning in Pakistan)

پاکستان کے پہلے پنجسالہ منصوبہ کے لئے پانچ اہداف طے کئے گئے جو کہ پاکستان کی منصوبہ بندی کے بنیادی اہداف ہیں۔ البتہ بعد کے منصوبوں میں کچھ اہداف کا اضافہ ہوتا گیا۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

1۔ قومی آمدنی اور فی کس قومی آمدنی میں اضافہ

2۔ آمدنیوں اور دولت کی تقسیم میں تفاوت (Inequalities) کا خاتمہ

3۔ ملک کے مختلف حصوں کے درمیان تفاوت (Disparities) کا خاتمہ

4۔ روزگار کے لئے نئے مواقع پیدا کر کے بے روزگاری کا خاتمہ

5۔ آبادی میں تیز تر اضافہ کے مسئلہ پر قابو پانا۔

6۔ توازن ادائیگیوں کو بہتر بنانا۔

7۔ تعلیم، ہنر، تعمیر مکانات اور صحت کی سہولتوں کی فراہمی کے ذریعے انسانی وسائل کی ترقی۔

8۔ خوراک میں خودکفالت۔

9۔ بچتوں میں اضافہ کرنا۔

10۔ بنیادی صنعتوں کا قیام۔

11۔ قیمتوں میں استحکام۔

پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی کی حکمت عملی اور اطلاق کا تجزیہ
(Strategy of Economic Planning in Pakistan and Analysis of its Implementation)

1۔ پاکستان کے پہلے پنجسالہ منصوبے (1955-60) کے اہم عناصر

(i) صنعتوں کا فروغ (ii) نجی شعبہ پر زیادہ انحصار برائے صنعتی ترقی

(iii) ٹیکسوں میں چھوٹ (iv) بالواسطہ ٹیکسوں پر زیادہ انحصار

(v) آمدنیوں کے تفاوت میں کمی برائے تیز تر ترقی۔

اس منصوبہ میں صنعتی ترقی کو فروغ ملا لیکن زرعی شعبہ نظر انداز کر دیا گیا۔

2۔ 1960 کے عشرے میں زرعی شعبہ کو صنعتی شعبہ کے برابر اہمیت دی گئی۔ ترقی کی شرح میں اضافہ کے لئے امداد، قرضوں اور بیرونی نجی سرمایہ کاری (Private Foreign Investment) کی صورت میں بیرونی معاونت پر زور دیا گیا۔ اس کے نتیجے میں مغربی پاکستان میں ترقی کی شرح 7% اور مشرقی پاکستان میں 5% ہوگئی۔ لیکن اس کے نتیجے میں بہت سے مسائل پیدا ہوئے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

i۔ معاشی تفاوت میں اضافہ ہوا۔

ii۔ گھریلو بچتوں میں اضافہ نہ ہو سکا۔

iii۔ ترقیاتی سرمایہ کاری کے لئے بیرونی امداد حاصل کرنا پڑی۔

iv۔ اشیائے صرف کی صنعتوں کا قیام عمل میں آیا۔

v۔ فاضل پرزوں اور خام مال کی درآمد میں اضافہ ہوا۔

vi۔ بین الاقوامی تجارت میں خسارہ۔

vii۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے مابین علاقائی معاشی فرق بڑھ گیا جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان علیحدہ ہو گیا۔

3۔ 1970 کی دہائی کے دوران معاشی مساوات اور پیداوار میں اضافہ کے اصول کی پالیسی بنائی گئی۔ سرکاری شعبہ کو وسعت حاصل ہوئی۔ 32 بڑی اور اہم صنعتوں کو قومی تحویل میں لے لیا گیا۔ اس کے بعد چھوٹی صنعتوں کو بھی قومی تحویل میں لے لیا گیا۔ حکومت کی یہ پالیسی بھی ناکام ہوئی۔ سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی ہوئی۔ پرانی مشینری کو تبدیل نہ کیا گیا۔ کارکنوں اور سرمایہ کاروں کے اختلافات بڑھتے گئے۔ صنعتی پیداوار میں زبردست کمی ہوئی۔ زرعی شعبہ میں بھی خود کفالت کا خواب پورا نہ ہو سکا۔ تجارتی خسارہ مسلسل بڑھتا گیا۔ بیرونی امداد اور قرضوں پر انحصار مزید بڑھا۔ قرضوں اور سود کی ادائیگی کا مسئلہ پیدا ہوا۔ اس طرح صنعتوں کو 1972 میں قومی تحویل میں لینے کی پالیسی بُری طرح ناکام رہی۔

4۔ 1977 میں مارشل لا حکومت نے ایک دفعہ پھر نجی شعبہ کی حوصلہ افزائی کی۔ دیہی علاقوں کی ترقی اور زرعی شعبہ میں پیداوار بڑھانے کے لئے پروگرام بنائے۔ لیکن یہ حالت زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ اس عرصہ میں درج ذیل اہداف پر زیادہ زور دیا گیا۔

i۔ زرعی اور صنعتی شعبہ کی ترقی میں توازن پیدا کرنا۔

ii۔ وسائل کی تقسیم میں کم مراعات یافتہ اور نظر انداز کردہ علاقوں اور شعبوں کو ترجیح دینا۔

iii۔ گھریلو بچتوں میں اضافہ اور بیرونی امداد پر انحصار کم کرنا۔

iv۔ نجی شعبہ کے مؤثر کردار کے لئے راستہ ہموار کرنا۔

v۔ معاشرتی خدمات مثلاً تعلیم، صحت اور پینے کے پانی کی فراہمی وغیرہ۔ اس دور میں معیشت کو اسلامی اُصولوں کے مطابق ڈھالنے کے کام کا آغاز ہوا۔ اس دور میں لوگوں کو سادہ زندگی اختیار کرنے اور بلا ضرورت اخراجات سے اجتناب کی تلقین کی گی۔ اس پالیسی کے نتیجے میں قومی آمدنی میں اضافہ ہوا۔

5۔ چھٹے پنجسالہ منصوبہ (88-1983) کا ہدف پورے ملک میں منصفانہ اور تیز تر ترقی قرار پایا۔ اس کے ساتھ ساتھ ملکی معیشت کی اسلامی بنیادوں پر تشکیل کے لئے اسلامی بنکاری کے کام کا آغاز ہوا۔

6۔ ساتواں پنجسالہ منصوبہ (93-1988) کا ہدف پیداوار میں بہتر طریقے سے اضافہ کرنا اور عوام کے معیار زندگی کو بلند کرنے کے اقدامات کرنا تھا۔

7۔ آٹھویں پنجسالہ منصوبہ میں نجی شعبہ کو مضبوط تر کرنے کی طرف توجہ دی گئی۔ قومی اثاثوں کی نجکاری (Privatization) پر توجہ دی گئی۔ منڈی کی معیشت (Market Mechanism) کو مضبوط کرنا بھی اس منصوبہ کا خصوصی ہدف تھا۔ نجکاری (Privatization) اور آزادانہ پالیسی (Liberalization) اس منصوبہ کے رہنما اصول تھے۔ اس منصوبہ میں قرار پایا گیا کہ حکومت اپنے آپ کو بنیادی معاشی ڈھانچہ (Basic Infrastructure) اور لوگوں کو تعلیم وصحت کی سہولتوں کی فراہمی تک محدود رکھے گی۔ ٹیکسوں کے نظام کی تشکیل نو اور بہتر ماحولیات کی فراہمی تاکہ بیرونی ذرائع پر انحصار کم کیا جاسکے۔ مزید برآں بیرونی سرمایہ کاری میں اضافہ کرنا بھی اس منصوبہ کا حصہ تھا۔

8۔ آٹھویں پنجسالہ منصوبہ کے اختتام کے بعد پاکستان میں باقاعدہ منصوبہ بندی کا دور ختم ہوگیا۔ یعنی پنجسالہ منصوبہ بندی کی بجائے سالانہ بنیادوں پر منصوبہ بندی پر انحصار کیا گیا۔

8.7 پاکستان کے زرعی اور صنعتی شعبہ کے مسائل اوران کا حل
(Problems of Agricultural and Industrial Sectors of Pakistan and their Solution)

پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے۔ لیکن پاکستان کی زراعت پسماندگی کا شکار ہے اور ہم آج تک زرعی خود کفالت کی منزل کو نہیں پاسکے۔ اسی طرح آج کے دور میں صنعت کسی بھی معیشت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ پاکستان میں یہ دوشعبے کئی قسم کے مسائل کا شکار ہیں۔ ذیل میں دونوں شعبوں کے مسائل اوران کے حل کے لئے تجاویز دی گئی ہیں۔

پاکستان کے زرعی شعبہ کے مسائل (Problems of Agricultural Sector of Pakistan)

پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے زرخیز زرعی زمین سے نوازا ہے۔ پاکستان میں آبپاشی کا بہترین نظام موجود ہے۔ پاکستان کی خام قومی پیداوار کا 20.9% زراعت سے حاصل ہوتا ہے۔ ملک کی 45% لیبر فورس زراعت کے شعبہ سے وابستہ ہے جبکہ دیہی علاقوں کی 70% لیبر فورس اسی شعبہ میں کام کر رہی ہے ہمارے زرمبادلہ کا 60% زراعت اور زراعت سے وابستہ صنعتوں سے حاصل ہوتا ہے۔

ان سب صفات کے باوجود پاکستان کا زرعی شعبہ پسماندگی کا شکار ہے۔ اس شعبہ کی شرح نمو بہت سست ہے۔ یہ شعبہ پاکستان کی صنعتی

ضروریات اور بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہے۔ زرعی شعبہ کو درپیش مسائل میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

1۔ قابل کاشت رقبہ کا غیر مستعد استعمال (Inefficient use of Cultivable Area)

پاکستان میں سرمائے کی کمی اور آبپاشی کی ناکافی سہولتوں کی وجہ سے قابل کاشت رقبہ کا کم حصہ استعمال ہوتا ہے۔ ہر سال زمین کی زرخیزی بحال رکھنے کے لئے زمین کا ایک بڑا حصہ خالی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ لاکھوں ایکڑ اراضی کو استعمال میں لانے کے لئے کوئی منصوبہ بندی نہیں ہے۔

2۔ عمیق طریقہ کاشت کا نہ ہونا (Lack of Intensive Cultivation)

زرعی زمینوں پر زیادہ سے زیادہ فصلیں کاشت کرنے کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔ فصلوں کے نئے بیج اور کیمیاوی کھادیں استعمال کرنے کا رواج کم ہے۔

3۔ ناکافی ذرائع آبپاشی (Inadequate Irrigation Facilities)

پاکستان کے نہری نظام کا شمار دنیا کے بہترین نہری نظاموں میں ہوتا ہے اس کے باوجود ہمارے آبپاشی کے ذرائع ناکافی ہیں۔ کھالوں اور کھیتوں میں پانی ضائع ہوجاتا ہے ضرورت سے زیادہ بجلی کی لوڈ شیڈنگ سے فصلیں متاثر ہوتی ہیں۔ دریاؤں میں آنے والا بہت سا پانی سمندر میں جا گرتا ہے اور اسے ذخیرہ کرنے کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہے۔ اسی طرح پانی کی تقسیم میں بہت سی خرابیاں موجود ہیں۔

4۔ زرعی مداخل کی کمی (Lack of Agricultural Inputs)

اچھے بیج، کیمیاوی کھادیں، کیڑے مار ادویات، ٹریکٹر، تھریشر، ہارویسٹر اور آبپاشی کے جدید ذرائع جیسے مداخل کی فراہمی اور ان کے استعمال کو عام کرنے کی ضرورت ہے ان مداخل کی قیمتیں بہت زیادہ ہیں اور ان کو حاصل کرنا ایک اوسط درجہ کے کسان کے لئے بہت مشکل ہے۔

5۔ زرعی تحقیق (Agricultural Research)

پاکستان کی فی ایکڑ پیداوار ترقی یافتہ ممالک کی نسبت ایک چوتھائی سے بھی کم ہے۔ فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ کے لئے فصلوں کے دشمن کیڑوں کو ختم کرنے کے لئے جراثیم کش ادویات اور جدید بیجوں کے لئے تحقیق کی ضرورت ہے۔ اسی طرح فصلوں کی اچھی اقسام کی دریافت بھی ضروری ہے۔

6۔ زرعی قرضوں کی عدم دستیابی (Lack of Agricultural Credit)

ہمارے کسانوں کی زرعی ملکیت بہت کم ہے۔ کاشت کاروں کو عموماً قرضے کی ضرورت پڑتی ہے۔ زرعی قرضہ دینے والے اداروں کی کمی ہے۔ اس کے علاوہ موجودہ ادارے قرضہ کے حق داروں کو قرضہ مہیا نہیں کرتے بلکہ ایسے بارسوخ زمیندار یہ قرضے لیتے ہیں جن کو قرضے کی بہت کم ضرورت ہے۔ کسان یہ قرضے عام طور پر آڑھتیوں اور ساہوکاروں سے لیتے ہیں۔ جن کی شرح سود بہت زیادہ ہوتی ہے اور وہ کسانوں کا استحصال بھی کرتے ہیں اور کسان ساری زندگی ان کے محتاج رہتے ہیں۔

7۔ سیم و تھور (Water Logging and Salinity)

پاکستان کی زرعی اراضی کا بہت بڑا حصہ سیم و تھور کی وجہ سے قابل کاشت نہیں رہا۔ اس کے علاوہ ہر سال بہت سی زمین کٹاؤ کا شکار ہو رہی ہے جس سے زرخیز رقبہ کم ہو جاتا ہے۔

8۔ کسان کی پسماندہ حالت (Financial Backwardness of Farmers)

زرعی شعبہ میں سب سے اہم فرد کسان ہے۔ اس کی مالی حالت بہت خراب ہے۔ وہ انسان جو دوسروں کے لئے خوراک فراہم کرتا ہے اسے دو وقت ڈھنگ کی روٹی میسر نہیں ہے۔

9۔ بہتر ذرائع نقل و حمل کی کمی (Lack of Efficient Means of Transportation)

دیہاتوں سے شہروں کی منڈیوں تک زرعی اجناس غیر ترقی یافتہ ذرائع آمدورفت کی وجہ سے پہنچانا بہت دشوار ہے۔ کسانوں کے لئے منڈیوں تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے دلال اور آڑھتی ان کو مناسب معاوضہ نہیں دیتے۔ اس طرح مناسب معاوضہ نہ ملنے کی وجہ سے ان کی مالی حالت بھی کمزور رہتی ہے۔

10۔ انتشار اراضی (Fragmentation of Lands)

قانونی خامیوں کی وجہ سے زمینیں چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہیں۔ اشتمال اراضی کے نہ ہونے کی وجہ سے ان سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔

11۔ فصلوں کی بیماریاں (Crop Diseases)

کپاس، گندم، گنا اور چاول وغیرہ جیسی فصلوں پر اکثر اوقات کیڑوں اور سنڈیوں کا حملہ ہو جاتا ہے۔ جس سے پودے تباہ ہو جاتے ہیں یا کمزور ہو جاتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق اس وجہ سے پاکستان میں 25 فیصد تک فصل کم ہو جاتی ہے۔

12۔ لڑائی جھگڑے (Disputes)

تعلیم کی کمی اور جہالت کی وجہ سے کسان اکثر آپس میں لڑائی جھگڑوں، اور یا پھر دشمنیوں میں پڑے رہتے ہیں اور اپنا بہت سا وقت تھانے اور کچہریوں میں ضائع کر دیتے ہیں۔ جبکہ یہ روپیہ اور وقت کسی بہتر کام کے لئے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ شادی بیاہ پر قرضہ لے کر اور دیگر تقریبات پر فضول خرچی کرتے ہیں۔

13۔ زراعت پر مبنی صنعت کا فقدان (Lack of Agro Based Industries)

حیوانات، مرغبانی، مرغیوں کی خوراک، ماہی گیری، ڈیری فارمنگ جیسی زراعت پر مبنی صنعتوں کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ حالانکہ کسان فالتو وقت ان کی طرف توجہ دے کر اپنی مالی حالت بہتر بنا سکتے ہیں۔

14۔ قدرتی آفات (Natural Calamities)

ملک میں دریاؤں کی سطح بلند ہونے کی وجہ سے اکثر سیلاب آتے رہتے ہیں۔ جب سیلاب نہ آئیں تو خشک سالی کا سامنا کرنا پڑتا

ہے۔ اس طرح دونوں صورتوں میں فصلوں کا نقصان ہوتا ہے اور کسان پریشان حال رہتا ہے۔

15۔ زرعی اشیا کی قیمتیں (Prices of Agricultural Goods)

گو ملک افراط زر کا شکار ہے لیکن صنعتی اشیا کی نسبت زرعی پیداوار کی قیمتیں بہت کم ہیں۔ کسان کاشتکاری کی بجائے دیگر ملازمتوں اور کاروبار کو ترجیح دیتے ہیں۔

16۔ جاگیرداری نظام (Landlordism)

ہمارے ملک کے جاگیرداری نظام نے اس شعبہ کی کارکردگی کو بُری طرح متاثر کیا ہے۔ بڑے بڑے جاگیردار اکثر اوقات شہر میں رہتے ہیں اور مزارعوں کے ذریعے کاشتکاری ہوتی ہے۔ ان مزارعوں کے ساتھ انسانیت سوز اور غلاموں جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ ان کو مناسب غذا بھی نہیں ملتی۔ لہٰذا وہ پیداوار میں اضافہ کی کوشش نہیں کرتے۔

17۔ کسانوں کی پسماندگی (Backwardness of Farmers)

کسانوں میں ناخواندگی اور جہالت ان کی پسماندگی کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ اس بنا پر نہ تو وہ جدید طور طریقے سیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی بہتر پیداوار کے لئے منصوبہ بندی کر سکتے ہیں۔ اسی طرح وہ اپنی فصلوں کو بہتر طور پر محفوظ رکھنے کے طریقے نہیں جانتے اور نہ ہی اچھی مارکیٹنگ کے ذریعے بہتر قیمتیں لے سکتے ہیں۔

زرعی مسائل کا حل (Solution of Agricultural Problems)

جیسا کہ اوپر کی بحث سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ پاکستان کا زرعی شعبہ بہت سے مسائل کا شکار ہے۔ جب تک اس شعبہ کے مسائل حل کرنے کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی اس وقت تک یہ شعبہ ترقی نہیں کر سکے گا۔ حکومت نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے بہت سے اقدامات کیے ہیں۔ لیکن ابھی اس کی ترقی کے لئے مزید کوشش درکار ہے۔ ذیل میں زرعی مسائل کو حل کرنے کے لئے چند سفارشات پیش کی جاتی ہیں۔

1۔ قابل کاشت رقبہ کو مکمل طور پر استعمال کیا جائے بنجر اور ویران زمینوں کو کاشت کے قابل بنایا جائے اور ہر سال سیم وتھور کی وجہ سے خراب ہونے والی زمینوں کے تحفظ کے لئے منصوبہ بندی اور اقدامات کیے جائیں۔ اسی طرح زمینوں کو کٹاؤ سے بچانے کے لئے زیادہ سے زیادہ شجرکاری کی جائے۔

2۔ گندم، چاول اور دیگر زرعی اجناس کی فی ایکٹر پیداوار بڑھانے کے لئے بیج، کیمیاوی کھادیں اور سائنسی کاشت کے جدید طریقوں کو فروغ دیا جائے۔ زرعی تحقیقی مراکز قائم کئے جائیں۔ کاشتکاروں کو مشاورت فراہم کی جائے۔

3۔ فصلوں کو پانی کی فراہمی کیلئے بارشوں کے پانی کو ڈیم بنا کر ذخیرہ کیا جائے۔ جس سے سیلاب کنٹرول کرنے کے علاوہ بجلی کی پیداوار بڑھانے کے لئے مدد ملے گی۔ اس کے علاوہ جہاں نہری پانی میسر نہ ہو وہاں ٹیوب ویلوں اور کنوؤں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ ٹیوب ویلوں کے لئے بجلی مفت فراہم کی جائے یا بہت کم نرخوں پر مہیا کی جائے۔

4۔ کسانوں کو زرعی کاشت کے جدید طریقوں کے استعمال کی ترغیب دی جائے۔ انہیں بلا سود قرضے دیئے جائیں اور ان قرضوں

کے زرعی ترقی کیلئے استعمال کی نگرانی کی جائے تاکہ قرضوں کی رقوم فضول خرچی میں ضائع نہ کی جائیں۔ کسانوں کو پیش آنے والی مشکلات سے نجات دلائی جائے۔

5۔ منڈیوں تک زرعی اجناس پہنچانے کے لئے ذرائع نقل وحمل کو ترقی دی جائے۔ اس کے علاوہ دلالوں اور آڑھتیوں سے نجات دلانے کے لئے حکومت خود زرعی اجناس خریدنے کا طریق کار اپنائے اور منڈیوں کے نظام کو جدید بنایا جائے تاکہ کسانوں کی حوصلہ افزائی ہو۔

6۔ تعلیم بالغاں اور دیہات میں کسانوں کے بچوں کو تعلیم کی مفت سہولتیں بہم پہنچائی جائیں تاکہ کاشتکاروں میں بھی بیداری پیدا ہو۔ وہ آپس کے جھگڑوں کو ختم کر کے ملکی ترقی کی طرف توجہ دیں۔ سائنسی طریقوں کو اپنائیں اور زراعت کو ترقی دے سکیں۔

7۔ اشتمال اراضی کیلئے آسان اور بہتر قانون سازی کی جائے تاکہ انتشار اراضی کے نقصانات سے کسان کو بچایا جاسکے۔

8۔ زرعی اجناس کی بہتر قیمتوں کے ذریعے کاشتکاروں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

9۔ سیلابوں اور دیگر ناگہانی آفات سے بچاؤ کی تدابیر کی جائیں۔ دریاؤں کی سطح کو گہرا کرنے کے علاوہ کناروں پر پشتے تعمیر کیے جائیں۔ اس کے علاوہ کسانوں کو فراخدلی سے قرضے فراہم کیے جائیں اور ان کی بھرپور مالی مدد کی جائے۔

10۔ زراعت پر مبنی صنعتوں کو فروغ دینے کے لئے کسانوں کو مفت مشورے اور بنیادی ضروریات فراہم کی جائیں۔ ان صنعتوں کو متعلقہ علاقوں کے قریب قائم کیا جائے۔

11۔ جاگیرداری نظام کو ختم کرنے کے لئے مناسب اقدامات کئے جائیں۔ جاگیرداروں اور زمینداروں سے بےکار پڑی ہوئی زمین جبراً لے کر بے مالک کاشتکاروں میں تقسیم کر دی جائے۔ اس سے کسانوں کی حالت بہتر ہونے کے ساتھ ساتھ ملکی قومی آمدنی میں بھی اضافہ ہوگا۔

12۔ پاکستان کی زرعی ترقی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ سیم وتھور ہے جس کی وجہ سے زرعی زمین قابل کاشت نہیں رہتی۔ اس بیماری پر قابو پانے کے لئے طویل المدت منصوبہ کی ضرورت ہے تاکہ قابل کاشت رقبہ کو خراب ہونے سے بچایا جاسکے۔

پاکستان کے صنعتی شعبہ کے مسائل (Problems of Industrial Sector of Pakistan)

آج کے دور میں کوئی بھی ملک صنعتی شعبہ کو ترقی دیئے بغیر ترقی کا خواب نہیں دیکھ سکتا۔ پاکستان کے صنعتی شعبہ کا خام قومی پیداوار میں حصہ 25.4% ہے اور یہ شعبہ پاکستان کی 13.2% لیبر فورس کو روزگار مہیا کرتا ہے۔ پاکستان صنعتی لحاظ سے پسماندہ ہے اور اس شعبہ کو بہت سے مسائل کا سامنا ہے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

1۔ معدنیات کی قلت (Shortage of Minerals)

پاکستان میں صنعت کے لئے بنیادی معدنیات کی کمی ہے مثلاً پٹرول، کوئلہ اور لوہا وغیرہ۔ پاکستان میں یہ معدنیات ضرورت کی نسبت بہت کم پیدا ہوتی ہیں۔ پاکستان میں نکلنے والے خام لوہے کا معیار اتنا اچھا نہیں ہے اس لئے ہمیں درآمدات پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔

2۔ تربیت یافتہ عملہ کی کمی (Lack of Trained Staff)

پاکستانی صنعتی مزدوروں کی کارکردگی مغربی ممالک کی نسبت بہت کم ہے۔ جس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ تعلیم کے علاوہ تربیت کی کمی اور جدید ٹیکنالوجی کا فقدان بھی ہے۔ آب وہوا کی شدت، ثقافتی اور تاریخی پس منظر بھی صنعتی مزدوروں کی کارکردگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لئے صنعتی شعبہ میں ترقی کا عمل سست روی کا شکار ہے۔

3۔ سرمایہ کی کمی (Lack of Capital)

صنعتی ترقی میں مالی ادارے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کارخانہ داروں اور سرمایہ کاروں کو طویل المیعاد قرضے درکار ہوتے ہیں جو کہ آسانی سے مہیا نہیں ہوتے۔

4۔ غیر مستعد ذرائع نقل وحمل (Lack of Efficient Means of Transportation)

پاکستان کے ذرائع نقل وحمل اور مواصلات غیر مستعد اور ناکافی ہیں۔ اس وجہ سے ملکی مصنوعات کی منڈی محدود ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ دیہاتوں سے کارخانوں تک زرعی خام مال لانا بہت مہنگا پڑتا ہے اور اشیا کی لاگت بڑھ جاتی ہے۔

5۔ بنیادی صنعتی ڈھانچہ (Basic Infrastructure)

پاکستان کا بنیادی صنعتی ڈھانچہ صنعتوں کے لئے ناکافی ہے۔ اس میں توانائی کے وسائل، بجلی کی کمی، لوڈ شیڈنگ، تیل اور ایندھن کی بڑھتی ہوئی قیمتیں، ذرائع آمدورفت وغیرہ کی حالت پاکستان کی صنعتی ترقی کی ضروریات کو پورا نہیں کرتے۔

6۔ غربت کا منحوس چکر (Vicious Circle of Poverty)

پاکستان غربت کے منحوس چکر میں پھنسا ہوا ہے۔ یہاں قومی آمدنی کم ہونے کی وجہ سے فی کس آمدنی کم ہے۔ لوگوں کے لئے بنیادی ضروریات زندگی کو پورا کرنا مشکل ہے جس سے بچت اور سرمایہ کاری کی شرح بھی کم ہو جاتی ہے۔ پاکستان میں بیروزگاری اپنی انتہائی بلندیوں کو چھو رہی ہے۔ غربت روز بروز بڑھ رہی ہے۔ جس سے لوگوں کی قوت خرید کم ہو جاتی ہے اور مجموعی طلب کم ہونے سے صنعتی شعبہ پر برے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

7۔ مصنوعات کا پست معیار (Low Quality Products)

پاکستانی عوام اپنے ملک کی بنائی ہوئی اشیا عموماً پسند نہیں کرتے وہ دوسرے ملکوں سے درآمد شدہ اشیا کو ترجیح دیتے ہیں۔ دراصل ہمارے صنعتکار ملکی صارفین کا اعتماد حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

8۔ خام مال اور مشینری کی درآمد (Import of Raw Material and Machinery)

پاکستان میں بھاری مشینری بنانے کی صنعت ابھی تک نہ ہونے کے برابر ہے۔ صنعتوں سے متعلق تمام مشینری مہنگے داموں درآمد کرنا پڑتی ہے۔ اس کے علاوہ خام مال کی درآمد کافی مقدار میں کی جاتی ہے۔ جس سے ہماری ملکی مصنوعات دوسرے ملکوں کی اشیا کی نسبت مہنگی ہوتی ہیں اور منڈی میں غیر ملکی مصنوعات کا مقابلہ نہیں کر پاتیں۔

9۔ ٹیکنالوجی کی پسماندگی (Backward Technology)

ملکی سرمایہ کی قلت کی وجہ سے دوسرے ملکوں سے جدید مہنگی ٹیکنالوجی حاصل کرنا مشکل ہے۔ بہت سے کارخانوں میں پُرانی مشینری استعمال ہو رہی ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارا صنعتی شعبہ ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتا۔

10۔ صنعتی مشاورتی اداروں کی کمی (Lack of Industrial Advisory Institutions)

ترقی یافتہ ملکوں میں بہت سے ادارے لوگوں کو مختلف شعبوں میں سرمایہ کاری کرنے کے لیے مشورے دیتے ہیں۔ وہ دنیا کے حالات کو مدنظر رکھ کر سرمایہ کاری کے رخ کا تعین کرتے ہیں لیکن پاکستان میں ایسے ادارے کم ہیں جس کی وجہ سے سرمایہ کاروں کو رہنمائی نہیں ملتی۔

11۔ سیاسی حالات (Political Situation)

ملک میں سیاسی حالات اکثر ناموافق ہوتے ہیں۔ مختلف سیاسی پارٹیاں اپنے مخالفوں کو نیچا دکھانے کے لیے ملکی مفادات کو داؤ پر لگا دیتی ہیں۔ کراچی، خیبر پختونخوا اور ملک کے دوسرے علاقوں میں تشدد، دہشت گردی اور عدم تحفظ کی وجہ سے سرمایہ دار سرمایہ کاری کرنے سے کتراتے ہیں۔

12۔ سمگلنگ (Smuggling)

سمگلنگ کی وجہ سے بہت سی بیرونی اشیا ملکی مصنوعات کے مقابلہ میں سستی مل جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے ملکی صنعتوں پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

13۔ محدود ملکی منڈی (Limited Domestic Market)

کم آمدنیوں، غربت، اور پسماندگی کی وجہ سے مصنوعات کی مقامی طلب بہت محدود ہے جس کی وجہ سے اشیا کو بہت بڑے پیمانے پر پیدا کرنا فائدہ مند ثابت نہیں ہوتا اور مقامی صنعتیں فروغ نہیں پاتیں۔

14۔ غیر ملکی مصنوعات خریدنے کا جنون (Craze for Foreign Products)

نمود و نمائش اور معاشرے میں ایک دوسرے سے بڑھ کر اپنے آپ کو امیر ثابت کرنے کے شوق کی وجہ سے لوگوں میں غیر ملکی اشیا خریدنے کا جنون پایا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے مقامی اشیا کی مانگ میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوتا۔

15۔ صنعتی تحقیق کا فقدان (Lack of Industrial Research)

دیگر پسماندہ ممالک کی طرح ہم اپنے حالات کے مطابق صنعتوں کو فروغ دینے کے لئے صنعتی تحقیق پر خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکتے جس کی وجہ سے صنعتی ترقی کی نئی راہیں نہیں کھل سکیں۔

16۔ ڈبلیو ٹی او کے قوانین (Laws of WTO)

پاکستان کی صنعت کے لئے مستقبل کا سب سے بڑا چیلنج ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (WTO) کے قوانین ہیں۔ جن کی وجہ سے آزاد تجارت کو فروغ ملے گا اور مقامی صنعتوں کو ملٹی نیشنل کمپنیوں کی صنعتی اشیا کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑے گا اگر مقامی صنعت نے اس کا احساس

نہ کیا تو یہ صنعتیں تباہ ہو جائیں گی۔

صنعتی مسائل کا حل (Solution of Industrial Problems)

ان مسائل کو حل کرنے کے لئے درج ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

1۔ مستقل صنعتی پالیسی (Permanent Industrial Policy)

صنعت کاروں کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے ایک ٹھوس صنعتی پالیسی کی ضرورت ہے۔ جس میں سرمایہ داروں کو ان کے سرمائے کے لئے تحفظ کی یقین دہانی حاصل ہو۔ ایک طویل المیعاد ٹھوس صنعتی پالیسی کے ذریعے ہم اپنے صنعتی شعبہ کو بہتر بنا سکتے ہیں۔

2۔ مالی اداروں کا قیام (Financial Institutions)

کسی ملک کی معاشی حالت میں مالی ادارے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ سرمایہ کاروں کے لئے طویل مدت قرضوں کی فراہمی، باہر سے مشینری منگوانے کے لئے زرِمبادلہ کی ضرورت یا خرید و فروخت میں مالی ادارے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ملک میں سرمایہ کی کمی دُور کرنے کے لئے مختلف سکیموں کے ذریعے بچت کی ترغیب دی جائے تاکہ صنعتوں کے قیام اور بیمار صنعتوں کی بحالی کے لیے وسائل فراہم ہو سکیں۔

3۔ جدید ٹیکنالوجی (Modern Technology)

پاکستان میں صنعتی ادارے اس وقت پُرانی اور فرسودہ ٹیکنالوجی کو استعمال میں لا رہے ہیں۔ صنعتی شعبہ کو دنیا کے دیگر ممالک کی صف میں لانے کے لئے جدید ٹیکنالوجی کی درآمد بہت ضروری ہے۔ اس سے مصنوعات کا معیار بلند ہوگا اور ہم WTO کے چیلنج کا مقابلہ کر سکیں گے۔

4۔ معدنیات کی باقاعدہ رسد (Regular Supply of Minerals)

ہمارا ملک معدنیات کی دولت سے مالا مال ہے لیکن ان کو دریافت نہیں کیا جا سکا۔ پاکستان کو معدنیات کی دریافت کے لئے اپنے ذرائع استعمال کرنے چاہیں۔ اپنی ضروریات کی وہ معدنیات درآمد کی جائیں جو کہ ملک میں موجود نہیں ہیں۔

5۔ بنیادی صنعتی ڈھانچہ (Basic Infrastructure)

ملک میں بنیادی صنعتی ڈھانچہ سے متعلق شعبوں کو ترقی دی جائے۔ ملک میں ذرائع نقل و حمل، مواصلات، بجلی گھر، توانائی کے دیگر ذرائع کی فراہمی، خام مال کی فراہمی اور بھاری صنعتوں کے قیام کا بندوبست کیا جائے تاکہ ملک میں مزید صنعتی ترقی کے مواقع پیدا ہوں اور ملکی مصنوعات دیگر ملکوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اس کے علاوہ ملکی منڈی بھی وسیع ہوگی۔

6۔ مزدوروں کی استعداد کار میں اضافہ (Increase in Labour Efficiency)

مزدوروں کی استعداد کار بڑھانے کے لئے فنی مراکز قائم کئے جائیں۔ جن میں مزدوروں کی تربیت ہو۔ اس کے علاوہ دیانتداری اور دل جمعی سے کام کرنے والے مزدوروں کو انعام و اکرام سے نوازا جائے تاکہ ہر شخص میں دیانتداری سے کام کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔

7۔ اچھے صنعتی تعلقات (Good Industrial Relations)

مالک اور مزدور کے درمیان تنازعات کو حل کرنے کے لئے اچھا ادارہ قائم کیا جائے جو اس بات کی ضمانت دے کہ مزدوروں کا

استحصال نہ ہو اور نہ صنعت کاروں پر ٹریڈ یونینز ناجائز دباؤ ڈالیں۔ بلکہ دونوں فریقوں کے درمیان بھائی چارہ اور خیر سگالی کے جذبات جنم لیں اور ہر فریق دوسرے کے مفادات کا خیال رکھے۔

8۔ تامین کی پالیسی (Protection Policy)

ملکی نوزائیدہ صنعتوں کو غیر ملکی مضبوط صنعتوں سے بچانے کے لئے تامین کی پالیسی اختیار کی جائے۔ غیر ملکی مصنوعات کے استعمال کی حوصلہ شکنی کی جائے تاکہ لوگ ملکی مصنوعات خریدنے کی طرف راغب ہوں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ملکی مصنوعات کا معیار بہتر بنایا جائے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جن صنعتوں کو تامین کے ذریعے تحفظ دیا جاتا ہے وہ اپنا معیار بہتر نہیں بناتیں اس لئے تامین کی ایک مدت مقرر کی جائے۔

9۔ متوازن ترقی (Balanced Growth)

پاکستان میں صنعتی اور زرعی شعبوں کو بیک وقت ترقی کی ضرورت ہے۔ یہ دونوں اہم شعبے ایک دوسرے کی ترقی میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ زرعی شعبہ کی ترقی سے خام مال حاصل ہوتا ہے۔ جسے برآمد کر کے صنعتی مشینری کو درآمد کرنے کے لئے زرمبادلہ بھی حاصل ہو سکتا ہے جبکہ صنعتی شعبہ کی ترقی سے زرعی شعبہ کو زرعی مشینری بھی حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا اس وقت ضروری ہے کہ دونوں شعبوں کو یکساں اہمیت دی جائے۔

10۔ اشیا کے معیار پر توجہ (Quality Control)

مقامی اور بین الاقوامی منڈی میں مصنوعات کا معیار بہت اہمیت کا حامل ہے۔ آئی۔ ایس۔ او (I.S.O) سرٹیفیکیشن کے لئے اشیا کے معیار کو بین الاقوامی سطح پر لا کر ہی ہم دور جدید کے گلوبلائزیشن جیسے چیلنجوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

11۔ توانائی کی رسد پر توجہ (Power Supply)

بجلی کی کمی اور گیس کی لوڈ شیڈنگ کے مسائل کو حل کرنا، توانائی کے متبادل ذرائع تلاش کرنا صنعتی ترقی کے لئے ازحد ضروری ہے۔

12۔ ٹیکسوں میں چھوٹ (Tax Concession)

پاکستان کی بنیادی صنعتوں اور زرعی شعبہ سے وابستہ صنعتوں کے فروغ اور ملک کے مختلف علاقوں میں صنعتوں کے قیام کے لئے سرمایہ کاروں کو ٹیکسوں میں چھوٹ دے کر اس مسئلہ پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

13۔ صنعتی اسٹیٹس کا قیام (Industrial Estates)

لاہور کے قریب سندر انڈسٹریل اسٹیٹ کا قیام عمل میں لایا جا رہا ہے۔ اس طرح کی انڈسٹریل اسٹیٹس کا ملک کے مختلف حصوں میں قیام صنعتی ترقی میں معاون ثابت ہوگا۔

14۔ بیمار صنعتی یونٹوں کی بحالی (Revival of Sick Industrial Units)

ٹیکسٹائل اور دوسری مصنوعات کے بہت سے کارخانے خسارہ میں جا رہے ہیں یا بند ہو چکے ہیں۔ ان یونٹوں کی بحالی کے اقدامات صنعتی ترقی کی طرف مثبت اقدام ہوگا۔

8.8 صنعتوں کی ترقی (Development of Industries)

دور جدید میں معاشی ترقی اور صنعتی ترقی لازم وملزوم سمجھے جاتے ہیں۔کوئی ملک اگر صنعتی میدان میں ترقی کر رہا ہوتو اس کے نتیجے میں دوسرے شعبے بھی پھلتے اور پھولتے ہیں۔روزگار کے لئے نئے نئے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔آج کے دور میں صنعتی ممالک کو ہی امیر ممالک سمجھا جاتا ہے۔

پاکستان کا شمار پسماندہ ممالک میں ہوتا ہے۔اس کی بنیادی وجہ ہماری صنعتی بنیاد کا کمزور ڈھانچہ ہے۔1947 میں قیام پاکستان کے وقت برصغیر پاک وہند میں کل 921 صنعتیں تھیں۔ان میں سے صرف 34 صنعتیں پاکستان کے حصہ میں آئیں۔1949-50 میں پاکستان کی خام داخلی پیداوار (GDP) میں صنعتی شعبہ کا حصہ صرف 7.0 فی صد تھا۔قیام پاکستان کے فوراً بعد حکومت پاکستان نے صنعتی شعبہ کی ترقی کے لئے متعدد اقدامات کئے۔جن کے نتیجے میں سال 2000 تک پاکستان کی خام داخلی پیداوار (GDP) میں اس شعبہ کا حصہ 17 فی صد اور اب 2011-12 میں 25.4 فی صد تک جا پہنچا ہے۔

مشقی سوالات

سوال 1: نیچے دیئے گئے ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

1۔ معاشی ترقی سے مراد ہے۔
(الف) قومی آمدنی میں اضافہ (ب) زرعی آمدنی میں اضافہ
(ج) روزگار میں اضافہ (د) حقیقی قومی آمدنی میں اضافہ

2۔ معاشی ترقی کی پیمائش کا بہتر طریقہ بتایا۔
(الف) ہیرڈ اینڈ ڈومر نے (ب) آرتھر لیوس نے
(ج) مارشل نے (د) آدم سمتھ نے

3۔ پاکستانی معیشت ہے۔
(الف) ترقی یافتہ (ب) ترقی پذیر
(ج) انتہائی ترقی یافتہ (د) الف اور ب دونوں

4۔ پاکستان میں پنجسالہ منصوبہ بندی کا آغاز ہوا۔
(الف) 1950 (ب) 1955
(ج) 1958 (د) 1960

5۔ پاکستان کے پہلے منصوبے کا عرصہ تھا۔
(الف) 1950-55 (ب) 1955-60
(ج) 1958-63 (د) 1960-65

6۔ پاکستان کی خام قومی پیداوار میں زراعت کا حصہ ہے۔

(الف) 18% (ب) 25.4%

(ج) 20.9% (د) 30%

7۔ پاکستان کی خام قومی پیداوار میں صنعت کا حصہ ہے۔

(الف) 20% (ب) 20.30%

(ج) 24% (د) 26%

8۔ کولمبو پلان کی مدت تھی۔

(الف) 6 سال (ب) 7 سال

(ج) 10 سال (د) 12 سال

9۔ معاشی ترقی کی پیمائش ذیل کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔

(الف) زری قومی آمدنی (ب) حقیقی قومی آمدنی

(ج) قابل تصرف شخصی آمدنی (د) ان میں سے کوئی نہیں۔

10۔ پاکستان نے صنعتی لحاظ سے کس پنجسالہ منصوبہ کے دوران زیادہ ترقی کی۔

(الف) پہلے پنجسالہ منصوبہ (ب) دوسرے پنجسالہ منصوبہ

(ج) چوتھے پنجسالہ منصوبہ (د) آٹھویں پنجسالہ منصوبہ

سوال 2: درج ذیل جملوں میں دی گئی خالی جگہیں پُر کریں۔

-1 پاکستان کی .... فی کس آبادی کا انحصار زراعت پر ہے۔

-2 PICIC کا قیام .... میں عمل میں لایا گیا۔

-3 پاکستان میں سن .... میں صنعتوں کو قومی تحویل میں لینے کے کام کا آغاز ہوا۔

-4 انوسٹمنٹ بورڈ کا قیام .... میں عمل لایا گیا۔

-5 پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن (PIDC) کا قیام .... میں عمل لایا گیا۔

سوال 3: کالم (الف) اور کالم (ب) میں دیے گئے جملوں میں مطابقت پیدا کر کے درست جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
پاکستان کی قومی آمدنی میں زراعت کا حصہ	1,512 امریکی ڈالر	
پاکستان کی قومی آمدنی میں صنعت کا حصہ	کم فی کس آمدنی	
پاکستان کی فی کس آمدنی	20.9 فیصد	

پہلے پنجسالہ منصوبہ کا آغاز	20.30 فیصد	
صنعتوں کو قومی تحویل میں لینے کا آغاز	1955	
ترقی پذیر معیشت	معاشی و سیاسی عوامل	
معاشی منصوبہ بندی کا آغاز	مکمل روزگار کی سطح	
معاشی منصوبہ بندی کا ایک مقصد	1972	
معاشی ترقی میں رکاوٹ	روس	
	1960-70	
	1948	

سوال 4: درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے۔

1- پروفیسر آرتھر لیوس کی معاشی ترقی کی تعریف کیجئے۔
2- مائر اینڈ بالڈون کی معاشی ترقی کی تعریف بیان کیجئے۔
3- معاشی ترقی کے عوامل کی اقسام بیان کیجئے۔
4- معاشی ترقی پر اثر انداز ہونے والے تین عوامل تحریر کیجئے۔
5- ترقی پذیر معیشت کی تعریف بیان کیجئے۔
6- منصوبہ بندی سے کیا مراد ہے؟
7- پاکستان کے صنعتی شعبہ کے چار اہم مسائل لکھیے۔
8- پاکستان کے زرعی شعبہ کو درپیش چار اہم مسائل بیان کیجئے۔

سوال 5: درج ذیل سوالات کے جوابات تفصیل سے تحریر کریں۔

1۔ معاشی ترقی سے کیا مراد ہے؟ اس کی پیمائش کیسے کی جاتی ہے؟
2۔ معاشی ترقی کے مختلف عوامل بیان کیجئے۔
3۔ پاکستان کی معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں بیان کریں۔
4۔ ترقی پذیر معیشت سے کیا مراد ہے؟ ترقی پذیر معیشتوں کی مشترکہ خصوصیات بیان کیجئے۔
5۔ پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی کے لئے کئے گئے اقدامات کا جائزہ لیجئے۔
6۔ پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک میں صنعتوں کی اہمیت بیان کیجئے۔
7۔ پاکستان کے صنعتی شعبہ کے مسائل بیان کیجئے اور ان کا حل بتائیے۔

باب 9
مواصلات، ذرائع آمدورفت اور انسانی ذرائع کی ترقی
(COMMUNICATION, TRANSPORTATION AND HUMAN RESOURCE DEVELOPMENT)

ذرائع مواصلات اور آمدورفت (Communication and Transportation)

ٹرانسپورٹ اور مواصلات کسی بھی ملک کی معاشی ترقی اور ملکی پیداواری اساس کو بڑھانے کے سلسلہ میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کسی ملک کے ذرائع مواصلات کی ترقی اور ذرائع آمدورفت میں بہتری کے نتیجے میں نہ صرف اس ملک میں پیداواری مصارف میں کمی آتی ہے بلکہ وہ ملک کے مختلف حصوں میں پیدا ہونے والی اشیا کی ملک کے مختلف حصوں میں ترسیل بھی آسان ہوجاتی ہے۔ آجرین کو اپنی پیداوار کی بہتر قیمت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں مواصلات اور ذرائع آمدورفت (Communication and Transportation) کے نظام کی ابتری نہ صرف معاشی لحاظ سے بلکہ معاشرتی لحاظ سے ملک کو پسماندہ رکھتی ہے۔

9.1 اہمیت (Importance)

ان ذرائع کی اہمیت درج ذیل حقائق سے ظاہر ہے۔

(1) مصارف پیداوار میں کمی (Reduction in Cost of Production)

ذرائع مواصلات اور نقل وحمل جتنے زیادہ بہتر ہوں گے ملک کے مختلف حصوں کے درمیان آمدورفت اتنی ہی آسان ہوگی۔ تاجروں اور صنعت کاروں میں رابطہ جتنا آسان ہوگا اتنے ہی مصارف پیدائش کم ہوں گے۔ اشیا کا معیار ملک کے مختلف حصوں میں یکساں ہوگا اور پورے ملک میں اشیا کی قیمتوں میں یکسانیت ہوگی۔

(2) اندرونی و بیرونی تجارت میں اضافہ
(Expansion in Domestic and International Trade)

ذرائع نقل وحمل اور مواصلات کی بہتری کے نتیجے میں اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک تاجروں میں رابطہ آسان ہوجاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں تجارتی سرگرمیاں فروغ پاتی ہیں۔

(3) ملک کے دُور دراز علاقوں سے رابطہ (Linking Remote Areas)

ان ذرائع کی بہتری کے نتیجے میں ملک کے دُور دراز علاقوں تک رسائی ممکن ہوجاتی ہے اور ان علاقوں کی پیداوار کی رسائی بڑی منڈیوں تک ہوجاتی ہے۔ اس طرح ان علاقوں کے تاجر، کسان اور آجر معاشی لحاظ سے مضبوط ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا بڑے شہروں سے اشیا ان علاقوں تک پہنچ جاتی ہیں۔

(4) پیداوار میں اضافہ (Increase in Production)

بڑی منڈیوں تک رسائی کے نتیجے میں نہ صرف دُور دراز علاقوں کی پیداوار کی بہتر قیمت ملنے کی وجہ سے اضافہ ہوتا ہے بلکہ

اشیا کا معیار بھی بہتر ہو جاتا ہے اور ملک میں مجموعی پیداوار بھی بڑھ جاتی ہے۔

(5) عاملینِ پیدائش کی حرکت پذیری (Mobility of Factors of Production)

ذرائع نقل و حمل و مواصلات کے بہتر ہونے اور ان سہولیات میں اضافہ کے نتیجے میں مختلف عاملینِ پیدائش خصوصاً مزدوروں کی ملک کے مختلف حصوں تک رسائی ممکن ہو جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں مزدور بہتر روزگار حاصل کر پاتے ہیں اور مجموعی طور پر ان کے معاوضے بہتر ہو جاتے ہیں۔

(6) انسانی ذرائع کی ترقی (Human Resource Development)

مزدوروں کے لیے کام کے بہتر مواقع، طالب علموں کے لئے تعلیم کی بہتر سہولتوں تک رسائی، ہنرمندوں کے لئے بہتر اداروں تک رسائی، تعلیم وصحت کی بہتر اور اضافی سہولتوں کا حصول انسانی ذرائع کی ترقی کا موجب بنتے ہیں۔

(7) متوازن ترقی (Balanced Growth)

ذرائع مواصلات اور نقل و حمل کی ترقی کے نتیجے میں ملک کے مختلف حصوں میں رابطہ آسان ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ملک کے مختلف حصوں میں تعلیم وصحت کے یکساں مواقع کی فراہمی آسان ہو جاتی ہے۔ خام مال کی ترسیل اور اشیا و خدمات کی نقل و حمل کے نتیجے میں ملک کے تمام حصوں میں یکساں ترقی کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔

(8) سیاسی فوائد (Political Benefits)

ملک کے مختلف حصوں میں آنے جانے کے نتیجے میں یکساں عادات، رسم و رواج کے علاوہ قومی سوچ پیدا ہوتی ہے۔ لوگ اپنے آپ کو اپنے وطن سے وابستہ سمجھتے ہیں۔ قومی سیاست کی حامل سیاسی جماعتیں مضبوط ہوتی ہیں۔ صوبائی اور علاقائی تعصب کا خاتمہ ہوتا ہے۔

(9) ملکی دفاع اور امن وامان کی بہتری
(Improvement in Defence, Law and Order)

ملک کی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کے لئے بھی ذرائع مواصلات کی ترقی اہم ہے۔ ملک دشمنوں پر توجہ رکھنا اور سرحدوں پر دخل اندازی کو روکنا آسان ہو جاتا ہے۔ اسی طرح امن وامان قائم رکھنے کے لئے بھی تیز رفتاری سے اقدامات کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔

(10) سماجی ومعاشرتی فوائد (Social Benefits)

سماجی سطح پر یکساں سماج، یکساں قومی سوچ اور یکساں رسوم و رواج کے فروغ، ملکی وقومی یکجہتی کے فروغ کا باعث بنتے ہیں۔ علاقائی سوچ کا خاتمہ ہوتا ہے۔ ملک کے مختلف علاقوں کے باشندے ایک جگہ سے دوسری جگہ آسانی سے پہنچ جاتے ہیں۔ روزگار حاصل کرتے ہیں، باہمی نفرتیں اور کدورتیں ختم ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے یوں ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔

9.2 ذرائع آمدورفت (Means of Transportation)

مواصلات اور نقل و حمل کے روایتی ذرائع میں سڑکیں (Roads)، بڑی شاہراہیں (High ways)،

ریلوے (Railways)، ہوائی جہاز (Air lines)، بندرگاہیں (Ports) اور جہاز رانی (Shiping) شامل ہیں۔ان ذرائع کی تفصیل درج ذیل ہے:

(i) سڑکوں کا جال (Road Network)

سڑکیں کسی بھی ملک کے مختلف حصوں اور دوسرے ممالک کے ساتھ روابط میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ پاکستان میں سفر کرنے والے افراد کا 92 فی صد سڑکوں اور شاہراہوں کے ذریعے سفر کرتا ہے جبکہ تقریباً 56 فی صد اشیا کی نقل و حمل اسی ذریعے سے ہوتی ہے۔ سڑکوں پر مسافروں اور سامان لانے جانے کے لئے بسیں، ٹرک، کاریں، رکشے، موٹر سائیکل، ٹرالر وغیرہ استعمال ہوتے ہیں۔ گذشتہ چند سالوں میں سڑکوں کی اہمیت میں مزید اضافہ ہوا ہے۔اس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

(الف) سڑکوں کے ذریعے سفر نسبتاً سستا پڑتا ہے اور زیادہ محفوظ ہوتا ہے۔ گذشتہ سالوں میں سڑکوں کی حالت بہتر ہونے اور اچھی گاڑیوں کے آنے سے اس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔

(ب) بہت سے علاقوں تک رسائی کے لئے سڑکیں ایک واحد ذریعہ ہیں۔

(ج) معاشی ترقی میں اضافہ کے نتیجے میں سفری اخراجات میں کمی آ جاتی ہے۔

پاکستان میں سڑکوں کی لمبائی دو لاکھ انسٹھ ہزار چار سو تریسٹھ کلومیٹر (2,59,463 Km) ہے۔ان میں سے تقریباً 78597 کلومیٹر کمتر درجے کی سڑکیں ہیں اور بقیہ اچھی سڑکیں اور شاہراہیں ہیں۔ 91-1990 سے لے کر اب تک نئی سڑکوں کی تعمیر میں پچاس فی صد اضافہ ہوا ہے۔اس طرح کم تر درجہ کی سڑکوں کو بہتر درجہ کی سڑکوں میں تبدیلی کا عمل بھی جاری ہے۔

پاکستان میں سڑکوں کی تعمیر و بحالی کی ذمہ داری نیشنل ہائی وے اتھارٹی (NHA) کے سپرد ہے۔ NHA کے تحت سترہ قومی شاہراہیں ہیں۔ان کے علاوہ موٹروے اور دفاعی اہمیت کی حامل سڑکوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری بھی نیشنل ہائی وے اتھارٹی (NHA) پر ہے۔قومی سطح کی یہ شاہراہیں کل سڑکوں کا ساڑھے تین فی صد (3.5%) ہیں اور ان کی لمبائی 8845 کلومیٹر ہے۔ بڑی شاہراہوں میں (i) کراچی۔ لاہور۔ پشاور۔ طورخم شاہراہ (N5) (ii) مکران کوسٹل روڈ (iii) کاغان ویلی روڈ (iv) کراچی۔ خضدار۔ کوئٹہ چمن ہائی وے (v) حسن ابدال۔ گلگت۔ خنجراب روڈ (vi) لک پاس۔ دالبندین۔ نوکنڈی۔ تافتان روڈ (vii) نوشہرہ۔ دیر۔ چترال ہائی وے (viii) کوئٹہ (کچلاک)۔ مسلم باغ۔ ژوب۔ڈی۔آئی۔خان ہائی وے۔ (ix) انڈس ہائی وے (x) سکھر۔ سبی۔کوئٹہ ہائی وے۔ (xi) اسلام آباد۔ مظفرآباد ہائی وے۔

ان کے علاوہ موٹروے پراجیکٹس میں درج ذیل موٹروے شامل ہیں۔

(الف) اسلام آباد۔ پشاور موٹروے (154 کلومیٹر)

(ب) لاہور۔اسلام آباد موٹروے (367 کلومیٹر)

(ج) پنڈی بھٹیاں۔فیصل آباد موٹروے (52 کلومیٹر)

دیگر شاہراہوں میں درج ذیل شامل ہیں۔

(i) کراچی ناردرن بائی پاس (ii) لیاری ایکسپریس وے (کراچی)

(iii) بندر روڈ لاہور (iv) کوہاٹ ٹنل لنک روڈ
(v) سکھر بائی پاس (vi) ٹل پارہ چنار
(vii) خضدار سے کھوڑی (viii) رتوڈیرو۔ شہدادکوٹ۔ قبہ سعید خان
(ix) ایبٹ آباد۔ نتھیا گلی۔ باڑیاں۔ مری روڈ
(x) راولپنڈی اربن ایریا پراجیکٹ

(ii) پاکستان ریلوے (Pakistan Railways)

برصغیر میں ریلوے کا نظام انگریزوں کے دور حکومت میں عمل میں لایا گیا۔ قیام پاکستان کے وقت پاکستان میں مسافروں اور سامان کی نقل و حمل کا یہ سب سے بڑا ذریعہ تھا اور تقریباً 70 فی صد مسافر ریلوے کے ذریعے سفر کرتے تھے۔

وقت گذرنے کے ساتھ پاکستان میں ریلوے کا محکمہ زبوں حالی کا شکار ہوتا گیا اور وقت کی ضرورت کے تحت ترقی نہ کر سکا۔ اس کے مقابلہ میں روڈ ٹرانسپورٹ نے خوب ترقی کی۔ مسافروں کی تعداد جو کہ پاکستان ریلوے کے ذریعے سفر کرتی تھی کم ہو کر صرف 9.0 فی صد رہ گئی۔ جبکہ روڈ ٹرانسپورٹ کے ذریعے تقریباً 92 فی صد مسافر سفر کرنے لگے۔ اس طرح کل سامان کا 45 فی صد جو کہ ریلوے کے ذریعے ملک کے مختلف حصوں میں پہنچایا جاتا تھا۔ اس کا حصہ کم ہو کر صرف 2.4 فیصد رہ گیا۔

پاکستان ریلوے ملک میں 7791 روٹ کلومیٹر ہے۔ محکمہ ریلوے کے پاس 577 گاڑیاں' 1901 مسافر ڈبے (کوچ) اور 23939 سامان کے ڈبے ہیں۔

پاکستان ریلوے 72-1971 تک ایک منافع بخش ادارہ تھا۔ اس کے بعد یہ ادارہ مسلسل خسارہ کا شکار ہے۔ 91-1990 میں پاکستان ریلوے کے ذریعے 84.9 ملین لوگوں نے سفر کیا۔ 02-2001 میں یہ تعداد کم ہو کر 69.0 ملین رہ گئی۔ جبکہ 13-2012 کے پہلے 9 ماہ میں یہ تعداد صرف 31.42 ملین رہ گئی جبکہ 13-2012 میں گاڑیوں کی تعداد 753 سے کم ہو کر 515 اور سامان لے جانے والے ڈبوں کی تعداد 34851 سے کم ہو کر 17543 رہ گئی۔

پاکستان ریلوے کو سہارا دینے کے لئے محکمہ نے کچھ انقلابی اقدامات اٹھائے۔ اس ضمن میں نان سٹاپ گاڑیوں کا اجرا کیا گیا' مثلاً کراچی اور لاہور کے درمیان مسافروں کی نقل و حمل کے لئے قراقرم ایکسپریس' کراچی ایکسپریس اور شالیمار ایکسپریس کا اجرا کیا گیا۔ اسی طرح راولپنڈی۔ کوئٹہ روٹ پر جعفر جمالی ایکسپریس کا اجرا کیا گیا۔ اسی طرح چین سے نئی ٹیکنالوجی کی درآمد کے ذریعے ریلوے کو بہتر ڈھانچہ (Infrastructure) اور مواصلاتی نظام کی فراہمی کا پروگرام شروع کیا گیا۔ اس شعبہ میں دس سال میں 109 ارب روپے کی سرمایہ کاری کا منصوبہ بھی بنایا گیا۔

پاکستان ریلوے کے مسائل (Problems of Pakistan Railways)

پاکستان ریلوے بہت سے مسائل کا شکار ہے۔ اسی وجہ سے یہ ادارہ مسلسل انحطاط کا شکار ہے۔ ٹرانسپورٹ کے شعبہ میں پاکستان ریلوے کا حصہ مسلسل کم ہوتا جا رہا ہے جو کہ اس ادارے پر لوگوں کے بڑھتے ہوئے عدم اطمینان کا اظہار ہے۔ آج بھی یہ ادارہ اگر خرابی کی وجوہات پر قابو پالے تو مسافروں اور تاجروں کا اعتماد حاصل کیا جا سکتا ہے۔ پاکستان ریلوے کے اہم مسائل درج ذیل ہیں۔

(i) کرپشن (Corruption)

پاکستان ریلوے کے بڑے مسائل میں سے ایک ادارہ میں پائی جانے والی کرپشن ہے۔ ٹکٹوں کی بلیک میں فروخت۔ سامان میں خرد برد وغیرہ جیسے مسائل کی وجہ سے لوگوں کا اعتماد مسلسل مجروح ہوتا رہا ہے۔ گذشتہ چند سالوں سے اس سلسلہ میں اقدامات کیے گئے۔ ٹکٹ ریزرویشن کا نظام کمپیوٹرائزڈ کیا گیا ہے۔

(ii) غیر منافع بخش روٹ (Uneconomical Routes)

سیاسی اور معاشی وجوہات کی بنا پر کئی ایسے روٹس پر گاڑیاں چلائی جا رہی ہیں جو کہ مسلسل خسارے کا باعث ہیں۔

(iii) دیگر وجوہات (Other Reasons)

ماضی میں غیر صحت مند ٹریڈ یونین سرگرمیاں' حکومتوں کی بڑھتی ہوئی مداخلت' غیر ضروری بھرتیاں' کاروباری انداز میں معاملات کو نہ چلانے اور دیگر وجوہات کی بنا پر یہ ادارہ تباہی کی طرف تیزی سے بڑھ رہا تھا' اس سلسلہ میں کیے گئے اقدامات کے نتیجے میں یہ سلسلہ کم ہو رہا ہے۔

خشک گودیاں اور بندرگاہیں (Dry Ports and Seaports)

ائرپورٹس اور بندرگاہوں کے علاوہ پاکستان میں آٹھ خشک گودیاں (Dry Ports) قائم کی گئی ہیں۔ ان کے قیام کا بنیادی مقصد بندرگاہوں اور سرحدی علاقوں کے دُور دراز کے علاقوں میں مال کی ترسیل کو آسان کرنا اور درآمد و برآمد کے سلسلہ میں تاجروں کو سہولت فراہم کرنا تھا۔

ڈرائی پورٹس کی تجویز سب سے پہلے 1967 میں صنعتوں کی وزارت نے پیش کی تھی۔ اس تجویز میں کہا گیا تھا کہ ملک کے مختلف حصوں میں خشک گودیاں قائم کی جائیں۔ لاہور چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے مطالبہ پر سب سے پہلی خشک گودی 1973 میں لاہور میں قائم کی گئی۔

اسی (80) کی دہائی میں نیشنل لاجسٹک سیل (NLC) کے قیام سے لاہور کی خشک گودی کو کافی تقویت حاصل ہوئی اور اس نے کافی بہتر سہولتیں فراہم کرنا شروع کر دیں۔ لاہور ڈرائی پورٹ کی کامیابی کے بعد ملک کے مختلف حصوں سے تاجروں کی طرف سے نئی خشک گودیاں (Dry Ports) قائم کرنے کا مطالبہ بڑھتا رہا۔ جس کے نتیجے میں درج ذیل مقامات پر خشک گودیوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔

حیدرآباد ڈرائی پورٹ 1984 میں قائم کی گئی۔ سیالکوٹ ڈرائی پورٹ کا قیام نجی شعبہ کے اخراجات کے نتیجہ میں 1985 میں سمبڑیال میں عمل میں لایا گیا۔ یہ ڈرائی پورٹ گوجرانوالہ' گجرات اور سیالکوٹ کے تاجروں کو درآمد و برآمد کی سہولت فراہم کر رہی ہے۔

پاکستان ریلوے نے 1986 میں ملتان اور پشاور میں خشک گودیاں قائم کیں۔ اسی طرح 1987 میں کوئٹہ' 1990 میں راولپنڈی میں چکلالہ کے مقام پر اور 1994 میں نجی شعبے نے فیصل آباد میں خشک گودی قائم کی۔

9.3 جدید ذرائع مواصلات (Modern Means of Communication)

وقت گذرنے کے ساتھ مواصلات کے شعبہ میں انقلابی تبدیلیاں آتی جا رہی ہیں۔ خصوصاً کمپیوٹر کی ایجاد کے بعد یہ تبدیلی بہت تیز رفتار ہو گئی ہے۔ اس سے پہلے اندرون ملک اور بیرون ملک روابط کا ذریعہ صرف اور صرف ڈاک کا نظام تھا۔ ڈاک کا نظام جو کبھی گھوڑوں

اور دیگر جانوروں کی مدد سے کیا جاتا تھا۔ ریلوے کی ترقی سے ڈاک تیز رفتاری سے ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچنے لگی۔ اس کے اگلے مرحلے میں ٹیلی گرام، ٹیلکس اور ٹیلی گراف کی صورت میں مواصلات کے نظام میں تبدیلی کی اور نہایت تیز رفتاری سے پیغامات کی ترسیل ممکن ہوئی۔ اسی ضمن میں OCS,TCS اور DHL وغیرہ کی صورت میں دیگر ادارے سامنے آئے جو کہ سامان اور پیغامات کی ترسیل میں مزید تیز رفتاری کا ذریعہ ثابت ہوئے۔

(الف) کمپیوٹر اور انفارمیشن ٹیکنالوجی (Computer and Information Technology)

اس پورے تاریخی ارتقا میں جس ایجاد نے حیرت انگیز ترقی کی اور دنیا کو ایک گلوبل ولیج بنانے میں مدد دی وہ کمپیوٹر کی ایجاد ہے۔ شروع میں کمپیوٹر ٹیکنالوجی بہت مہنگی تھی اور بہت بڑی بڑی مشینیں استعمال ہوتی تھیں لیکن کموڈور کمپیوٹر سے لے کر پینٹیم فور (Pentium Four) تک اور اس کے ساتھ لیپ ٹاپ (Lap Top) کی ایجاد نے دنیا کو ایک اور نئے دور میں داخل کر دیا۔ اسی طرح انٹرنیٹ کی ایجاد اور اس کے بڑھتے ہوئے استعمال نے دنیا بھر میں مواصلاتی رابطوں کو ایک نئی شکل دی اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کی صورت میں دنیا بھر میں ایک نئی ٹیکنالوجی وجود میں آئی۔

اب ایک شخص اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے دنیا بھر میں لوگوں سے رابطہ میں ہو سکتا ہے۔ اپنے E-mail ایڈریس کے ذریعے وہ لوگوں سے رابطہ کر سکتا ہے اور دوسروں کے ای۔میل ایڈریس پر ان کو پیغامات بھجوا سکتا ہے۔ ان سے سوالات کر سکتا ہے اور ان کو اپنی مصنوعات سے متعارف کروا سکتا ہے۔ اشیا کی خریداری کے لئے آرڈر دے سکتا ہے۔ اشیا کی فروخت کے لئے آرڈر لے سکتا ہے۔ اپنی اشیا (Products) کے نمونے اپنے گاہکوں کو ارسال کر سکتا ہے۔ اسی طرح Chatting کی سہولت کی وجہ سے براہِ راست گفتگو کی جا سکتی ہے۔ پوری انسانی تاریخ میں شاید یہ ایسی ایجاد ہے جو کہ سستی ترین ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی روابط اور مواصلاتی رابطوں میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتی۔

اسی ٹیکنالوجی کی وجہ سے بنکوں میں ATM کا تصور سامنے آیا۔ ATM کی وجہ سے کسی آن لائن بنک کا اکاؤنٹ ہولڈر ملک بھر میں اپنے متعلقہ بنک سے رقم نکلوا سکتا ہے اور کئی دیگر سہولتوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اسی طرح آن لائن رقم کی ترسیل بہت آسان ہو گئی ہے۔ پلاسٹک منی (Plastic Money) سامنے آئی۔ کریڈٹ کارڈز (Credit Cards) اور ڈیبٹ کارڈز (Debit Cards) کو فروغ حاصل ہوا۔ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے لوگ مختلف ممالک سے اشیا کی آن لائن خریداری کر رہے ہیں اور اشیا و خدمات بیچ رہے ہیں۔ سٹاک ایکسچینج کا نظام جہاں ممبران حصص (Shares) کی خرید و فروخت کرتے تھے۔ اب ساری مارکیٹ آن لائن ہو گئی ہے اور براہِ راست بولی کی بجائے آن لائن بولی دی جاتی ہے اور ان کے نتیجے میں بازار حصص (Shares Market) کا حجم بھی بڑھا ہے۔

اسی سلسلہ میں حکومتِ پاکستان نے بھی انفارمیشن ٹیکنالوجی کے فروغ کے لئے متعدد اقدامات کئے ہیں۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کی علیحدہ وزارت قائم کی ہے اور حکومتِ پاکستان اس ضمن میں تین پہلوؤں پر کام کر رہی ہے۔

(i) ای۔گورنمنٹ (E-Government) کا قیام

اس اقدام کے نتیجے میں 34 وزارتوں / ڈویژنوں کی ویب سائٹس (Websites) تیار کی گئی ہیں۔ جہاں سے براہِ راست

معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ سرکاری ملازمین کی اس شعبہ میں تربیت کا اہتمام کیا گیا ہے۔

(ii) آئی ٹی انڈسٹری ڈویلپمنٹ پروگرام (IT Industry Development Programme)

اس پروگرام کے تحت پاکستان سافٹ ویئر ایکسپورٹ بورڈ (PSEB) بنایا گیا ہے تاکہ پاکستان میں سافٹ ویئر (Software) کی صنعت کو ترقی دی جا سکے اور اس کی برآمد کے ذریعے زرمبادلہ کمایا جا سکے۔ اسی طرح آئی ٹی پارک (IT Park) بنانے کا منصوبہ تیار کیا گیا ہے۔

(iii) انسانی ذرائع کی ترقی (Human Resource Development)

اس مقصد کے لئے ڈگری اور پوسٹ گریجویٹ سطح پر IT کی تعلیم دینے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔ اسی طرح سکولوں اور کالجوں کی سطح پر بھی انفارمیشن ٹیکنالوجی کے فروغ اور اس کی تعلیم دینے کے لئے کمپیوٹر لیبارٹریز کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ اس ضمن میں درج ذیل شعبوں کے لئے ماہرین کی خدمات حاصل کی گئی ہیں اور مزید اقدامات کئے جا رہے ہیں:

(i) Inter-Networking Engineers کی تربیت۔

(ii) قانونی کاغذات (Legal Transcription) کے ماہرین کی تربیت۔

(iii) طبی ضروریات (Medical Transcription) کے ماہرین کی تیاری۔

(iv) کوالٹی کنٹرول (Quality Control) کے ماہرین کی تیاری۔

(v) مختلف اداروں کا قیام (Establishment of Different Institutions)

انفارمیشن ٹیکنالوجی کے فروغ کے لئے حکومت نے درج ذیل ادارے قائم کئے ہیں:

(i) الیکٹرانک گورنمنٹ ڈائریکٹوریٹ (Electronic Government Directorate)

(ii) پاکستان کمپیوٹر بیورو (Pakistan Computer Bureau)

(iii) پاکستان سافٹ ویئر ایکسپورٹ بورڈ (Pakistan Software Export Board)

(ب) پاکستان موٹرویز (Pakistan Motorways)

معاشی ترقی اور معاشی نمو (Economic Growth) کے لئے ایک ترقی یافتہ اور باہم مربوط تحتی ڈھانچہ (Infrastructure) نہایت ضروری ہے۔ اس ضمن میں نظام مواصلات کا موثر اور ترقی یافتہ ہونا نہایت ضروری ہے۔ پاکستان میں اس سے پہلے کراچی۔ لاہور۔ پشاور ہائی وے (N-5) موجود تھی۔ اس شاہراہ کے ذریعے پاکستان کی تجارت اور مسافروں کی تقریباً 56 فی صد ترسیل ہوتی تھی۔

پاکستان میں بڑھتی ہوئی تجارتی سرگرمیوں، وسط ایشیا کی مارکیٹوں تک رسائی، پاکستان کے مختلف خطوں کو آپس میں جوڑنے اور خام مال اور تیار شدہ مال کی ملک کے مختلف حصوں میں ترسیل کے لئے ایسے بنیادی ڈھانچہ (Infrastructure) کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی کہ جس کے نتیجے میں مستقبل کی ضروریات بھی پوری ہو سکیں اور موجودہ شاہراہوں پر بوجھ میں کمی بھی کی جا سکے۔ اسی بات کے پیش نظر پاکستان میں موٹروے (Motorways) بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کے لئے درج ذیل منصوبے تشکیل دیئے گئے:

1۔ اسلام آباد۔ پشاور موٹروے (M-1)

154 کلومیٹر طویل موٹروے کے اس منصوبے کا تخمینہ 26 ارب روپے لگایا گیا تھا۔

2۔ لاہور۔اسلام آباد موٹروے (M-2)

367 کلومیٹر لمبی یہ موٹروے مکمل ہونے کے بعد پوری طرح سے ملکی ترقی میں اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔اس پر 30 ارب روپے کے اخراجات آئے۔

3۔ پنڈی بھٹیاں فیصل آباد موٹروے (M-3)

52 کلومیٹر لمبی یہ موٹروے بھی مکمل ہو چکی ہے۔

4۔ کراچی۔حیدر آباد موٹروے (M-9)

135 کلومیٹر طویل کراچی حیدر آباد موٹروے کا ٹھیکہ فوجی موٹروے کمپنی کو دیا گیا ہے۔

5۔ کراچی ناردن بائی پاس (M-10)

پاکستان موٹرویز کے مقاصد (Objectives of Motorways)

مختلف علاقوں میں موٹروے کے قیام کے درج ذیل مقاصد تھے۔

1۔ معاشی ترقی کے لئے مربوط بنیادی ڈھانچہ (Infrastructure) کی فراہمی۔
2۔ تجارتی سرگرمیوں کا فروغ۔
3۔ افغانستان اور وسط ایشیا کی ریاستوں کے لئے ٹرانزٹ ٹریڈ کی سہولتوں کی فراہمی کے ذریعے زرمبادلہ کا حصول۔
4۔ پاکستان کے کم ترقی یافتہ اور دشوار گذار علاقوں تک رسائی۔
5۔ خام مال اور تیار شدہ مال کی تیز رفتار ترسیل۔
6۔ سبزیوں، پھلوں اور دیگر اجناس کی تیز رفتار ترسیل۔
7۔ کم ترقی یافتہ علاقوں میں صنعتی علاقوں کا قیام۔
8۔ موجودہ شاہراہوں پر بوجھ کم کرنا۔
9۔ روزگار کے نئے مواقع کی فراہمی، مزدوروں اور ہنرمند لوگوں کی نقل وحرکت میں آسانی پیدا کرنا۔
10۔ عوام میں رابطہ کو بہتر کرنا اور قومی یکجہتی پیدا کرنا۔

(ج) پاکستان کی خوشحالی میں ذرائع مواصلات کا کردار
(Role of Communication in Pakistan's Prosperity)

ذرائع مواصلات اور نقل وحمل کے ذرائع ملک کی معاشی ومعاشرتی ترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

(1) مصارف پیدائش میں کمی (Reduction in Cost of Production)

ذرائع مواصلات اور نقل وحمل جتنے زیادہ بہتر ہوں گے اتنی ہی ملک کے مختلف حصوں کے درمیان آمدورفت آسان ہوگی۔

تاجروں اور صنعت کاروں میں رابطہ جتنا آسان ہوگا اتنے ہی مصارف پیدائش کم ہوں گے۔ اشیا کا معیار ملک کے مختلف حصوں میں یکساں ہوگا اور پورے ملک میں اشیا کی قیمتوں میں یکسانیت ہوگی۔

(2) اندرونی و بیرونی تجارت میں اضافہ

(Increase in Domestic and International Trade)

ذرائع نقل و حمل اور مواصلات کی بہتری کے نتیجے میں اندرون ملک اور بیرون ملک تاجروں میں رابطہ آسان ہوجاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں تجارتی سرگرمیاں فروغ پاتی ہیں۔

(3) ملک کے دُور دراز علاقوں سے رابطہ **(Linking Remote Areas)**

ان ذرائع کی بہتری کے نتیجے میں ملک کے دُور دراز علاقوں تک رسائی ممکن ہوجاتی ہے اور ان علاقوں کی پیداوار کی رسائی بڑی منڈیوں تک ہوجاتی ہے۔ اس طرح ان علاقوں کے تاجر، کسان اور آجر معاشی لحاظ سے مضبوط ہوجاتے ہیں۔ اس طرح بڑے شہروں سے اشیا ان علاقوں تک پہنچ جاتی ہیں۔

(4) پیداوار میں اضافہ **(Increase in Production)**

بڑی منڈیوں تک رسائی کے نتیجے میں نہ صرف دُور دراز علاقوں کی پیداوار کی بہتر قیمت ملنے کی وجہ سے اضافہ ہوتا ہے بلکہ اشیا کا معیار بھی بہتر ہوجاتا ہے اور ملک میں مجموعی پیداوار بڑھ جاتی ہے۔

9.4 محنت کی پیداواریت میں اضافہ کرنے والے عوامل

(Factors Enhancing Productivity of Labour)

محنت کی پیداواریت میں اضافہ کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اس کے نتیجے میں ملک میں اشیا و خدمات کی پیداوار بڑھتی ہے، اشیا کا معیار اور کوالٹی بہتر ہوجاتی ہے۔ اس کے علاوہ اشیا کی بہتر قیمت وصول کی جاسکتی ہے۔ اس لئے محنت کی پیداواریت میں اضافہ کرنا ضروری ہے۔ درج ذیل عوامل محنت کی پیداواریت میں اضافہ کرتے ہیں:

(1) جسمانی صحت **(Physical Fitness)**

مزدوروں کے جسمانی لحاظ سے صحت مند و توانا ہونے سے ان کی استعدادِ کار جس سے پیداواریت میں اضافہ ہوتا ہے بڑھ جاتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ مزدوروں کی جسمانی صحت کے لئے اقدامات کئے جائیں۔

(2) ذہنی صحت **(Mental Health)**

ایک ذہین مزدور کند ذہن مزدور کے مقابلہ میں پیداوار میں زیادہ اضافہ کرسکتا ہے اور شے کی کوالٹی بہتر کرسکتا ہے۔

(3) تعلیم و تربیت **(Education and Training)**

ایک تعلیم یافتہ اور ہنر مند کارکن اور مزدور غیر ہنر مند مزدور کے مقابلہ میں بہتر انداز میں کام کرکے زیادہ پیداوار دے سکتا ہے اور اشیا کے معیار کو بہتر کرسکتا ہے۔

(4) آب وہوا (Climate)

اچھی آب وہوا، اچھا ماحول، ہوادار اور کھلے کمروں اور ہال میں کام کرنے سے مزدوروں کی صحت بھی بہتر رہتی ہے اور وہ زیادہ بہتر انداز میں کام کرکے پیداوار میں اضافہ کرسکتے ہیں۔

(5) مزدور اور مالک کے بہتر تعلقات
(Better Relationship between Employer and Employees)

مزدوروں اور آجروں کے باہمی تعلقات بہتر ہونے کی وجہ سے دونوں فریق ایک دوسرے کا خیال رکھیں گے اور ایک دوسرے کے مفادات کا تحفظ کریں گے۔ مزدور پوری تندہی سے کام کرکے پیداوار میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(6) ترقی کے مواقع (Promotion Chances)

کسی کاروبار میں مزدوروں اور محنت کاروں کو ترقی کے جتنے زیادہ مواقع حاصل ہوں گے۔ مالکان کی طرف سے مزدوروں کو بہتر کام کے نتیجے میں زبانی شاباش اور مالی فوائد کی صورت میں اور بہتر تنخواہ کی صورت میں ان کی پیداواریت بڑھ جاتی ہے۔

(7) مزدوروں کی قابلیت کے مطابق کام (Work According to Ability)

اگر مزدوروں کو کام ان کی صلاحیت وقابلیت اور پسند کے مطابق مل جائے تو ان کی پیداواریت بڑھ جاتی ہے۔

(8) اچھی اُجرت (Better Wages)

مزدوروں کو بہتر اُجرت کی ادائیگی اور بہتر سہولتوں کی فراہمی کے نتیجے میں ان کی صلاحیت کار اور پیداواریت بڑھ جاتی ہے۔

(9) اچھی انتظامیہ (Sound Management)

کسی ادارہ یا فیکٹری وغیرہ کی انتظامیہ اچھی ہو اور بہتر انتظامی صلاحیتوں کی مالک ہو تو مزدوروں سے ان کی صلاحیت کے مطابق بہتر پیداوار حاصل کرسکے گی جبکہ نااہل انتظامیہ پیداوار کی کمی کا سبب بنے گی۔

9.5 محنت کی حرکت پذیری (Mobility of Labour)

مزدوروں کا اپنی صلاحیت اور قابلیت کی بنا پر ایک پیشے کو چھوڑ کر دوسرے پیشے میں اور ایک مقام کو چھوڑ کر دوسرے مقام پر، نچلے درجے سے بلند درجے پر چلے جانے کو محنت کی حرکت پذیری کہا جاتا ہے۔

حرکت پذیری کی درج ذیل اہم اقسام ہیں:

(1) پیشہ وارانہ حرکت پذیری (Occupational Mobility)

مزدوروں کا ایک پیشہ کو چھوڑ کر دوسرا پیشہ اختیار کرنا پیشہ وارانہ حرکت پذیری کہلاتا ہے مثلاً ایک محنت کش کا مزدوری چھوڑ کر ملازمت کرنا یا تجارت کرنا پیشہ وارانہ حرکت پذیری ہے۔

(2) جغرافیائی حرکت پذیری (Geographical Mobility)

محنت کار یا مزدور کا ایک علاقہ چھوڑ کر دوسرے علاقے یا ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہونا جغرافیائی حرکت پذیری کہلاتا

ہے مثلاً مزدور کا گاؤں چھوڑ کر شہر منتقل ہونا یا کسی دوسرے ملک میں ملازمت کے لئے جانا جغرافیائی حرکت پذیری ہے۔

(3) معاشرتی حرکت پذیری (Social Mobility)

کسی مزدور کا معاشرے کے ایک طبقے سے ترقی کر کے دوسرے طبقے میں منتقل ہونا معاشرتی حرکت پذیری کہلاتا ہے مثلاً ایک کاشت کار کے بیٹے کا پڑھ لکھ کر ڈاکٹر' انجینئر' پروفیسر بن جانا معاشرتی حرکت پذیری ہے۔

(4) افقی حرکت پذیری (Horizontal Mobility)

ایک مزدور کا کسی ایک کام کو چھوڑ کر اسی نوعیت کا دوسرا کام یوں اختیار کرنا کہ اس کے منصب اور معاوضہ میں کوئی فرق نہ پڑے تو یہ افقی حرکت پذیری کہلاتی ہے مثلاً کسی پرائیویٹ تعلیمی ادارہ میں پڑھانے والے استاد کا اسی تنخواہ پر سرکاری ادارہ میں ملازمت اختیار کرنا افقی نقل پذیری ہے۔

(5) عمودی حرکت پذیری (Vertical Mobility)

کسی ادارہ یا فیکٹری میں کام کرنے والے شخص کا اسی ادارہ میں اعلیٰ درجہ پر فائز ہونا راسی یا عمودی حرکت پذیری کہلاتا ہے مثلاً کسی فیکٹری کے فورمین کا ترقی کر کے منیجر کے عہدہ پر تعینات ہونا یا کسی استاد کا نچلے گریڈ سے اوپر والے گریڈ اور عہدہ پر ترقی پانا عمودی حرکت پذیری ہے۔

9.6 آبادی کی تعلیم (Population Education)

پاکستان افراد آبادی کا شکار ملک ہے۔ پاکستان کی آبادی میں سالانہ 1.92 فی صد اضافہ ہو رہا ہے۔ 1981 کی مردم شماری کے مطابق پاکستان کی آبادی 84.25 ملین تھی جو 15-2014 میں بڑھ کر 191.7 ملین ہو گئی ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی بہت سے مسائل کا سبب بن رہی ہے۔ اس لئے عام آبادی کو اس حوالہ سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے۔

زیادہ شرح آبادی کے مسائل واثرات اور آبادی کی تعلیم کی ضرورت
(Problems and Effects of High Rate of Population Growth and Need of Population Education)

زیادہ شرح افزائش آبادی کے مسائل (Problems of High Rate of Population Growth)

کسی بھی ملک کی ترقی میں انسانی وسائل (Human Resources) کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ٹیکنالوجی کی اہمیت اپنی جگہ' لیکن ٹیکنالوجی کو استعمال کرنے کے لئے انسانی وسائل ضروری ہیں۔ اس لحاظ سے ایک معقول حد تک آبادی میں اضافہ انتہائی ضروری ہے۔ لیکن آبادی میں ہونے والا بے تحاشہ اضافہ بہت سے مسائل کو پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

(1) پست معیار زندگی (Low Standard of Living)

بڑھتی ہوئی آبادی کے نتیجے میں فی کس آمدنی میں کمی آتی ہے۔ بچتوں کی شرح کم ہو جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں سرمایہ کاری پر

بھی منفی اثر پڑتا ہے اور اس کی ملکی ترقی میں کمی آتی ہے اور مجموعی طور پر عوام کا معیار زندگی بری طرح متاثر ہوتا ہے۔

(2) بے روزگاری میں اضافہ (Increase in Unemployment)

آبادی میں تیزی سے اضافہ کے نتیجے میں ملک میں بے روزگاری بڑھ جاتی ہے اور خفیہ بے روزگاری میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے۔ روزگار کے مواقع کے مقابلہ میں کام کرنے کے قابل افراد کی تعداد بڑھ جاتی ہے جبکہ ضرورت کے مطابق انہیں روزگار مہیا نہیں ہوتا۔ بڑھتی ہوئی بے روزگاری بہت سی معاشی و معاشرتی خرابیوں کا باعث بنتی ہے۔

(3) وسائل کی قلت (Scarcity of Resources)

بڑھتی ہوئی آبادی کے مقابلہ میں ملک میں دستیاب وسائل کی قلت پیدا ہوجاتی ہے۔ یوں آبادی کے بہت سے افراد خوراک کی کمی کا شکار ہوجاتے ہیں۔

(4) درآمدات میں اضافہ (Increase in Imports)

بڑھتی ہوئی آبادی کے مقابلہ میں خوراک اور دیگر ضروریات زندگی کی فراہمی مطلوبہ رفتار سے نہیں بڑھتی اس قلت پر قابو پانے کے لئے اشیائے خوراک دیگر ممالک سے درآمد کرنی پڑتی ہیں۔

(5) نسبت درآمد و برآمد میں خرابی (Deterioration in Terms of Trade)

بڑھتی ہوئی درآمدات کے نتیجے میں ملک کی نسبت درآمد و برآمد خراب سے خراب تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

(6) بیماریوں میں اضافہ (Increase in Diseases)

بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے ان کی ضرورت کے مطابق خوراک کا نہ ملنا۔ ماحولیاتی آلودگی وغیرہ کی وجہ سے بیماریاں بڑھ جاتی ہیں اور ان کے لئے طبی سہولتوں کی فراہمی ممکن نہیں ہو پاتی۔ اس وجہ سے بیماریوں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

(7) تعلیمی سہولتوں کا فقدان (Lack of Educational Facilities)

بڑھتی ہوئی آبادی سے تعلیمی سہولتوں کی عدم دستیابی کا بھی مسئلہ پیدا ہوجاتا ہے اس لئے والدین کو بچوں کی تعلیم کے ضمن میں بہت سی پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں۔

(8) سفری سہولتوں کا فقدان (Lack of Conveyance Facilities)

آبادی میں اضافہ کے نتیجے میں سفری سہولتوں کی کمی بھی ایک بہت بڑا مسئلہ بن جاتا ہے اور عوام کی پریشانی میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

مذکورہ بالا عوامل کی بنا پر ضروری ہے کہ عوام کو بڑھتی ہوئی آبادی کے نقصانات سے آگاہ کیا جائے۔ گویا ایک صحت مند معاشرے کے فروغ کے لئے آبادی کی مناسب حد تک تعلیم وقت کی ضرورت ہے لیکن آبادی کی یہ تعلیم ہماری دینی اقدار اور معاشرتی رویوں کو پیش نظر رکھ کر دی جائے اگر ان اقدار کی روشنی میں عوام الناس کو آگاہی فراہم کی جائے گی تو اس کے مثبت اثرات مرتب ہوں گے اور اس مسئلہ پر قابو

پا کر اس کے بُرے اثرات سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔

9.7 افرادی قوت: مسائل وحقائق اور حل

(Labour Force Problems, Facts and Remedies)

ایک انسان کی وہ ذہنی یا جسمانی کوشش محنت کہلاتی ہے جو آمدنی کمانے کے لئے کی جائے۔ محنت عمل پیدائش کا لازمی جزو ہے۔ دیگر عاملین پیدائش کو پیداواری عمل میں شریک کروانے کے لئے محنت ناگزیر ہے' کسی بھی ملک کی ترقی کا انحصار کافی حد تک محنت پر ہوتا ہے۔

کسی بھی ملک میں افرادی قوت سے مراد اس ملک میں کام کرنے والے افراد ہیں۔ پاکستان میں افرادی قوت 60.09 ملین ہے ان میں سے تقریباً 61 فیصد دیہی علاقوں میں ہے اور 39 فیصد شہری علاقوں میں ہے۔ پاکستان میں زرعی شعبہ سب سے بڑا شعبہ ہے جس میں افرادی قوت کا 43.48 فیصد کام کرتا ہے۔ جبکہ کان کنی کے شعبہ میں تقریباً 14.16 فی صد لوگ کام کرتے ہیں۔ مالیاتی شعبہ میں تقریباً 15 فیصد تعمیراتی شعبہ میں 1.330 فیصد اور ٹرانسپورٹ میں 5.44 فیصد ہے۔ پیداوار اور صنعتی شعبہ میں افرادی قوت کا تقریباً 14.16 فیصد کام کرتا ہے۔

پاکستان میں کل آبادی کا تقریباً 33 فیصد افرادی قوت میں شامل ہے جبکہ 67 فی صد آبادی کھانے والی ہے اور 33 فی صد کمانے والی ہے۔ کل افرادی قوت میں سے تقریباً 22 فیصد خواتین پر مشتمل ہے۔ اسی طرح آبادی کا بہت بڑا حصہ زراعت پر گزارا کرتا ہے اور افرادی قوت میں سے بھی بڑا حصہ اسی شعبہ سے وابستہ ہے۔

افرادی قوت کے مسائل (Problems of Labour Force)

پاکستان میں محنت کرنے والا طبقہ بہت سے مسائل کا شکار ہے۔ افراطِ زر اور دیگر کئی وجوہات کی بنا پر اس کے مسائل میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ افرادی قوت کے مسائل میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

(1) بے روزگاری (Unemployment)

پاکستان میں تقریباً 6 فیصد کام کرنے کے قابل لوگ بے روزگار ہیں۔ اس کی وجوہات میں آبادی کا زیادہ ہونا، بچت اور سرمایہ کی شرح کا کم ہونا، دیہی علاقوں سے لوگوں کا شہری علاقوں کی طرف منتقل ہونا، بیرون ملک روزگار کے مواقع کا کم ہونا ہے۔ اسی طرح مشینری کا بڑھتا ہوا استعمال بھی روزگار کے نئے مواقع پیدا کرنے کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

(2) غیر ہنر مند افرادی قوت (Unskilled Labour Force)

پاکستان میں پیشہ وارانہ تعلیمی اداروں کی کمی لیبر فورس کے ہنر مند ہونے کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔ اس طرح وسائل کی کمی کی وجہ سے لوگ باقاعدہ کسی ادارے میں کام سیکھنے کی بجائے براہِ راست کام سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے پوری طرح ہنر مند نہیں ہو پاتے۔

(3) غیر تعلیم یافتہ ہونا (Un-educated Labour Force)

پیشہ وارانہ تعلیمی اداروں کے علاوہ عام تعلیم کے اداروں تک عموماً پوری آبادی تعلیم حاصل نہیں کر پاتی۔ جس کی وجہ سے وہ علم سے محروم رہتے ہیں اور زیادہ طور پر کام نہیں کر پاتے اور بہتر کام حاصل نہیں کر پاتے۔

(4) صحت کی سہولتوں کا فقدان (Lack of Health Facilities)

صحت کی سہولتوں کے فقدان کی وجہ سے جسمانی لحاظ سے کمزور اور بیماریوں کا شکار محنت کش اس تندہی اور جانفشانی سے کام نہیں کر پاتے اور بہتر نتائج حاصل نہیں کیے جاسکتے۔

(5) ملکی وغیر ملکی سرمایہ کاری کا کم ہونا
(Low Level of Domestic and Foreign Investment)

ملکی اور غیر ملکی سرمایہ کاری کے نتیجے میں ملازمتوں کے نئے نئے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔ مزدور بہتر سے بہتر کام کی تلاش میں بہتر معاوضہ حاصل کر پاتے ہیں لیکن سرمایہ کاری کم ہونے کی وجہ سے ایسا نہیں کر پاتے جس سے مزدور اور محنت کش مسائل کا شکار رہتے ہیں۔

(6) اُجرتوں کا کم معیار (Low Level of Wages)

پاکستان میں اُجرتوں کا معیار بہت پست ہے اور محنت کش طبقہ بہت سے معاشی و معاشرتی مسائل کا شکار ہوتا ہے اور دو وقت کی روٹی اور دیگر ضروریات زندگی پورا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ دل لگا کر کام بھی نہیں کر سکتا۔

(7) ملازمتوں کا عدم تحفظ (Unsecured Jobs)

نجی شعبہ میں خصوصاً محنت کشوں کے لئے ملازمتوں کا کوئی تحفظ نہیں ہوتا۔ مالکان جب چاہیں ان کو ملازمتوں سے فارغ کر دیتے ہیں۔

(8) استعدادِ کار میں کمی (Decrease in Efficiency)

ملازمتوں کے عدم تحفظ، تعلیم و صحت کی سہولتوں کا فقدان، اُجرتوں کا کم معیار اور دیگر وجوہات کی بنا پر مزدوروں کی استعداد کار کم ہوتی ہے۔

(9) محنت کی حرکت پذیری کا کم ہونا (Lack of Mobility of Labour)

اپنی زمین سے محبت، اپنے علاقے میں رہنے کی ترجیح، اپنے عزیزوں کے درمیان رہنے کا شوق اور دیگر وجوہات کی بنا پر مزدوروں کی حرکت پذیری کم ہوتی ہے اور وہ بہتر روزگار کے لئے بہتر مواقع سے فائدہ نہیں اُٹھا پاتے۔

(10) خوشگوار ماحول کا نہ ہونا (Lack of Pleasent Environment)

پاکستان میں کارخانوں کے ماحول اور حالات کا خوشگوار نہ ہونا، اداروں میں بھی تفریحی اور تربیتی سہولتوں کے فقدان کی وجہ سے بہتر ماحول نہیں ہو پایا۔

(11) قوت سودابازی کی کمزوری (Weak Bargaining Power)

پاکستان میں مزدور انجمنیں بہت زیادہ موثر نہیں ہیں۔ مزدوران انجمنوں میں منظم ہو کر اپنے حقوق کے لئے جدوجہد نہیں کر پاتے۔ اس لئے وہ اپنے حالات کار بہتر نہیں کر پاتے۔

9.8 بے روزگاری اور نیم بے روزگاری (Unemployment and Underemployment)

پاکستان کی کل آبادی 191.71 ملین ہے۔ اس آبادی میں سالانہ 1.92 فی صد کی شرح سے اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کی کل آبادی میں سے تقریباً 60.09 ملین افراد افرادی قوت (Labour Force) کا حصہ ہیں۔ جن میں سے 3.58 ملین افراد بے روزگار ہیں باقی تقریباً 56.51 ملین باروزگار افراد میں سے شہروں کی نسبت زیادہ تر دیہاتوں میں رہتے ہیں۔ باروزگار (Employed) سے مراد اٹھارہ سال یا اس سے زائد عمر کے وہ تمام لوگ جو کسی متعین وقت میں کم از کم ایک گھنٹہ کام کرتے ہوں خواہ اپنا ذاتی کاروبار یا تنخواہ پر کام کرتے ہوں باروزگار (Employed) کہلاتے ہیں۔

بے روزگاری (Unemployment)

بے روزگاری سے مراد ہے اٹھارہ سال یا اس سے زائد عمر کے وہ تمام افراد جو کام کرنے کے اہل اور خواہشمند ہوں مگر انہیں مروجہ اُجرت پر کام نہ ملے۔

نیم بے روزگاری (Under employment) سے مراد ہے کہ کام کرنے والے افراد عموی طور پر اپنی صلاحیت سے کم کام حاصل کر رہے ہوں اور ملک کے وہ لوگ جو کہ کام کرنے کی قوت رکھتے ہوں اور کام کرنا بھی چاہتے ہوں۔ مگر انہیں کام اور روزگار کے مواقع میسر نہ ہوں مثلاً ایک ایم اے پاس کا کلرک کی حیثیت سے کام کرنا۔ اس تعریف کے مطابق پاکستان میں اس وقت 3.34 ملین افراد نیم بے روزگار ہیں۔

بے روزگاری کی وجوہات (Causes of Unemployment)

پاکستان میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری کی درج ذیل وجوہات ہیں:

(1) آبادی میں زیادہ اضافہ (High Rate of Population Growth)

پاکستان میں آبادی میں اضافہ کی شرح 1.92 فی صد ہے۔ اس شرح میں یہ اضافہ افرادی قوت میں ہوتا ہے، جبکہ بڑھتی ہوئی آبادی کے مطابق ملازمت اور کاروباری مواقع پیدا نہیں ہو پاتے، جس کی وجہ سے بے روزگاری بڑھتی جا رہی ہے۔

(2) سرمایہ کاری میں کم اضافہ (Low Increase in Investment)

پاکستان میں بچتوں کی شرح پست ہے۔ کم شرح بچت کی وجہ سے سرمایہ کاری میں بھی اضافہ نہیں ہو پاتا اور نئے کاروبار اور نئے پراجیکٹس میں کمی کی وجہ سے ملازمت و کاروبار کے نئے مواقع بھی کم پیدا ہوتے ہیں۔ یوں بے روزگاری میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

(3) روزگار کے مواقع (Employment Opportunities)

زرعی شعبہ میں مشینوں کے زیادہ استعمال کی وجہ سے زراعت کے پیشہ میں کام کے مواقع کم ہو رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے زراعت میں روزگار کے مواقع میں کمی واقع ہو رہی ہے۔ اسی طرح معیشت کے دیگر شعبوں میں بھی صورتحال یہ ہے کہ ضرورت کے مطابق کارکن کام کر رہے ہیں اور نئے افراد کے لئے کام کے مواقع پیدا نہیں ہو رہے۔

(4) ذہانت کا انخلا (Brain Drain)

امریکہ میں ٹوئن ٹاورز (Twin Towers) پر نائن الیون (9/11) کے حملوں کے بعد بین الاقوامی حالات میں بڑی تبدیلی آئی۔ امریکہ و یورپ میں ملازمتوں کے مواقع میں کمی پیدا ہوئی۔ عراق پر امریکی حملہ کے نتیجہ میں خلیج کے ممالک سے پاکستانیوں کا انخلا ہوا۔ ایک بہت بڑی تعداد میں بیرون ملک کام کرنے والے پاکستانی اپنے ملک واپس آئے۔

افغانستان پر امریکی حملے کے نتیجے میں پاکستان میں بھی حالات دن بدن دگرگوں ہوتے گئے۔ خودکش حملوں اور امن وامان کی بگڑتی ہوئی صورت حال اور ملک میں توانائی کے بحران (Energy Crisis) کے نتیجے میں جہاں سرمایہ کاروں نے اپنا سرمایہ بیرون ملک منتقل کرنا شروع کیا، وہیں کام کرنے کے قابل لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد بیرون ملک منتقل ہو رہی ہے۔ ان افراد میں خاص طور پر تربیت یافتہ اور تجربہ کار لوگوں کا انخلا ایک بہت بڑا قومی نقصان ہے۔

(5) مشینوں کا زیادہ استعمال (Use of Machines)

وقت گزرنے کے ساتھ بہتر سے بہتر ٹیکنالوجی اور اچھی سے اچھی مشینوں کا استعمال بڑھ رہا ہے اور اسی رفتار سے محنت کشوں کی طلب کم ہو رہی ہے۔ جس کی وجہ سے ملازمت کے مواقع کم پیدا ہو رہے ہیں۔ جس کا نتیجہ بے روزگاری کی صورت میں نکلتا ہے۔

(6) سیاسی عدم استحکام (Political Instability)

قیام پاکستان کے فوراً بعد سے لے کر ملک میں سیاسی عدم استحکام رہا ہے جس کی وجہ سے حکومتی پالیسیوں میں بھی تسلسل برقرار نہ رہ سکا' آئے دن کی ہڑتالوں' مظاہروں' جلسوں' جلوسوں کا نتیجہ روزگار کے مواقع میں کمی کی صورت میں نکلتا ہے۔

موسمی بے روزگاری (Seasonal Unemployment)

ملک میں بہت سے ایسے کاروبار اور کارخانے ہیں جو کہ سارا سال کام نہیں کرتے۔ موسم کی تبدیلی کے ساتھ یہ کام بند ہو جاتے ہیں اور ان میں کام کرنے والے لوگ بے روزگاری کا شکار ہو جاتے ہیں مثلاً برف کے کارخانے غلہ منڈیوں میں کام کرنے والے لوگ' کپاس اور گنے کی فصلوں سے وابستہ کاروبار اور کارخانے وغیرہ۔

بے روزگاری کا حل (Solution of Unemployment)

بے روزگاری کے خاتمے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ان مسائل سے بچا جا سکے:

(1) آبادی کی مناسب منصوبہ بندی (Proper Population Planning)

ملک کی افرادی قوت کی مناسب منصوبہ بندی کر کے اس مسئلہ پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ یہ منصوبہ بندی ایسی جامع ہونی چاہیے کہ نہ تو ملک میں کام کرنے کے قابل افراد کی کمی ہونے پائے اور نہ ہی بے روزگاری بڑھتی جائے۔

(2) صنعتی منصوبہ بندی (Industrial Planning)

موسمی بے روزگاری کے خاتمہ کے لئے صنعتوں کو باہم مربوط کرنے کی منصوبہ بندی کی جائے تاکہ لوگ ایک طرف سے فارغ

ہوں تو دوسری طرف کام میں مشغول ہو جائیں۔

(3) دولت کی مساویانہ تقسیم (Equitable Distribution of Wealth)

ملک میں ایسی ٹھوس منصوبہ بندی کی ضرورت ہے کہ وسائل اور دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں میں ہونے کی بجائے دولت کی منصفانہ تقسیم عمل میں آئے' جس کے نتیجے میں روزگار کے مواقع بڑھائے جا سکیں۔

(4) بچتوں اور سرمایہ کاری میں اضافہ (Increase in Saving and Investment)

معاشرے کو صارف معاشرہ (Consumer Society) بنانے کے بجائے کام کرنے کی طرف مائل کیا جائے۔ الیکٹرانک میڈیا صرف زندگی کی چمک دمک کو دکھا کر لوگوں کو فضول خرچ اور اسراف کی طرف مائل کرتا ہے' اس کی بجائے لوگوں کو بچت کی ترغیب دی جائے تا کہ اس کے ذریعے سرمایہ کاری میں اضافہ ہو اور روزگار کے نئے مواقع پیدا ہوں۔

(5) نئے منصوبوں پر کام (Work on New Projects)

ملک میں نئے ڈیم اور سڑکوں کی تعمیر کی ضرورت ہے' اس طرح لوگوں کو رہنے سہنے کے لئے مکانات کی ضرورت ہے۔ حالیہ زلزلہ کے تباہ شدہ علاقوں میں تعمیر و مرمت کی ضرورت ہے' ان سب منصوبوں کے ذریعے روزگار کے نئے مواقع پیدا کئے جا سکتے ہیں اور بے روزگاری پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

مشقی سوالات

سوال 1: نیچے دیئے گئے ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات میں سے دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

1۔ پاکستان میں سب سے پہلے موٹر وے مکمل ہوئی۔

(الف) کراچی سے سکھر　　(ب) لاہور سے اسلام آباد

(ج) پنڈی بھٹیاں سے فیصل آباد　　(د) اسلام آباد سے پشاور

2۔ پاکستان کی کل آبادی میں افرادی قوت ہے۔

(الف) 25%　　(ب) 33%

(ج) 50%　　(د) 35%

3۔ پاکستان میں آبادی میں اضافہ کی شرح ہے۔

(الف) 1.92 %　　(ب) 2.3%

(ج) 1.2%　　(د) 1.5%

4۔ پاکستان میں بے روزگار لوگوں کی تعداد کل آبادی کا تقریباً۔

(الف) 6%　　(ب) 10%

(ج) 12%　　(د) 15%

5۔ ذرائع آمدورفت کے بہتر ہونے سے اضافہ ہوتا ہے۔

(الف) آبادی میں (ب) بےروزگاری میں

(ج) مزدوروں میں (د) اندرونی و بیرونی تجارت میں

6۔ پاکستان میں کتنے ڈرائی پورٹس کام کر رہے ہیں؟

(الف)8 (ب) 10

(ج) 15 (د) 5

سوال 2: درج ذیل جملوں میں دی گئی خالی جگہیں پُر کریں۔

1۔ پاکستان میں سفر کرنے والے ________ فی صد لوگ سڑکوں کے ذریعے سفر کرتے ہیں۔

2۔ پاکستان میں سڑکوں کی لمبائی تقریباً ________ کلومیٹر ہے۔

3۔ پاکستان کی سب سے بڑی موٹروے ________ ہے۔

4۔ پاکستان کی کل آبادی ________ ہے۔

5۔ کسی مزدور کا ایک پیشہ چھوڑ کر دوسرا پیشہ اختیار کرنا ____ حرکت پذیری کہلاتا ہے۔

6۔ پاکستان میں سافٹ ویئر کو ترقی دینے کے لیے سافٹ ویئر ____ بنایا گیا۔

7۔ ____ کے ذریعے بنک کا اکاؤنٹ ہولڈر ملک کے کسی حصے سے کسی وقت بھی رقم نکلوا سکتا ہے۔

سوال 3: کالم (الف) اور کالم (ب) میں دیئے گئے جملوں میں مطابقت پیدا کر کے دُرست جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
پاکستان میں بیروزگاری کی شرح	لاہور، اسلام آباد	
پاکستان کی آبادی میں شرح اضافہ	34	
پاکستان کی کل آبادی میں افرادی قوت	E-mail	
پاکستان کی جتنی وزارتوں کو آن لائن کیا گیا	6%	
انٹرنیٹ	ATM	
موٹروے	موبائل فون	
بنکوں سے رقوم	33%	
	1.92%	

سوال 4: درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجیے۔

1۔ ذرائع مواصلات کی اہمیت بتائیے۔

2۔ پاکستان ریلوے کے تین اہم مسائل لکھیے۔

3۔ خشک گودی سے کیا مراد ہے؟

4۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کی اہمیت پر تین نکات لکھیے۔

5۔ موٹر وے کے تین فوائد لکھیے۔

6۔ افرادی قوت سے کیا مراد ہے؟

7۔ بے روزگاری سے کیا مراد ہے؟

سوال 5: درج ذیل سوالات کے جوابات تفصیل سے تحریر کریں۔

-1 کسی ملک کی ترقی میں ذرائع مواصلات کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔

-2 پاکستان میں ریلوے کی اہمیت بیان کیجیے اور ریلوے کے اہم مسائل بھی بیان کیجیے۔

-3 افرادی قوت کے مسائل تفصیل سے بیان کیجیے۔

-4 بے روزگاری کی وجوہات لکھیے اور دُور کرنے کے لیے اقدامات بھی تجویز کیجیے۔

باب 10

پاکستان کا بنکاری نظام
(BANKING SYSTEM OF PAKISTAN)

دورِ جدید میں کسی بھی ملک کی اقتصادی ترقی کا انحصار فعال اور مستحکم بنکاری نظام پر ہوتا ہے کیونکہ یہی مالیاتی ادارے لوگوں کی پس انداز کی ہوئی رقوم کو ایک جگہ یکجا کر کے انہیں ملکی تعمیر و ترقی کے کاموں پر لگا کر سرمایہ کاری کو فروغ دیتے ہیں۔ ملکی و غیر ملکی تجارت کو بڑھانے کے لیے درآمد کنندگان اور برآمد کنندگان کو مالیت فراہم کرتے ہیں۔ چھوٹے بڑے تاجروں کو آسان شرائط پر قرضے جاری کر کے ملک کی پیداواری صلاحیت کو بڑھانے میں مدد دیتے ہیں چونکہ مضبوط اور مستحکم بنکاری نظام کسی ملک کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتا ہے لیکن بدقسمتی سے پاکستان کو آزادی ملتے ہی کمزور بنکاری ڈھانچہ وراثت میں ملا جس کی وجہ ماضی میں بنکوں پر انگریزوں کی حکمرانی تھی چونکہ ہندو انگریزوں کو اپنا خیر خواہ سمجھتے تھے اس لئے زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح بنکوں پر بھی ہندوؤں کا کنٹرول تھا۔ ہندو سرمایہ کاروں کو جب یہ محسوس ہوا کہ برصغیر پاک و ہند کی تقسیم تو یقینی ہے تو انہوں نے حفظِ ماتقدم کے طور پر پاکستان کی حدود میں موجود بنکوں سے رقوم نکلوا کر ہندوستان میں منتقل کرنا شروع کر دیں۔ نہ صرف یہ بلکہ بنکوں کا زیادہ تجربہ کار عملہ جو زیادہ تر ہندوؤں پر مشتمل تھا وہ بھی ہندوستان چلا گیا اس طرح آزادی کے بعد جو حصہ پاکستان کے حصے میں آیا وہ زیادہ تر مالی بدحالی کا شکار تھا۔ ایسے حالات میں حکومتِ پاکستان نے آزادی کے فوری بعد مالی وسائل پر قابو پانے کے لیے یکم جولائی 1948 کو پاکستان کے مرکزی بنک (سٹیٹ بنک آف پاکستان) کے قیام کا اعلان کیا جس کا افتتاح قائداعظم محمد علی جناحؒ نے کیا۔ آزادی کے وقت پاکستان میں صرف دو پاکستانی بنک حبیب بنک لمیٹڈ اور آسٹریلیشیا بنک لمیٹڈ اپنے فرائض سرانجام دے رہے تھے لیکن آزادی کے بعد مرکزی بنک کے علاوہ کئی دوسرے بنک قائم کئے گئے جو مہارت سے اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ زیرِ نظر باب میں ہم پاکستان کے ان اہم بنکوں کا ذکر کریں گے جو ملک کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

10.1 تجارتی بنک (Commercial Banks)

تجارتی بنک ملکی تجارت، صنعت و حرفت کی ترقی اور معاشی سرگرمیوں کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ بنک لوگوں سے ان کی فالتو رقوم مختلف حسابات (Accounts) میں وصول کر کے انہیں قواعد و ضوابط کے مطابق منافع دیتے ہیں اور پھر لوگوں کی موصولہ رقوم کو ضرورت مند تاجروں اور دیگر ضرورت مندوں کو قرضہ دے کر خاطر خواہ منافع یا سود حاصل کرتے ہیں۔ لہٰذا بنک منافع کمانے کی غرض سے وجود میں آتے ہیں۔ پاکستان میں 1973 سے پہلے ان تجارتی بنکوں کی تعداد 23 تھی جن کو بعض وجوہات کی بنا پر کم کر کے حکومت پاکستان نے بنک قومیانے کا آرڈیننس 1974 کے تحت قومی تحویل میں لے کر پانچ بڑے بنکوں تک محدود کر دیا۔ قومی تحویل میں آنے سے پہلے پاکستان میں 23 بنکوں میں سے 15 پاکستانی اور باقی غیر ملکی تھے۔ حکومتِ پاکستان نے غیر ملکی بنکوں اور کوآپریٹو بنکوں کو قومی تحویل میں نہیں لیا لیکن ملک کے تمام چھوٹے بنکوں کو پانچ بڑے بنکوں میں ضم کر دیا جس میں نیشنل بنک آف پاکستان، حبیب بنک لمیٹڈ، مسلم کمرشل بنک لمیٹڈ، الائیڈ بنک لمیٹڈ اور یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ شامل ہیں۔ ذیل میں ہم ملک کے ان اہم مالیاتی اداروں کا جائزہ لیتے ہیں جو سارے ملک کے بنکاری نظام کا محور ہیں۔

(i) نیشنل بنک آف پاکستان (National Bank of Pakistan)

نیشنل بنک آف پاکستان 8 نومبر 1949 کو حکومت پاکستان کے ایک آرڈیننس کے تحت وجود میں آیا۔ اس بنک نے 20 نومبر 1949 سے باقاعدہ اپنا کام شروع کر دیا۔ قیام کے ابتدائی دور میں اس بنک کے فرائض میں ملکی زرعی اجناس (خاص طور پر کپاس، پٹ سن) کو مقررہ قیمتوں پر خرید کر عالمی منڈی میں فروخت کرنا شامل تھا لیکن مئی 1950 سے یہ بنک عام تجارتی بنکوں کی طرح اپنے فرائض مہارت سے سرانجام دے رہا ہے۔

بنک کا سرمایہ اور انتظام (Capital and Management of Bank)

قیام کے وقت اس بنک کا کل منظور شدہ سرمایہ (Authorised Capital) 6 کروڑ روپے تھا جو سو سو روپے کے چھ لاکھ حصص پر منقسم تھا اس بنک کا کل ادا شدہ سرمایہ (Paid up Capital) 3 کروڑ روپے تھا اس بنک کے 25 فی صد حصص ماضی میں مرکزی بنک کے پاس تھے اور 75% حصص عام شہریوں نے خرید رکھے تھے جو بنکوں کے قومی تحویل میں جانے کے بعد وفاقی حکومت کی تحویل میں چلے گئے۔ اس طرح یہ بنک ملک کا سب سے پہلا سرکاری مالی ادارہ (Public Financial Institute) بن گیا۔ قومی تحویل میں آنے کے بعد اس بنک کا ڈائریکٹرز بورڈ ختم کر کے وفاقی حکومت نے ایک ایگزیکٹو بورڈ قائم کر دیا جو کہ ایک صدر اور چار سینئر افسران پر مشتمل ہے۔ اس بورڈ میں وزارت خزانہ کا ایک نمائندہ بھی شامل ہوتا ہے یہ بورڈ بنک کے تمام معاملات کی نگرانی کرتا ہے۔

نیشنل بنک آف پاکستان کے فرائض (Functions of National Bank)

نیشنل بنک آف پاکستان ملک کا سب سے بڑا اور با اعتماد ادارہ ہے جس کی شاخیں غیر ممالک اور اندرون ملک اپنی خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ اس بنک کی حیثیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ملک کے جس حصے میں سٹیٹ بنک کی کوئی شاخ موجود نہ ہو وہاں یہ بنک سٹیٹ بنک کے ایجنٹ کی حیثیت سے تجارتی بنکوں کے لیے حساب گھر، سرکاری محکموں کے حسابات کی دیکھ بھال، زرمبادلہ کا انتظام وغیرہ کرتا ہے۔ اس بنک کے اہم فرائض درج ذیل ہیں:

-i نیشنل بنک لوگوں کی امانتیں غیر سودی کھاتوں (مثلاً شراکت کی بنیاد پر نفع و نقصان کا کھاتہ، شراکت کی بنیاد پر نفع و نقصان کا مدتی کھاتہ وغیرہ) میں وصول کرتا ہے اور انہیں منافع ادا کرتا ہے۔

-ii یہ بنک حکومت کے لیے مالیات کی وصولیاں اور ادائیگیاں کرتا ہے اور زر کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں مدد دیتا ہے۔

-iii ملکی و غیر ملکی ہنڈیوں، کفالتوں اور تمسکات کی خرید و فروخت کرتا ہے اور ہنڈیوں پہ بٹہ لگا کر قرضہ جاری کرتا ہے۔

-iv ضرورت مند افراد اور تاجروں کو آسان شرائط پر قلیل المیعاد اور طویل المیعاد قرضے فراہم کر کے سرمایہ کاری کو فروغ دیتا ہے۔

-v امانت داروں کی قیمتی اشیا (مثلاً سونے، چاندی، زیورات، بانڈز، وصیتیں، قانونی دستاویزات وغیرہ) بحفاظت رکھنے کے لیے بنک لاکرز (Lockers) مہیا کرتا ہے۔

-vi حکومت کو غذائی اجناس کی خرید و فروخت اور کئی دوسرے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل کے لیے قرضے فراہم کر کے ترقی کی راہیں متعین کرتا ہے۔

-vii ملک کے اہم اور پیداواری شعبوں مثلاً صنعت، زراعت، نقل و حمل اور درآمد و برآمد کو فروغ دینے کے لیے مالی معاونت کے

ساتھ ساتھ مفید مشورے بھی دیتا ہے۔

viii- ملک کے تجارتی بنکوں میں کام کرنے والے افراد کو بنکاری کے متعلق تربیت دینے کے لیے تربیتی پروگرام کا اہتمام کرتا ہے۔

ix- اپنے گاہکوں کے لیے ایجنسی کی خدمات مثلاً کھاتہ داروں کی طلبی ضرورت، ٹیکس کی ادائیگی، بیمہ کی قسطیں اور کرایہ جات وغیرہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ چیکوں، سکول کالج کی فیسوں وغیرہ کی وصولی اور ادائیگی بھی کرتا ہے۔

x- سٹیٹ بنک کے ایما پر زرمبادلہ کا کاروبار کرتا ہے اور سرمائے کو منافع بخش کاموں اور پراجیکٹوں میں لگا کر سرمایہ کاری کے عمل کو تیز کرتا ہے۔ سرکاری محکموں کے رواں حسابات کی نگرانی کر کے ان کی وصولیوں اور ادائیگیوں کو مؤثر بناتا ہے۔

نیشنل بنک کی کارکردگی (Performance of National Bank)

نیشنل بنک آف پاکستان کا ملکی بنکاری نظام کی توسیع وتنوع میں بڑا نمایاں حصہ ہے۔ آزادی کے فوراً بعد ملک کو مالی وسائل کے فقدان سے چھٹکارا دلانے اور بنکاری نظام کو جدید خطوط پر استوار کرنے میں اس بنک نے کلیدی کردار ادا کیا۔ اس بنک نے حکومت کے ایجنٹ کی حیثیت سے وہ تمام فرائض سرانجام دیے جو کسی ملک کا مرکزی بنک اپنے عوام کی فلاح وبہبود کے لیے عمل میں لاتا ہے لہٰذا نیشنل بنک آف پاکستان کی کارکردگی کا جائزہ بنک کے درج ذیل کاموں سے لگایا جاسکتا ہے۔

i- پاکستان کے موجودہ بنکاری ڈھانچے میں نیشنل بنک آف پاکستان سب سے بڑا اور مضبوط تجارتی بنک ہے کیونکہ اس کے پاس دیگر تجارتی بنکوں کے مقابلے میں زیادہ موصولہ امانتیں ہوتی ہیں اور اس کے جاری کردہ قرضوں کی مقدار اور سرمایہ کاری کا حجم بھی زیادہ ہوتا ہے۔

ii- اس بنک نے ملک کے کونے کونے میں اپنی شاخیں کھول کر لوگوں کو قرضوں کی سہولت فراہم کر رکھی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے ایسی بچت سکیمیں جاری کر رکھی ہیں جن کی بدولت لوگوں میں بچت کرنے کی عادات بڑھی ہیں۔

iii- اس بنک نے صنعت اور کاروباری سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے خصوصی قرضوں کی سکیمیں شروع کر رکھی ہیں جس کی بدولت سرمایہ کاری میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

iv- یہ بنک کسانوں کو پیداوار بڑھانے اور زرعی جدت سازی کے لیے زرعی قرضہ کا پروجیکٹ اور دیہی قرضہ کی سکیم شروع کر کے قرضے جاری کر رہا ہے جس سے ملک کی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہو رہا ہے۔

v- اس بنک نے جدید بنکاری نظام کو متعارف کروانے کے لیے اپنے عملے کو تربیتی کورسز کروا کر اپنے کھاتہ داروں کو کئی سہولتیں مثلاً کریڈٹ کارڈ، انٹرنیٹ بنکنگ دے رکھی ہیں۔

vi- یہ بنک لوگوں کو مکانات کی خرید اور تعمیر کے لیے آسان شرائط پر قرضے فراہم کرنے اور لوگوں کے معیار زندگی کو بہتر کرنے میں مددگار ثابت ہو رہا ہے۔

vii- صنعتی مزدوروں میں بچت کی عادت ڈالنے کے لیے مختلف صنعتوں کو بنکاری سہولتیں دے رکھی ہیں۔

viii- یہ بنک حکومت کی سکیم سمال میڈیم انٹرپرائز (SME) کے فروغ کے لیے صنعتکاروں اور تاجروں کو آسان شرائط پر قرضے فراہم کر رہا ہے جس سے ملکی پیداوار میں اضافہ ہو رہا ہے۔

(ii) زرعی ترقیاتی بنک لمیٹڈ (Zarai Taraqiati Bank Limited)

فروری 1961 سے پہلے پاکستان میں زراعت کے شعبے کی ترقی کے لیے دو مالیاتی ادارے (زرعی ترقی کی مالیاتی کارپوریشن اور پاکستان زرعی بنک) اپنے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ محدود وسائل کی دونوں اداروں میں تقسیم، بے جا قانونی پابندیاں، قرضہ حاصل کرنے کی سخت شرائط اور بڑے زمینداروں کا بے جا اثر و رسوخ ان اداروں کی ناکامی کا سبب بنا اور بالآخر فروری 1961 میں قرضہ کے تحقیقاتی کمیشن کی سفارشات اور زراعت کی ترقی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان دونوں اداروں کو ضم (merge) کر کے زرعی ترقیاتی بنک آف پاکستان کا نام دے دیا گیا جو بعد میں زراعت کے شعبے کی ترقی کے لیے نہایت مفید ثابت ہوا۔ اس بنک کا انتظام ایک بورڈ آف ڈائریکٹرز کے سپرد ہے جن کے ممبران کی تعداد 12 (بارہ) ہے۔ جن میں سے ایک چیئرمین، دس ڈائریکٹرز اور ایک آزاد جموں و کشمیر کا نمائندہ بطور مبصر بورڈ آف ڈائریکٹر میں شامل ہوتا ہے جن کی منظوری وفاقی حکومت اور سٹیٹ بنک کے قوانین کے مطابق ہوتی ہے۔ بنک کے مختلف اُمور کو بخوبی نپٹانے کے لیے ایک ایگزیکٹو کمیٹی اور ایک مشاورتی کمیٹی بھی قائم ہوتی ہے جو بنک کے مجموعی معاملات کی نگرانی اور دیکھ بھال کرتی ہے۔

زرعی ترقیاتی بنک کا اولین فرض کسانوں کو زراعت کی ترقی کے لیے قرضے فراہم کرنا ہے یہ بنک کسانوں کو درج ذیل تین طرح کے قرضے جاری کرتا ہے۔

(الف) قلیل المیعاد کے قرضے

یہ قرضے مختصر مدت یعنی 6 ماہ سے لے کر 8 ماہ تک کے لیے ہوتے ہیں یہ ایسے قرضے ہیں جو کسانوں کو کاشتکاری ضروریات کی فوری تکمیل کے لیے فراہم کیے جاتے ہیں مثلاً بیج، کھاد، ادویات، جانوروں کی خوراک وغیرہ۔

(ب) درمیانی مدت کے قرضے

یہ قرضے کسانوں کو ڈیڑھ سال کی مدت سے لے کر 5 سال تک کے لیے جاری کیے جاتے ہیں تا کہ کسان زرعی آلات، مشینری، ٹیوب ویل، کنوؤں کی تعمیر وغیرہ کر سکیں۔

(ج) طویل المیعاد کے قرضے

1۔ یہ قرضے 5 سے 10 سال کی مدت کے لیے جدید زرعی آلات مثلاً ٹریکٹر، تھریشر وغیرہ کی خرید کے لئے فراہم کیے جاتے ہیں اس کے علاوہ ان قرضوں کو گودام کی تعمیر، کولڈ سٹوریج بنانے کے لیے بھی فراہم کیا جاتا ہے۔

2۔ یہ بنک شجر کاری، ماہی پروری، جنگل بانی، پرورش حیوانات، مرغ بانی، ریشم کے کیڑے پالنے کے لیے آسان شرائط پر قرضے فراہم کرتے ہیں۔

3- یہ بنک زراعت سے منسلک صنعتی یونٹوں کی حوصلہ افزائی کے لئے قرضے فراہم کر کے پیداوار کو ضائع ہونے سے بچاتا ہے۔

4- یہ بنک لوگوں کی امانتوں کو وصول کر کے، قیمتی اشیا کی حفاظت کے لیے لاکرز مہیا کر کے بنک کے عملہ کی تربیت اور تحقیق کے لیے

کانفرنس وغیرہ منعقد کروا کر عام بنکاری کے فرائض بھی سرانجام دیتا ہے۔

-5 یہ بنک ملک میں خوراک کی فصلوں کی پیداواری صلاحیت کو بڑھانے کے لیے خصوصی پروگرام کا اہتمام بھی کرتا ہے۔

-6 پودوں کی حفاظت، فصلوں کی حفاظت اور جدید کاشتکاری سے استفادہ کرنے کے لیے مفید مشورے بھی کسانوں کو بہم پہنچاتا ہے۔

-7 کاشتکاروں، زمینداروں اور دُوردراز علاقوں تک بنکاری کی سہولیات پہنچانے کے لیے اس نے ماڈل ولیج سکیم اور دیہی بنک کی سکیم کا بھی آغاز کر رکھا ہے جس سے زمینداروں کی حالت بہتر ہو رہی ہے۔

-8 یہ بنک امداد باہمی کی انجمنوں کو زرعی آلات کی خریداری اور نقدی کی شکل میں قرضے جاری کرتا ہے اور ان کی مالی مشکلات کا سدِ باب کرتا ہے۔

-9 اس نے ایک نئی سکیم "نگہداشتی قرضہ سکیم" شروع کر رکھی ہے۔ جس کے تحت یہ بنک قرضہ حاصل کرنے والے کسانوں کو کھیتی باڑی کے بارے میں صلاح ومشورہ فراہم کرتا ہے۔

-10 دورِ جدید کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس بنک نے زرعی شعبے کی ترقی کے لیے کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے ذریعے قرضہ حاصل کرنے کے طریقے، جدید کاشتکاری کے مسائل کا حل اور تجاویز، فصلوں کو بیماریوں سے بچانے کے لیے حفاظتی تدابیر کے بارے میں تمام بنیادی معلومات اپنی ویب سائٹ (website) پر مہیا کر رکھی ہیں تاکہ کسان گھر بیٹھے کمپیوٹر، انٹرنیٹ کے ذریعے مفید مشورے اور بنکاری سے متعلق معلومات حاصل کر سکیں۔

بنک کی کارکردگی (Performance of Bank)

زرعی ترقیاتی بنک نے ملک کی زرعی ترقی کے لیے جو اہم کردار ادا کیا ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس بنک نے 32 بلین روپے کے قرضے تقریباً 5 لاکھ کسانوں کو جاری کر رکھے ہیں اور ملک میں اس کی تقریباً 200 برانچیں زراعت کے شعبے کی ترقی کے لیے مصروفِ عمل ہیں۔ یہ بنک اپنے تمام وسائل چھوٹے اور بے زمین کسانوں کو قرضے دینے کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ اس بنک نے ملازمین کی تربیت کے لیے بڑے بڑے شہروں میں تربیتی مراکز کھول رکھے ہیں جو کسانوں کی بہتری کے لیے مصروفِ عمل ہیں۔ اس بنک نے موبائل کریڈٹ آفیسرز اپنے حلقے کے مخصوص دیہاتوں میں بھیج کر قرض داروں کے لیے آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔

(iii) صنعتی ترقیاتی بنک آف پاکستان (Industrial Development Bank of Pakistan)

کسی ملک کی ترقی کا انحصار نمایاں طور پر اس کی صنعتی ترقی پر ہوتا ہے۔ لیکن پاکستان کو آزادی ملتے ہی صنعت وحرفت کی ترقی کے لیے مالی وسائل کے فقدان کا سامنا کرنا پڑا لہٰذا سرمائے کی قلت پر قابو پانے کے لیے 1949 میں حکومت پاکستان نے صنعتی مالیاتی کارپوریشن قائم کی۔ بدقسمتی سے کارپوریشن مالی وسائل کے فقدان کے مسئلہ کو حل نہ کر سکی۔ اس کے بنکاری اختیارات محدود نوعیت کے تھے مثلاً لوگوں کی امانتیں وصول نہیں کر سکتی تھی، زرِ مبادلہ کے معاملات اس کے کنٹرول میں نہیں تھے۔ قرضے جاری کرنے کی شرائط سخت تھیں وغیرہ لہٰذا حکومت پاکستان نے قرضہ کا تحقیقاتی کمیشن قائم کر کے اس ادارے کی سفارشات کی روشنی میں اگست 1961 میں صنعتی مالیاتی کارپوریشن ختم کر کے اس کو صنعتی ترقیاتی بنک آف پاکستان کا نام دے دیا اور اس کے اہم فرائض میں نئی صنعتوں کے قیام کے لیے قلیل اور طویل المیعاد قرضوں کی فراہمی اور پرانی صنعتوں

کی ترقی کے لیے بدل کاری کا اُصول شامل کر دیئے۔ سٹیٹ بنک آف پاکستان کے قوانین کے تحت اس بنک کا انتظام ایک بورڈ آف ڈائریکٹرز جو کہ ایک چیئرمین اور سات ایگزیکٹوارکان پر مشتمل ہوتا ہے، جس کی تقرری وفاقی حکومت کرتی ہے، چلاتا ہے۔ بورڈ کا چیئرمین اس بنک کا مینجنگ ڈائریکٹر بھی کہلاتا ہے۔ بنک کے تمام اُمور کی نگرانی حکومت اور وزارت خزانہ کے سپرد ہے۔

صنعتی ترقیاتی بنک کے فرائض (Functions of Industrial Development Bank)

صنعتی ترقیاتی بنک آف پاکستان صنعت کی ترقی کے لیے درج ذیل فرائض سرانجام دے رہا ہے۔

1۔ یہ بنک ملک میں چھوٹے اور درمیانے درجے کی نجی صنعتوں کے قیام اور موجودہ صنعتوں کی توسیع کے لیے قلیل المیعاد اور طویل المیعاد قرضے فراہم کرتا ہے۔ یہ بنک عام طور پر خام مال سے مصنوعات تیار کرنے والی نجی صنعتوں مثلاً انجینئرنگ، بجلی کا سامان، کیمیاوی کھادی صنعتیں، کان کنی، کاغذ، پارچہ بافی، لکڑی کی مصنوعات، فلم سازی، کپڑا، غذائی اشیا وغیرہ کو قرضہ فراہم کرتا ہے۔

2۔ صنعتی اداروں کو سرمایہ مہیا کرنے کی خاطر ان کے حصص اور کفالتیں خریدتا ہے اور انھیں مالیات فراہم کرتا ہے۔

3۔ یہ بنک ملک میں متوازن معاشی ترقی کے مقصد کو مدِنظر رکھتے ہوئے ملک کے پسماندہ اور کم ترقی یافتہ علاقوں میں قائم صنعتوں کو ترقی یافتہ علاقوں کی نسبت زیادہ آسان شرائط پر قرضے فراہم کرتا ہے تاکہ پسماندہ علاقوں میں نجی صنعتیں فروغ پائیں اور روزگار کا معیار بڑھے۔

4۔ یہ بنک کئی کاروباری یونٹوں میں براہ راست سرمایہ کاری بھی کرتا ہے تاکہ دوسرے کاروباری یونٹوں کے ساتھ مل کر ملکی پیداوار میں اضافہ کر سکے۔

5۔ یہ بنک برآمدی اشیا پیدا کرنے والی صنعتوں کو ترجیحی بنیادوں پر قرضہ فراہم کرتا ہے جس سے برآمدی زرمبادلہ کے ذخائر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

6۔ نئی صنعتوں کے قیام اور ترقی کے لیے زرمبادلہ فراہم کرتا ہے تاکہ بیرونِ ممالک سے ضروری مشینری خریدی جا سکے۔

7۔ لوگوں کی امانتیں وصول کرتا ہے اور انہیں طے شدہ شرائط کے مطابق موصولہ امانتوں پر منافع ادا کرتا ہے۔

8۔ اس بنک نے اپنے کھاتہ داروں کے لیے کئی بچت سکیمیں شروع کر رکھی ہیں جن میں ماہانہ منافع سرٹیفکیٹ، ٹرم ڈیپازٹ، صنعتی سرمایہ سرٹیفکیٹ، ڈیپازٹ سرٹیفکیٹ، پرافٹ پلس سیونگ ڈیپازٹ سکیم اور غیر ملکی کرنسی اکاؤنٹ قابلِ ذکر ہیں۔

9۔ قرضہ دینے کے ساتھ ساتھ یہ بنک صنعتکاروں کو سرمایہ کاری کے معاملات میں مفید فنی مشورے بھی مہیا کرتا ہے۔

10۔ اس بنک نے اپنے کھاتہ داروں کو بنکاری سہولتوں سے آگاہی کے لیے کمپیوٹر، انٹرنیٹ کی سہولت بھی فراہم کر رکھی ہے۔

صنعتی بنک کی کارکردگی (Performance of Industrial Bank)

صنعتی ترقیاتی بنک آف پاکستان نے 1961 سے لے کر اب تک صنعت و حرفت کی ترقی کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں اور ملکی صنعتی اثاثوں میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ اس بنک نے اب تک تقریباً 9 بلین روپے کے قرضے جاری کر رکھے ہیں اور پورے ملک میں اس کی کئی شاخیں اپنی خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ اس بنک کے فراہم کردہ قرضوں کے باعث ملک میں کئی نئی صنعتیں قائم ہوئی ہیں اور صنعتی پیداوار میں اضافہ کے باعث قومی آمدنی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔

10.2 معاشی ترقی میں بنکوں کا کردار
(Role of Banks in Economic Development)

کسی ملک کی معاشی ترقی میں ایک مضبوط بنکاری نظام نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے کیونکہ ملک کے معاشی معاملات مثلاً قیمتوں کے معیار، سرمایہ کاری، صرف دولت، بیرونی ادائیگیوں کے توازن، بے روزگاری، افراط زر وغیرہ کو متعین کرنے اور ان کے بارے میں مناسب پالیسیاں بنانے کے لیے ایک مستحکم اور مضبوط بنکاری نظام لازمی جزو ہے۔ اس لیے دورِ جدید میں کسی بھی ملک کی معاشی ترقی کا انحصار منظم زرعی نظام پر منحصر ہے اور مضبوط زرعی نظام مضبوط بنکاری نظام کے بغیر ممکن نہیں۔ لہٰذا آج کے جدید دور میں تجارتی بنک کسی ملک کی ترقی میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ ان بنکوں کی اہمیت کا اندازہ درج ذیل نکات سے لگایا جا سکتا ہے۔

1۔ کسی ملک کی معاشی ترقی میں سرمائے کی تشکیل کا اہم کردار ہوتا ہے اور سرمائے کی تشکیل بچتوں پر منحصر ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر ملک میں مجموعی بچتیں زیادہ ہوں گی تو سرمایہ کاری کا عمل بھی تیز ہوگا۔ تجارتی بنک اس سلسلے میں نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کی بچائی ہوئی چھوٹی چھوٹی رقوم کو ایک جگہ اکٹھا کر کے سرمایہ کاری کے لیے فراہم کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ جس سے ملک کے سرمایاتی ذخائر میں اضافہ ہوتا ہے اور معاشی ترقی کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔

-2 بنک سرمائے کی نقل پذیری کا ذریعہ بنتے ہیں یہ لوگوں کی بکھری ہوئی رقوم کو ایک جگہ اکٹھا کر کے ایسے مقامات اور سرمایہ کاروں تک پہنچانے کا انتظام کرتا ہے جہاں سے اسے زیادہ منافع ملنے کا امکان ہو۔ چونکہ لوگ خود سے سرمایہ کاری کرنے میں مشکلات محسوس کرتے ہیں۔ اس لئے بنکوں میں جمع کروا کر منافع کماتے ہیں اور بنک انہی رقوم کو سرمایہ کاری کے کاموں میں لگا کر خوب منافع کماتے ہیں اور ملکی ترقی کا باعث بنتے ہیں۔

-3 تجارتی بنکوں کی وجہ سے لوگوں میں بچت کا جذبہ فروغ پاتا ہے۔ یہ بنک ایسی منافع بخش سکیمیں جاری کرتے ہیں جن میں لوگ سرمایہ کاری کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس طرح لوگوں کے اندر بچت کرنے کا جذبہ بڑھتا ہے اور معاشی ترقی کی رفتار تیز ہوتی ہے۔

-4 صنعتی و زرعی ترقی کے لیے بنک آسان شرائط پر تاجروں اور کسانوں کو قرضے جاری کرتے ہیں جس سے کاشتکار جدید آلات، مشینری، اعلیٰ بیج وغیرہ استعمال کر کے ملکی پیداوار میں اضافہ کرتے ہیں۔ اسی طرح صنعتکار بھی بنکوں کے قرضوں کی بدولت جدید ٹیکنالوجی کے استعمال سے پیداواری صلاحیت کو بڑھاتے ہیں۔ جس سے ملک کو اقتصادی ترقی نصیب ہوتی ہے۔

-5 کسی ملک کی اقتصادی ترقی میں بین الاقوامی تجارت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ چونکہ تجارتی اشیا و خدمات کے لین دین میں زرِ مبادلہ کی ضرورت ہوتی ہے اور بنک یہ زرِ مبادلہ فراہم کر کے ملکی ترقی کا باعث بنتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بنک غیر ملکی ہنڈیوں پر بٹہ لگا کر قرضے بھی فراہم کرتے ہیں۔ جس سے ملکی تجارت کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

-6 بنک لوگوں کی رقوم کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ جس سے سرمایہ ترقیاتی کاموں میں حرکت پذیر ہوتا ہے اور معاشی ترقی کی رفتار تیز ہوتی ہے۔

-7 تجارتی بنک ملک میں مکانات و دیگر تعمیرات کے لیے لوگوں کو آسان شرائط پر طویل المیعاد قرضے فراہم کرتے ہیں جس سے نہ صرف لوگوں کی رہائشی مشکلات دُور ہوتی ہیں بلکہ ملک میں دیگر تعمیراتی ضروریات بھی پایۂ تکمیل تک پہنچتی ہیں اور ملک کی مجموعی ترقی میں اضافہ ہوتا ہے۔

-8 یہ بنک کامرس اور صنعت کے شعبوں کو قرضے فراہم کر کے تاجروں کو ملکی پیداوار بڑھانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں اور ملک میں کامرس اور صنعت کے شعبے خوب ترقی کرتے ہیں اور معاشی بحران کا مسئلہ باقی نہیں رہتا۔

-9 افراطِ زر اور تفریطِ زر کے حالات میں بنک اعتباری زر کو کنٹرول کر کے زر کی مقدار رسد اور طلب میں توازن قائم کر کے معیشت کو استحکام بخشتے ہیں۔

-10 یہ بنک تاجروں اور صنعت کاروں کے لیے مالی مشیر کی حیثیت سے مفید مشورے اور مالیات فراہم کرتے ہیں اور ترقی کی رفتار تیز کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

-11 یہ بنک اپنے کھاتہ داروں کے ایما پر مختلف کمپنیوں کے حصص خریدتے ہیں اور انہیں سرمایہ کاری کرنے میں مفید مشورے بھی فراہم کرتے ہیں۔

-12 تجارتی بنک اپنے کھاتہ داروں کے لیے ہنڈیوں کو بٹہ لگاتے ہیں۔ بلوں اور بیمہ کی قسطوں کی ادائیگی اور وصولی کرتے ہیں۔

-13 تجارتی بنک کاروباری لین دین کے سلسلے میں چیکوں اور ڈرافٹ وغیرہ کو جاری کر کے رقوم کی ادائیگیوں میں آسانیاں پیدا کرتے ہیں۔

-14 تجارتی بنک اپنے گاہکوں کی قیمتی اشیا مثلاً وصیتیں، زیورات، پرائز بانڈز، ہیرے جواہرات، جائیداد کی رجسٹریاں وغیرہ محفوظ رکھنے کے لیے لاکرز مہیا کرتے ہیں۔

-15 تجارتی بنک غیر ملکی کرنسی کا لین دین کرتے ہیں۔

-16 پسماندہ علاقوں میں اپنی برانچیں کھول کر کسانوں کو قرضہ کی سہولتیں مہیا کرتے ہیں۔

-17 قیمتوں میں رونما ہونے والے اُتار چڑھاؤ کو کم کر کے سرمایہ کاری اور معاشی ترقی کی رفتار کو مستحکم بناتے ہیں۔

-18 یہ بنک زکوٰۃ کی وصولی کرتے ہیں اور یہ رقوم مستحقین تک پہنچا کر معاشرے میں غیر متوازن قوتوں کو بے اثر کرتے ہیں۔

-19 یہ بنک اپنے سرمائے کو منافع بخش کاموں میں لگا کر ملک میں روزگار کے مواقع مہیا کرتے ہیں۔ جس سے لوگوں کی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے اور لوگوں کا معیارِ زندگی بلند ہوتا ہے۔

-20 بنک اپنے سرمائے کو استعمال میں لا کر ملکی وسائل کا بھرپور استعمال کرتے ہیں۔ جس سے ملک کی مجموعی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے اور معاشی ترقی کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔

-21 یہ بنک ملک کی معاشی ترقی میں براہِ راست حصہ لیتے ہیں کیونکہ یہ حکومت کے جاری کردہ قرضوں میں سرمایہ لگا کر حکومت کی مالی امداد کے ساتھ سرمایہ کاری کو بھی فروغ دیتے ہیں۔

10.3 معاشی ترقی میں سٹیٹ بنک کا کردار
(Role of State Bank in Economic Development)

پاکستان میں سٹیٹ بنک کا قیام یکم جولائی 1948 کو عمل میں لایا گیا جس نے اب تک ملکی معیشت کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے

اور مضبوط مالیاتی نظام کو فروغ دینے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ سٹیٹ بنک آف پاکستان نہایت نامساعد حالات میں قائم ہوا کیونکہ آزادی کے وقت پاکستان کے حصے میں صرف دو ہی بنک آئے جو بری طرح مالی فقدان کا شکار تھے۔ ان حالات میں سٹیٹ بنک کو ملک کے بنکاری نظام کو بحیثیت سربراہ بنک مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے اور ملکی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے بڑی جدوجہد کرنا پڑی۔ اب ہم سٹیٹ بنک کی ان کوششوں کا ذکر کرتے ہیں جن کی بنیاد پر اس کے کردار کی عکاسی کی جاسکتی ہے۔

(1) بنکاری نظام کی تعمیرِ نو (Rehabilitation of Banking System)

آزادی کے بعد پاکستان کو کمزور بنکاری ڈھانچہ وراثت میں ملا جو بری طرح مالی بدحالی کا شکار تھا۔ آزادی کے فوری بعد حکومت پاکستان نے اپنا مرکزی بنک سٹیٹ بنک آف پاکستان کے نام سے قائم کرلیا جس نے نئے سرے سے پاکستان کے بنکاری نظام کی تعمیر شروع کی۔ اس نے لائسنس جاری کر کے ملک بھر میں تجارتی بنکوں اور خصوصی مالی اداروں کا جال بچھا دیا اور کئی ایسے اقدامات کیے جن کی بدولت نہ صرف تجارتی بنکوں کی شاخوں میں اضافہ ہوا بلکہ کئی خصوصی مالی ادارے بھی وجود میں آئے جو ملک کے کونے کونے میں اپنی خدمات مہیا کرنے لگے اور لوگوں کو مالی مسائل سے کافی حد تک چھٹکارا ملا۔ بنکاری نظام کی توسیع اور مالی وسائل کی فراوانی سے ملکی وسائل کا استعمال ممکن ہوا اور معاشی ترقی کی راہیں متعین ہونا شروع ہوگئیں۔ اس طرح سٹیٹ بنک آف پاکستان نے مضبوط بنکاری نظام قائم کر کے ملک کو ایک مضبوط اور دیرپا مالی نظام فراہم کیا۔

(2) بنکوں کے عملے کی تربیت (Training of Bank Staff)

تجارتی بنکوں کے کاروباری پھیلاؤ اور استعداد کار کا انحصار ان میں کام کرنے والے افراد کی فنی صلاحیت اور قابلیت پر ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان کو آزادی ملنے کے فوری بعد مالی وسائل کے فقدان، تربیت یافتہ اور تجربہ کار افراد کی کمی جیسے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ ان حالات میں سٹیٹ بنک آف پاکستان نے دیگر بنکوں کے ساتھ مل کر بنکوں کے ملازمین کے لیے تربیتی کورسز اور جدید بنکاری اصولوں سے واقفیت کرانے کے لیے بنک آفیسرز ٹریننگ پروگرام کا آغاز کیا جس کے تحت نہ صرف بنکوں کے عملے کو بنکاری نظام کے بارے میں تربیت دی جاتی تھی بلکہ بنکاری نظام کو جدید خطوط پر استوار کرنے کی بھرپور کوششیں کی گئیں تاکہ تربیت یافتہ افراد بنکاری فرائض کو احسن طریقوں سے سرانجام دے کر ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کرسکیں۔ دورِ جدید میں تقریباً سب ہی بنک اپنے عملے کو تربیت دینے کے لیے تربیتی کورسز کا اہتمام کرتے ہیں اس سلسلے میں سٹیٹ بنک آف پاکستان نے زرِ مبادلہ کے معاملات اور بنکاری نظام سے متعلق فنی اُمور سمجھنے کے لیے کئی تربیتی کورسز کا اہتمام کر کے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

(3) بازارِ سرمایہ کی تشکیل (Formation of Capital Market)

کسی ملک میں سرمایہ کاری اور طویل مدت مالیات کی فراہمی کے لیے مضبوط سرمایہ کا نظام لازمی جزو ہے۔ جس ملک میں سکیورٹیوں، بانڈز، مشترکہ سرمائے کی کمپنیوں کے حصص اور تمسکات کی خرید و فروخت کا مناسب انتظام موجود ہو، وہاں بازارِ سرمایہ کا نظام موثر طریقے سے اپنے فرائض سرانجام دے رہا ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے آزادی کے وقت پاکستان کے پاس کوئی ایسا ادارہ یا نظام موجود نہ تھا۔ لہٰذا سٹیٹ بنک نے ایسے حالات میں منظم بازارِ سرمایہ کے حصول کے لئے 1949 میں کراچی سٹاک ایکسچینج (Karachi Stock

(Exchange) قائم کی تاکہ بازارِ سرمایہ کو منظم کر کے نجی و سرکاری طبقوں کو پیداواری کاموں میں لگا کر ملک میں تشکیل سرمایہ کا عمل تیز کیا جا سکے۔ اسی سلسلے میں بعد میں 1971 میں لاہور سٹاک ایکسچینج (LSE) اور حال ہی میں اسلام آباد سٹاک ایکسچینج (ISE) قائم کر کے مضبوط اور منظم بازارِ سرمایہ کی بنیاد رکھی۔ اب پاکستان میں کمپنیوں کے حصص اور تمسکات کی خرید و فروخت بڑے منظم طریقوں سے کی جاتی ہے۔

(4) زرعی شعبہ کی ترقی (Development of Agricultural Sector)

پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے جس میں زراعت پاکستان کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا ملک کی مجموعی پیداوار میں اس شعبہ کا حصہ 21.4 فیصد ہے اور ملک کی قریباً 45 فی صد آبادی کے روزگار کا انحصار اس شعبے سے منسلک ہے لیکن بدقسمتی سے یہ شعبہ آزادی سے لے کر اب تک کوئی نمایاں ترقی نہیں کر سکا۔ اس لئے زرعی ترقی کے لئے سٹیٹ بنک آف پاکستان نے خصوصی طور پر ملک کے تمام تجارتی بنکوں کو ہدایت کر رکھی ہے کہ وہ زرعی مقاصد کے لئے کسانوں کو آسان شرائط اور کم شرح سود پر قرضے جاری کریں۔ اس سلسلے میں سٹیٹ بنک نے زرعی ترقیاتی بنک بھی قائم کر رکھا ہے جو ملک بھر میں کسانوں کو زرعی آلات، مشینوں، بیج، کھادوں اور دیگر مقاصد کے لیے آسان شرائط پر قرضے فراہم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ سٹیٹ بنک نے زرعی مداخل کی خرید کے لیے تعاونی بنکوں سے قرضے حاصل کرنے کی سہولت بھی دے رکھی ہے جس کی بدولت زرعی شعبہ ترقی کی طرف گامزن ہے۔

(5) خصوصی مالیاتی اداروں کا قیام
(Establishment of Special Financial Institutions)

ملکی پیداواری شعبوں کی ضروریات پوری کرنے اور انہیں ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے سٹیٹ بنک آف پاکستان نے کئی خصوصی مالی اداروں (مثلاً زرعی ترقیاتی بنک لمیٹڈ برائے زرعی ترقی، پاکستان صنعتی قرضہ و سرمایہ کاری کارپوریشن برائے صنعتی ترقی، قومی ترقیاتی مالی کارپوریشن برائے قومی تعمیر وغیرہ) قائم کر رکھے ہیں جو ملک کے پیداواری شعبوں کو مالیات فراہم کرتے ہیں اور ان کی ترقی کا باعث بنتے ہیں۔ اس طرح سٹیٹ بنک آف پاکستان نے ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن (HBFC) برائے مکانات و دیگر تعمیراتی پراجیکٹ اور امداد باہمی کے کاموں کے لیے امداد باہمی کے ادارے قائم کر کے درج بالا شعبوں کو مالی معاونت فراہم کرنے کا بندوبست کر رکھا ہے اس طرح سٹیٹ بنک بحیثیت ناظم ادارہ ملکی شعبوں کی ترقی کے لیے بھرپور کردار ادا کر رہا ہے۔

(6) بچتوں کی حوصلہ افزائی (Encouragement of Savings)

سٹیٹ بنک آف پاکستان نے لوگوں میں فضول خرچی کی حوصلہ شکنی اور بچتوں کے فروغ کے لیے کئی بچت سکیمیں شروع کر رکھی ہیں جس میں انعامی بانڈز، ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ، پوسٹل لائف انشورنس، انویسٹمنٹ ٹرسٹ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ سٹیٹ بنک نے ملک کے دیگر تجارتی بنکوں کے ساتھ مل کر ایک بنکنگ پبلسٹی بورڈ (Banking Publicity Board) بھی قائم کر رکھا ہے جو لوگوں میں قومی بچت سکیموں کو متعارف کرواتا ہے اور لوگ اپنی بچائی ہوئی رقوم ان سکیموں میں جمع کرواتے ہیں اور منافع حاصل کرتے ہیں۔ حکومت ان بچتوں کے بل بوتے پر تشکیل سرمایہ کی رفتار کو تیز کرتی ہے اور ملک کے ذخائر میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سٹیٹ بنک اشتہار بازی، سیمینارز، تقاریر اور کتابچوں کی اشاعت کا اہتمام کر کے لوگوں میں بچتوں کے رجحان کو ترغیب دیتا ہے۔ جس سے ملکی سرمایہ کاری میں اضافہ

ہوتا ہے اور معیشت ترقی کی طرف گامزن ہوتی ہے۔

(7) قرضوں کی متوازن تقسیم (Balanced Distribution of Credit)

سٹیٹ بنک آف پاکستان قرضے جاری کرتے وقت معیشت کے مختلف شعبوں میں توازن برقرار رکھنے اور انہیں ترجیحی بنیادوں پر مالیات فراہم کرنے کے لیے کریڈٹ پلان (Credit Plan) بنا کر سرمایہ فراہم کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ جو شعبے ماضی میں کسی وجہ سے وسائل سے محروم رہے ہوں انہیں پہلے قرضے فراہم کر کے معیشت کے تمام شعبوں کو برابری کے اصول پر ترقی دے۔ مزید برآں سٹیٹ بنک آف پاکستان قرضے جاری کرتے وقت تجارتی بنکوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ پسماندہ اور دیہی علاقوں کی ترقی کے لیے شہروں کی نسبت زیادہ قرضے جاری کریں تاکہ شہروں کی طرح دیہاتوں اور قصبوں کو بھی ترقی کے یکساں ثمرات میسر ہوں۔ اس طرح سٹیٹ بنک آف پاکستان قرضوں کے بارے میں متوازن تقسیم کی پالیسی ملکی ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

(8) افراطِ زر اور تفریطِ زر پر کنٹرول (Control on Inflation and Deflation)

چونکہ سٹیٹ بنک آف پاکستان بازارِ زر کا ناظم اور نگران ہوتا ہے اس لیے جب کبھی ملک میں زر کی مقدار میں اضافہ (افراطِ زر) یا زر کی مقدار میں کمی (تفریطِ زر) کے حالات پیدا ہو جائیں تو سٹیٹ بنک بحیثیت ملک کے سربراہ بنک مختلف اقدامات کے ذریعے ان حالات پر کنٹرول حاصل کر لیتا ہے مثال کے طور پر افراطِ زر کے حالات میں شرح بنک میں اضافہ کر کے قرضوں کی ترسیل روک کر رسدِ زر کی مقدار گھٹا لیتا ہے اور تفریطِ زر کے حالات میں شرح بنک میں کمی کر کے قرضوں کے اجرا میں اضافہ کے ذریعہ تفریطِ زر پر قابو پا لیتا ہے۔ بسا اوقات سٹیٹ بنک افراطِ زر اور تفریطِ زر کو کنٹرول کرنے کے لیے اخلاقی اپیل اور نشر و اشاعت وغیرہ کا سہارا لے کر بھی ملک کے زری نظام کو کنٹرول کرتا ہے۔

(9) برآمدات کی افزائش (Promotion of Exports)

سٹیٹ بنک آف پاکستان نے ملکی اشیا کی برآمد کو بڑھانے اور فروغ دینے کے لیے ایکسپورٹ فنانس سکیم، ایکسپورٹ بونس سکیم، ایکسپورٹ پروموشن بیورو اور ری فنانس سکیموں کا اجرا کر رکھا ہے جو برآمدی تاجروں کو بونس، رعایت اور برآمدات کی فروخت کے لئے نئی منڈیوں کی تلاش میں بھی مدد دیتی ہیں۔ سٹیٹ بنک کی ان سہولتوں کے نتیجے میں برآمدات کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ زرِ مبادلہ کے معاملات بھی اس بنک کی بدولت احسن طریقے سے طے پا جاتے ہیں۔

(10) حکومت کے لیے مالیات کی فراہمی (Provision of Finances to the State)

سٹیٹ بنک آف پاکستان ملک کے مالی مشیر کی حیثیت سے نہ صرف ملکی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے قرضے فراہم کرتا ہے بلکہ ملکی معاملات کو احسن طریقے سے چلانے کے لیے رہنمائی بھی کرتا ہے۔ قومی بجٹ میں خسارے کو پورا کرنے کے لیے حکومت کی درخواست پر فاضل کرنسی جاری کر کے اور حکومت کی کفالتیں بیچ کر قرضے حاصل کر سکتا ہے۔ حکومت کو اپنے دفاعی اور ترقیاتی اخراجات کو پورا کرنے کے لیے ملکی ذرائع اور غیر ملکی مالی اداروں سے قرضے لے کر مالیات فراہم کرتا ہے۔ حکومت کے لئے برآمدات و درآمدات کی وصولیاں آسان بناتا

ہے حکومت کو ترقیاتی منصوبوں اور پراجیکٹ کو مکمل کرنے کے لیے نہ صرف سرمایہ فراہم کرتا ہے بلکہ منافع بخش سرمایہ کاری کے لیے حکومت کی رہنمائی بھی کرتا ہے۔

(11) اسلامی بنکاری کا فروغ (Promotion of Islamic Banking)

سٹیٹ بنک آف پاکستان اسلامی بنکاری کے فروغ میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔

10.4 بازارِ زر (Money Market)

بازارِ زر سے مراد قرضے جاری کرنے کا وہ بازار ہے جہاں مختلف مالیاتی ادارے اپنے اضافی فنڈز قلیل المیعاد کفالتوں کی شکل میں استعمال کرتے ہیں ان میں تجارتی ہنڈیاں، مالیاتی بل، سرکاری خزانے کی ہنڈیاں، کفالتیں، بانڈز اور مشترکہ سرمائے کی کمپنیوں کے حصص وغیرہ شامل ہیں۔ بازارِ زر میں درج ذیل ادارے قرضے جاری کرتے ہیں۔

- i- ہنڈیوں کو خریدنے اور بٹہ لگانے والے ادارے
- ii- کفالتوں، بانڈز اور حصص خریدنے اور بیچنے والے ادارے
- iii- تجارتی بنک اور امدادِ باہمی کے بنک
- iv- بیمہ کمپنیاں

درج بالا تمام ادارے قرضہ لینے اور دینے کے سلسلے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے ہیں جس سے بازارِ زر مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے گویا بازارِ زر، زر کی وہ منڈی ہے جہاں ملک کے مالی ادارے قلیل المیعاد اور طویل المیعاد قرضے مہیا کرتے ہیں۔ پاکستان کا بازارِ زر درج ذیل اداروں پر مشتمل ہے۔

1- ملک کا مرکزی بنک (سٹیٹ بنک آف پاکستان) بازارِ زر کا اہم ترین جزو ہے کیونکہ یہی بنک ملک کے بنکاری اور زری نظام کو کنٹرول کرتا ہے اور بازارِ زر کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے مناسب اقدامات کرتا ہے۔

2- تجارتی بنک بازارِ زر کو منظم رکھنے کے لیے فعال کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ بنک ملک میں قائم سٹاک ایکسچینج کے تعاون سے حصص، کفالتیں، اور بانڈز کی خرید و فروخت کرتے ہیں اور ہنڈیوں پر بٹہ لگاتے ہیں۔

3- قلیل مدت قرضہ کے ادارے تاجروں کو عرصہ قلیل کے لیے ہنڈیوں پر بٹہ لگا کر قرضہ فراہم کرتے ہیں۔

4- امدادِ باہمی کے بنک زرعی مقاصد کے لیے کسانوں کو آسان شرائط پر قرضے فراہم کرتے ہیں۔

5- پاکستان صنعتی قرضہ و سرمایہ کاری کی کارپوریشن بھی بازارِ زر کو مستحکم کرنے کے لیے مختلف منصوبوں کے حصص اور تمسکات خرید کر ان کے لیے سرمائے کی فراہمی ممکن بناتی ہے۔

6- بیمہ کمپنیاں ملک میں بچتوں کے فروغ کے لیے سٹاک ایکسچینج میں حصص کی خرید و فروخت میں حصہ لے کر بازارِ زر کو متاثر کرتی ہیں۔

بازارِ سرمایہ (Capital Market)

بازارِ زر میں عموماً قرضے قلیل مدت کے لیے جاری کیے جاتے ہیں لیکن بازارِ سرمایہ میں طویل المیعاد قرضے جاری ہوتے ہیں۔

دیگر بازار زر میں زر کی خرید و فروخت ہوتی ہے جبکہ بازار سرمایہ میں کمپنیوں کے حصص اور تمسکات کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ بازار سرمایہ کے تحت جاری کئے جانے والے قرضے درج ذیل اداروں کی وساطت سے حاصل کئے جاتے ہیں۔

-1 پاکستان سرمایہ کاری کارپوریشن، صنعتی قرضہ و سرمایہ کاری کارپوریشن، زرعی ترقیاتی بنک، صنعتی ترقیاتی بنک، قومی ترقیاتی و مالی کارپوریشن وغیرہ بھی مالیاتی ادارے طویل المیعاد قرضے جاری کر کے بازار سرمایہ کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرتے ہیں۔

-2 پاکستان میں بیمہ کمپنیاں لمبی مدت کے لیے قرضے جاری کر کے سرمایہ کاری کے مواقع پیدا کرتی ہیں اور بازار سرمایہ کو متاثر کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

-3 سٹاک ایکسچینج ملک کے بازار سرمایہ کا سب سے اہم اور بنیادی ادارہ ہوتا ہے جو حصص کی خرید و فروخت کا کام سرانجام دے کر بازار سرمایہ کو منظم کرتا ہے۔

-4 سیکورٹیز اینڈ بانڈز ایکسچینج اتھارٹی آف پاکستان (SBEAP) ملک میں کفالتوں کے کاروبار میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لیے اصول و ضوابط وضع کر کے بازار سرمایہ کو مستحکم بنانے میں اہم کردار کرتی ہے۔

10.5 ای۔کامرس (E-Commerce)

ای کامرس یا الیکٹرونک کامرس سے مراد فنانشل ٹرانزیکشن (Financial Transaction) کو انٹرنیٹ کے ذریعے لین دین کے معاملے میں استعمال میں لانا ہے۔ آج ای۔کامرس کو وسیع ایریا نیٹ ورک (Wide Area Network) کے ذریعے استعمال کرتے ہوئے کاروبار کو بین الاقوامی بنیادوں پر چلایا جا سکتا ہے۔ روزمرہ ضروریات کی اشیا و دیگر ضروری اشیا دنیا میں کہیں بھی ای۔کامرس کے ذریعے خریدی اور بیچی جا سکتی ہیں۔ آج کل ترقی یافتہ ممالک میں زیادہ تر کاروباری سرگرمیاں ای۔کامرس کو استعمال کرتے ہوئے تیزی سے ترقی کی منازل طے کر رہی ہیں۔ ای۔کامرس (E-Commerce) کے اہم فوائد درج ذیل ہیں۔

-1 عام لین دین کی اشیا کی خریداری اب کم وقت اور سفر کی تکالیف اٹھائے بغیر انٹرنیٹ پر موجود کمپنیوں کے اشتہارات اور آئٹم لسٹ سے کی جا سکتی ہے۔

-2 اب ہر اکاؤنٹ ہولڈر اپنا اکاؤنٹ بیلنس، بیلنس شیٹ ویب پیج پر دیکھ سکتا ہے اور اپنی رقم انٹرنیٹ کے ذریعے کسی بھی وقت دوسرے اکاؤنٹ میں تبدیل یا ٹرانسفر کر سکتا ہے۔

-3 ای۔کامرس کے ذریعے یوٹیلیٹیز اور دوسرے بل انٹرنیٹ کے ذریعے ادا کئے جا سکتے ہیں۔

-4 اب انٹرنیٹ کے ذریعے گاہکوں کے بل اور مختلف مقامات پر بکنے والی اشیا کا جائزہ اور تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔

-5 ای۔کامرس کے ذریعے ملک کے کسی بھی حصے میں کاروباری مراکز سے بنک کے کریڈٹ کارڈز کے ذریعے شاپنگ کی جا سکتی ہے۔

-6 اب ای۔کامرس کے باعث سیل رپورٹس، فنانشل اسٹیٹمنٹ، پراڈکٹس کی قیمتیں، حجم اور نفع و نقصان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

-7 ای۔کامرس کی مدد سے اشیا پر یونیورسل پروڈکشن کوڈ لگا کر قیمتوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

-8 ای۔کامرس کی مدد سے دنیا میں وجود میں آنے والی نئی ایجادات اور اشیا کے بارے میں تفصیل حاصل کی جا سکتی ہے۔

9- ای۔کامرس کی مدد سے اپنے ملک میں بیٹھے بیرونِ ملک انٹرنیٹ کے ذریعے اشیا بیچی جاسکتی ہیں۔

10- ای۔کامرس کی بدولت دنیا بھر میں بکنے والی اشیا کے بارے میں قیمتوں کا اندازہ، کوالٹی اور استعمال کے بارے میں معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

10.6 افراطِ زر (Inflation)

معاشی اصطلاح میں افراطِ زر سے مراد قیمتوں میں مسلسل اضافہ لیا جاتا ہے۔ایسی صورت میں زر کی بہت زیادہ مقدار بہت تھوڑی اشیا کا تعاقب کررہی ہوتی ہے بالفاظ دیگر جب اشیا کی مقدار کے مقابلے میں زر کی مقدار بڑھنے سے قیمتوں میں مسلسل اضافہ واقع ہورہا ہوتو ایسی کیفیت کو افراطِ زر کا نام دیا جاتا ہے۔

پروفیسر ہنس کے نزدیک "جب اشیا وخدمات کی پیداوار کی نسبت قیمتوں میں بڑھنے کا رجحان پایا جائے تو ایسی کیفیت کو افراطِ زر کہتے ہیں"۔لہٰذا جب کسی ملک میں اشیا کی قیمتوں کا معیار مسلسل اور تیزی سے بلند ہورہا ہوتو وہ ملک افراطِ زر کا شکار ہوتا ہے۔لوگوں کی زری آمدنی میں اضافہ ہوجاتا ہے لیکن حقیقی آمدنی پہلے جتنی ہی رہتی ہے کیونکہ روپے کی قدر گرنے سے قیمتوں میں اضافہ ہوجاتا ہے اس لئے حقیقی آمدنی پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

افراطِ زر کی اقسام (Kinds of Inflation)

افراطِ زر کی اہم اقسام درج ذیل ہیں۔

1۔ طلب کے کھنچاؤ کا افراطِ زر (Demand Pull Inflation)

جب اشیا کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ اشیا کی طلب بڑھ جانے کی وجہ سے ہوتا ہے تو اسے طلب کے کھچاؤ کا افراطِ زر کہتے ہیں۔ افراطِ زر کی ایسی صورتِ حال میں اشیا کی طلب بڑھنے کی وجہ آبادی میں تیزی سے اضافہ، لوگوں کی پسند و ناپسند میں تبدیلیاں، فیشن میں تبدیلی یا مصنوعی قلت ہوتی ہے۔ایسی صورتِ حال میں اشیا کی طلب، رسد کے مقابلے میں کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔طلب کے دباؤ کے تحت افراطِ زر دو طریقوں سے رونما ہوتی ہے۔

i- قیمتوں میں معمولی مگر مسلسل اضافہ خزیدہ افراطِ زر (Creeping Inflation) کا سبب بنتا ہے۔

ii- جب قیمتوں میں اضافہ بڑی تیزی سے ہورہا ہو اور اس پر قابو پانا آسان کام نہ ہو تو ایسی صورتِ حال کو تیز سرپٹ افراطِ زر (Hyper Inflation) کہتے ہیں۔

2- مصارفِ پیدائش میں بڑھوتری کا افراطِ زر (Cost Push Inflation)

مصارفِ پیدائش کے دباؤ کے تحت اشیا کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ خام مال کی قیمتوں اور مزدوروں کی اُجرتوں میں اضافے کے سبب رونما ہوتا ہے۔جب خام مال مہنگا اور مزدوروں کی اُجرتیں بڑھتی ہیں تو آجرین ان مدات پر اٹھنے والے بوجھ کو اشیا کی قیمتوں میں منتقل کردیتے ہیں جس سے اشیا کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں اور افراطِ زر کی کیفیت پروان چڑھتی ہے۔

افراطِ زر کے نتائج (Consequences of Inflation)

افراطِ زر کے ممکنہ نتائج درج ذیل ہیں۔

-1 افراطِ زر کے حالات میں محدود آمدنی پانے والے طبقات کی معاشی حالت ابتر ہو جاتی ہے اور ان کا معیارِ زندگی گر جاتا ہے کیونکہ جب اشیا کی قیمتیں بڑھتی ہیں تو ان کی آمدنیوں میں اس شرح سے اضافہ نہیں ہوتا لہٰذا وہ مہنگائی کے باعث اُجرتوں اور تنخواہوں میں اضافے کا مطالبہ کرنا شروع کر دیتے جس سے معاشرے میں بدامنی اور لوگوں میں بے چینی پھیل جاتی ہے۔

-2 بچتوں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے کیونکہ جو لوگ مستقبل میں اپنے بچائے ہوئے سرمائے کو استعمال میں لا کر آمدنی میں اضافہ کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں وہ افراطِ زر کے سبب مستقبل میں زر کی قدر گرنے کے باعث مایوس ہو جاتے ہیں اس طرح لوگوں میں بچت کرنے کا جذبہ باقی نہیں رہتا وہ اپنی بچتوں کو حال کی ضروریات پر ہی خرچ کر لیتے ہیں جس کے نتیجے میں سرمایہ کاری کا عمل طویل عرصہ میں غیر موثر ہو جاتا ہے۔

-3 افراطِ زر کے باعث پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں ترقیاتی منصوبے بُری طرح متاثر ہوتے ہیں کیونکہ جب بڑے ترقیاتی منصوبوں پر اُٹھنے والے اخراجات بڑھنا شروع ہوتے ہیں تو ان پر اٹھنے والے مصارف طے شدہ تخمینوں سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ ان حالات میں حکومت کو اندرونی و بیرونی قرضے لینے پڑتے ہیں ٹیکسوں میں اضافہ ناگزیر ہوتا ہے جس کے باعث ملک میں قیمتوں کا نظام غیر موثر ہو جاتا ہے۔ عوام پر ٹیکسوں اور قرضوں کا بوجھ منتقل کر دیا جاتا ہے۔

-4 افراطِ زر کے حالات میں قیمتوں میں اضافہ امیر طبقے کو مزید مراعات فراہم کرنے کا سبب بنتا ہے اور غریب طبقہ بنیادی ضرورتوں سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ جب اشیا کی قیمتیں بڑھتی ہیں تو آجرین کے منافع جات بڑھ جاتے ہیں لیکن صارفین بُری طرح متاثر ہوتے ہیں اور آمدنی کی تقسیم میں مزید بے اعتدالی پیدا ہو جاتی ہے۔

-5 جس ملک میں اشیا کی قیمتوں میں تیزی سے اضافہ رونما ہوتا ہے اس کی برآمدات بُری طرح متاثر ہوتی ہیں۔ کیونکہ برآمدات کی قیمت زیادہ ہونے کے باعث غیر ممالک میں دوسرے ممالک کی سستی اشیا پسند کی جانے لگتی ہیں۔ اس طرح ملک کا توازنِ تجارت بھی بگڑ جاتا ہے۔ بسا اوقات حکومت کو برآمدات کو بڑھانے کے لیے زر کی بیرونی قدر کم کرنا پڑتی ہے جس سے برآمدات تو بڑھ جاتی ہیں لیکن ملکی صنعت کو بڑا نقصان پہنچتا ہے۔

-6 افراطِ زر کی بدولت تعلیم و تربیت کے شعبوں کو بڑا نقصان پہنچتا ہے تعلیم مہنگی ہونے کے باعث طلبہ کی ذہنی و جسمانی صلاحیتوں سے استفادہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔

-7 افراطِ زر کے سبب غربت اور تنگدستی پھیلتی ہے اور معاشرے میں معاشرتی جرائم کا اضافہ ہوتا ہے۔ ملک میں رشوت ستانی، چوری، ڈاکہ، آوارگی اور بے ایمانی جیسی لعنتیں پروان چڑھتی ہیں۔ معاشرہ بے راہ روی کا شکار بن جاتا ہے۔

-8 افراطِ زر کے باعث ملک میں سرمایہ کاری اور پیداوار کے مواقع تو بڑھ جاتے ہیں تو ایسے میں قیمتوں پر کنٹرول حاصل کرنا بڑے مسائل کا سبب بنتا ہے اور معیشت ایک عرصہ کے بعد ساکن کیفیت اختیار کر لیتی ہے۔

پاکستان میں افراطِ زر کے اسباب (Causes of Inflation in Pakistan)

1- زر کی مقدار میں اضافہ

پاکستان میں افراطِ زر میں اضافہ کا سب سے بڑا سبب حکومت کے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل اور رواں ضروریات کے لیے وسائل کی ضرورت ہے۔ حکومت ان ضروریات کے پیشِ نظر زر کی مقدار میں اضافہ کرتی رہتی ہے جس سے افراطِ زر پیدا ہوتا ہے۔

2- تمویل خاسر کی پالیسی

حکومت اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے تمویل خاسر کی پالیسی کے تحت نوٹ چھاپ کر اندرونی و بیرونی قرضے لے کر اور ٹیکس لگا کر زر کی مقدار میں اضافہ کرتی رہتی ہے جس سے اشیا کی قیمتیں مسلسل بڑھتی رہتی ہیں۔

3- دفاعی اخراجات اور سود کی ادائیگی

حکومت کو دفاعی ضروریات اور سود کی ادائیگی کے لیے سرمائے کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے حکومت آئے دن سٹیٹ بنک سے نوٹ چھاپنے کا تقاضہ کرتی رہتی ہے جس سے اشیا کی قیمتیں براہِ راست متاثر ہوتی ہیں۔

4- آبادی کی شرح میں اضافہ

پاکستان میں آبادی کے بڑھنے کے سبب اشیا کی طلب بڑھ جاتی ہے جس سے قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

5- ناموافق موسمی و دیگر حالات

پاکستان میں اکثر اوقات ناموافق حالات کے پیشِ نظر زرعی فصلیں اور صنعتی پیداوار متاثر ہوتی ہے جس کی وجہ سے اشیا کی رسد کم ہو جاتی ہے اور طلب بڑھنے کے باعث ان اشیا کی قیمتیں آسمان کو چھونے لگتی ہیں۔

6- روپے کی قدر میں کمی

روپے کی قدر میں کمی کے باعث بیرونی ممالک سے درآمد کی جانے والی اشیا کی قیمتیں بڑھ جاتی ہے جس کی وجہ سے اندرونِ ملک بھی اشیا کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں اور منڈی میں افراطِ زر کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

7- بین الاقوامی سطح پر قیمتوں میں اضافہ

جب کبھی بین الاقوامی سطح پر قیمتوں کے معیار میں اضافہ ہوتا ہے تو ملک کے اندر بھی اشیا کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں اور افراطِ زر پیدا ہو جاتا ہے۔

8- تیل کی قیمتوں میں اضافہ

تیل کی قیمتوں میں اضافہ بھی افراطِ زر کی ایک اہم وجہ ہے کیونکہ جب تیل کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے تو تمام اشیا کی قیمتیں بھی

بڑھ جاتی ہیں کیونکہ ہر پیداواری شعبے میں تیل کا استعمال قیمتیں بڑھنے کا سبب بنتا ہے۔

9- غیر قانونی کاروباری سرگرمیاں

سمگلنگ، چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی جیسی خرابیاں ملک میں اشیا کی قلت اور گرانی کا سبب بنتی ہیں۔

10- صرفی معاشرہ

ہمارا معاشرہ بنیادی طور پر ایک صرفی معاشرہ ہے۔ ہم پیداوار پر کم اور صرف پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ درآمدی اشیا اور کھانے پینے کی اشیا پر بے تحاشا اور بے سوچے سمجھے خرچ کرتے ہیں، جس سے افراطِ زر بڑھتا جاتا ہے۔

11- فیشن کی دوڑ اور خود نمائی کی عادت

فیشن کی دوڑ اور خود نمائی کی عادت بھی ملک میں افراطِ زر کو بڑھا رہی ہے۔

پاکستان میں افراطِ زر کنٹرول کرنے کے اقدامات
(Measures to Control Inflation in Pakistan)

پاکستان میں افراطِ زر کنٹرول کرنے کے لیے درج ذیل طریقے یا اقدامات تجویز کیے جا سکتے ہیں۔

1- سرکاری اخراجات میں کمی کر کے ملکی وسائل کو صحیح طریقوں سے پیداواری یونٹوں میں استعمال کر کے پیداوار بڑھا کر افراطِ زر کو کم کیا جا سکتا ہے۔

2- پاکستان میں افراطِ زر اور مہنگائی کی اصل وجہ پیداوار میں کمی ہے اس لئے ضروری ہے کہ ملک کے اہم شعبوں مثلاً زراعت اور صنعت کو ترقی دے کر پیداوار بڑھائی جائے تاکہ اشیا کی قیمتیں کم ہو سکیں۔

3- حکومتِ پاکستان کو چاہیے تمویل خاسر میں کمی کے لیے ضروریات میں کمی کر کے کم نوٹ چھاپے اور ٹیکسوں کی بھرمار بھی روک دے۔ اس طرح ملک میں اشیا کی قیمتوں کو کم کیا جا سکتا ہے۔

4- ملک میں افراطِ زر کو کنٹرول کرنے کے لیے عوام میں بچتوں کی حوصلہ افزائی کے لیے بچت سکیمیں شروع کی جائیں تاکہ سرمایہ کاری کا عمل تیز ہو اور ملکی پیداوار بڑھے اس طرح افراطِ زر پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

5- سمگلنگ، چور بازاری، اور ذخیرہ اندوزی کی روک تھام کی جائے تاکہ ملکی اشیا کی خرید و فروخت میں اضافہ ہو، مصارفِ پیدائش بھی کم ہوں گے اور قیمتیں مستحکم ہو جائیں۔

6- افراطِ زر پر حکومت بھی درج ذیل اقدامات کے ذریعے کنٹرول حاصل کر سکتی ہے۔

i- سٹیٹ بنک آف پاکستان افراطِ زر روکنے کے لیے شرح بنک میں تبدیلی لا کر افراطِ زر پر کنٹرول حاصل کرتا ہے۔ اس اُصول کے تحت افراطِ زر روکنے کے لیے شرح بنک کو بڑھا دیا جاتا ہے تاکہ زیادہ قرضے جاری نہ ہوں اور افراطِ زر کا مسئلہ نہ ہو۔

ii- سٹیٹ بنک افراطِ زر پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے اپنی کفالتیں، حصص اور تمسکات وغیرہ کھلے بازار یعنی سٹاک ایکسچینج میں فروخت کر دیتا ہے۔ جب لوگ ان حصص اور کفالتوں کو خریدتے ہیں تو زر سٹیٹ بنک کی طرف منتقل ہو جاتا ہے زر کی مقدار میں

کی افراطِ زر کے حالات کو روک دیتی ہے۔

iii- حکومت افراطِ زر کو کنٹرول کرنے کے لیے مالیاتی اقدامات کے تحت ٹیکسوں کی شرح میں اضافہ کر کے مقصد میں کامیاب ہو جاتی ہے جب حکومت ٹیکس کی شرح بڑھاتی ہے تو زر کی گردش میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور افراطِ زر پر کسی حد تک قابو پا لیا جاتا ہے۔

7- آبادی پر کنٹرول کر کے بھی افراطِ زر پر قابو پایا جا سکتا ہے کیونکہ آبادی میں کمی سے اشیا کا صرف کم ہو گا اور افراطِ زر کی کیفیت نہیں رہے گی۔

8- ملکی برآمدات میں اضافہ اور تعیشاتی درآمدات میں کمی کر کے افراطِ زر پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ لوگ اپنے رہن سہن کے طریقوں کو سادہ اور محدود کر لیں۔ ملکی اشیا کے استعمال کو ترجیح دیں اس طرح افراطِ زر کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔

مشقی سوالات

سوال 1: نیچے دیے گئے ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

1- درج ذیل میں سے کس کو نوٹ جاری کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے؟

(الف) تجارتی بنک (ب) فہرستی بنک

(ج) مرکزی بنک (د) تعاونی بنک

2- سٹیٹ بنک آف پاکستان تمام فہرستی بنکوں کا کتنے فی صد حصہ زرِ نقد کی صورت میں اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے؟

(الف) 20% (ب) 15%

(ج) 10% (د) 5%

3- پاکستان میں کس سال میں تجارتی بنکوں کو قومی تحویل میں لیا گیا؟

(الف) 1970 (ب) 1972

(ج) 1977 (د) 1974

4- درج ذیل میں سے کون سا بنک بعض حالات میں بحیثیت مرکزی بنک بھی اپنے فرائض سرانجام دیتا ہے؟

(الف) مسلم کمرشل بنک (ب) نیشنل بنک

(ج) حبیب بنک (د) صنعتی مالیاتی بنک

5- درج ذیل میں کون سا بنک ملک کے بازارِ زر کا ناظم ہوتا ہے؟

(الف) تجارتی بنک (ب) نیشنل بنک

(ج) مرکزی بنک (د) خصوصی مالیاتی بنک

سوال 2: درج ذیل جملوں میں دی گئی خالی جگہیں پُر کریں۔

1۔ نیشنل بنک آف پاکستان..................کو معرض وجود میں آیا۔

-2 بازار سرمایہ میں.................قرضے جاری کیے جاتے ہیں۔

-3 زرعی ترقیاتی بنک دو بنکوں.................اور.................کو ضم کر کے معرض وجود میں آیا۔

-4 اشیا کی خرید و فروخت میں انٹرنیٹ کا استعمال.................کہلاتا ہے۔

-5 قومی تحویل میں جانے سے پہلے پاکستان میں تجارتی بنکوں کی تعداد ......تھی۔

سوال3: کالم (الف) اور کالم (ب) میں دیے گئے جملوں میں مطابقت پیدا کر کے دُرست جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
افراطِ زر	5 سے 10 سال	
زرعی بنک کے قلیل مدت قرضے کی میعاد	زری پالیسی کا اُصول	
خصوصی مالیاتی بنک	قیمتوں میں اضافہ	
کھلے بازار کا عمل	6 ماہ سے ڈیڑھ سال	
بنکوں کا بنک	صنعتی ترقیاتی بنک	
	مرکزی بنک	

سوال4: درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے۔

-1 متناسب زرِ محفوظ کے اُصول سے کیا مراد ہے؟

-2 مرکزی بنک کو حساب گھر کا بنک کیوں کہتے ہیں؟

-3 بازار سرمایہ کی تشکیل سے کیا مراد ہے؟

-4 نیشنل بنک آف پاکستان کا انتظام کس کے سپرد ہے؟

-5 زرعی ترقیاتی بنک کے قلیل المیعاد اور طویل المیعاد قرضے کن مقاصد کے لیے جاری کئے جاتے ہیں؟

سوال5: درج ذیل سوالات کے جوابات تفصیل سے تحریر کریں۔

-1 پاکستان کی معاشی ترقی میں سٹیٹ بنک آف پاکستان کے کردار پر روشنی ڈالیں۔

-2 معاشی ترقی میں تجارتی بنکوں کے کردار پر روشنی ڈالیں۔

-3 نیشنل بنک آف پاکستان کے فرائض اور کردار پر بحث کریں۔

-4 زرعی ترقیاتی بنک لمیٹڈ کے فرائض بیان کریں۔

-5 صنعتی ترقیاتی بنک آف پاکستان کے فرائض پر روشنی ڈالیں۔

-6 درج ذیل پر نوٹ لکھیں۔

i- بازارِ زر ii- بازار سرمایہ iii- ای۔کامرس

باب 11
حکومتِ پاکستان کے مالیات
(PUBLIC FINANCE OF PAKISTAN)

دورِ جدید میں ہر حکومت اپنے عوام کی فلاح و بہبود اور معاشی ترقی کے لیے انتھک کوشش کرتی ہے تاکہ لوگوں کا معیارِ زندگی بلند ہو۔ دولت چند ہاتھوں میں مرکوز ہونے کی بجائے مساویانہ تقسیم ہو اور ملکی وسائل کو بھرپور استعمال کر کے اس کے ثمرات معاشرے میں ہر انسان تک پہنچ سکیں۔ پاکستان میں بھی مرکزی اور صوبائی حکومتیں 1973 کے آئین کے تحت اپنے فرائض دیانت داری سے سرانجام دے رہی ہیں۔ پاکستان میں چار صوبائی حکومتوں کے علاوہ ایک خودمختار مملکت آزاد کشمیر بھی مرکزی حکومت کے تحت اپنے ترقیاتی وغیر ترقیاتی منصوبوں کو عملی جامہ پہنا رہی ہے۔ کام اور فرائض کے لحاظ سے مرکزی اور صوبائی حکومتوں کا دائرہ اختیارات مختلف ہے۔ مرکزی حکومت ملکی دفاع، کرنسی کے اجراء، مواصلات، بین الاقوامی تجارت اور اُمورِ داخلہ و خارجہ کے متعلق فرائض سرانجام دینے کی ذمہ دار ہوتی ہے اور صوبائی حکومتیں تعلیم، صحت، سماجی فلاح و بہبود، صنعت و حرفت، زراعت، امن و امان برقرار رکھنے کے لیے گوناگوں کوششوں میں مصروف رہتی ہیں۔ اس کے علاوہ نچلی سطح پر مقامی حکومتیں بھی صوبائی حکومتوں کی زیرِ نگرانی اپنے فرائض سرانجام دے رہی ہیں۔ مذکورہ بالا تینوں حکومتوں کو اپنے معاملات کو جاری رکھنے کے لیے مالیات کی ضرورت پڑتی ہے۔ جس کو وہ مرکزی اور صوبائی بجٹ بنا کر پورا کرتی ہیں۔ زیرِ نظر باب میں حکومت پاکستان کے مالیات اکٹھا کرنے کے ذرائع، اخراجات کی مدات، ٹیکسوں کی اقسام، زکوٰۃ، عشر اور انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں روشنی ڈالیں گے۔

11.1 پاکستان میں ٹیکسوں کی اقسام (Kinds of Taxes in Pakistan)

دورِ حاضر میں حکومتیں اپنے دفاعی، معاشرتی، اقتصادی، ترقیاتی اور دیگر فرائض سرانجام دینے کے لیے مالیات ٹیکسوں کے ذریعے حاصل کرتی ہیں۔ ٹیکس حکومت کی آمدنی کا سب سے اہم ذریعہ ہوتا ہے۔ اس سے مراد شہریوں کے ذمہ ایسی واجب الادا رقم ہے جو وہ حکومت کی خدمات کے بدلے میں حکومت کے خزانے میں جمع کرواتے ہیں۔ حکومت لوگوں کی موصولہ رقوم کو ملک کے عوام کی فلاح و بہبود اور ان کے وسیع تر مفاد کے لیے خرچ کرتی ہے۔ اس لیے ٹیکس دہندہ ٹیکس دینے کے بدلے میں حکومت سے براہِ راست کوئی مراعات یا فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ پاکستان میں ٹیکس حاصل کرنے کے لیے اہم ذرائع درج ذیل ہیں۔

1۔ براہِ راست ٹیکس (Direct Taxes)

ان ٹیکسوں میں انکم ٹیکس، پراپرٹی ٹیکس، تحائف ٹیکس، زمین کی پیداوار پر مالیہ وغیرہ شامل ہیں۔ حکومت پاکستان کی کل آمدنی کا 39.5 فیصد حصہ براہِ راست ٹیکسوں سے حاصل ہوتا ہے۔

2- بالواسطہ ٹیکس (Indirect Taxes)

یہ ٹیکس درآمد و برآمد کنندگان، تاجر اور دیگر پیداواری اداروں یا افراد پر لگائے جاتے ہیں۔ ان ٹیکسوں میں کسٹم ڈیوٹی، مرکزی ایکسائز ڈیوٹی، سیلز (بکری) ٹیکس، وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ ان ٹیکسوں کو اشیا کی قیمتوں میں شامل کر کے بوجھ عوام پر منتقل کر دیا جاتا ہے اور

بالآخر یہ ٹیکس صارفین ادا کرتے ہیں۔ حکومتِ پاکستان کو بالواسطہ ٹیکسوں سے 60.5% آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ پاکستان میں ٹیکس نافذ کرنے والا سب سے بڑا اور بااختیار ادارہ مرکزی بورڈ آف ریونیو (Central Board of Revenue) قائم ہے جو وفاقی حکومت کی زیرِ نگرانی اپنے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ مرکزی حکومت جو ٹیکس عائد کرتی ہے ان میں کسٹم ڈیوٹی، مرکزی ایکسائز ڈیوٹی، آمدنی ٹیکس، کاروباری ٹیکس شامل ہیں۔ صوبائی حکومتیں اپنے دائرہ کار میں زمین کی پیداوار کا آبیانہ، پیشہ وارانہ ٹیکس، صوبائی ایکسائز ڈیوٹی، اسٹامپ ڈیوٹی، گاڑیوں پر ٹیکس، لائسنس فیس، ٹول ٹیکس، اور پراپرٹی ٹیکس اکٹھا کرتی ہیں۔ مقامی حکومتیں صوبائی حکومتوں کے ایما پر کارپوریشن، میونسپل کمیٹیاں، ضلعی کونسلیں قائم کرکے محصول چونگی، ٹول ٹیکس وغیرہ اکٹھا کررہی تھیں جن کو حکومتِ پاکستان نے 2000-1999 میں ختم کردیا۔

شرح ٹیکس کے حوالے سے ٹیکسوں کی درج ذیل اقسام ہیں۔

-1 متناسب ٹیکس (Proportional Tax) -2 متزائد ٹیکس (Progressive Tax)

-3 تنزیلی ٹیکس (Regressive Tax) -4 زائد قدری ٹیکس (Value Added Tax)

-1 متناسب ٹیکس (Proportional Tax)

اس سے مراد ایسا ٹیکس ہے جو تمام ٹیکس دہندگان سے ایک ہی شرح سے وصول کیا جائے۔ اس طرح کا ٹیکس کم آمدنی اور زیادہ آمدنی والے لوگوں سے ایک ہی شرح سے وصول کیا جاتا ہے، مثلاً دس لاکھ روپے آمدنی پر بھی دس فی صد شرح اور پچاس لاکھ آمدن پر بھی دس فی صد۔

-2 متزائد ٹیکس (Progressive Tax)

متزائد ٹیکس سے مراد وہ ٹیکس ہے جو کہ مختلف آمدنی والے افراد سے بڑھتی ہوئی شرح سے وصول کیا جاتا ہے، جوں جوں آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے ویسے ویسے شرح ٹیکس میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ آمدنی میں کمی کے ساتھ ٹیکس کی شرح بھی کم ہوجاتی ہے مثلاً دس لاکھ آمدن پر شرح ٹیکس دس فی صد ہو اور پچاس لاکھ پر پچیس فی صد اور کروڑ روپے پر 40 فی صد۔

-3 تنزیلی ٹیکس (Regressive Tax)

تنزیلی ٹیکس کی صورت میں شرح ٹیکس میں آمدنی بڑھنے پر کمی آتی جاتی ہے، مثلاً دس لاکھ روپے پر شرح 20 فی صد، پچاس لاکھ روپے پر 15 فی صد اور کروڑ روپے پر دس فی صد شرح سے ٹیکس عائد کیا جائے تو اسے تنزیلی ٹیکس کہا جاتا ہے۔

-4 زائد قدری ٹیکس (Value Added Tax)

یہ ٹیکس اشیا کی پیداوار کے مختلف مراحل پر عائد کیا جاتا ہے، جوں جوں کسی شے کی قدر بڑھتی جاتی ہے، توں توں اس کے ہر مرحلہ میں ٹیکس بڑھتا جاتا ہے۔

11.2 حکومتِ پاکستان کی آمدنی کے ذرائع
(Sources of Revenues of the Federal Government of Pakistan)

حکومتِ پاکستان کی آمدنی کے اہم ذرائع درج ذیل ہیں۔

1۔ درآمدی و برآمدی محصولات (کسٹم ڈیوٹی) (Custom Duty on Export and Import)

درآمدات اور برآمدات سے حاصل ہونے والی کسٹم ڈیوٹی حکومت پاکستان کی آمدنی کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔ یہ محصولات،

اشیا کی بلحاظ مالیت اور وزن لگائے جاتے ہیں۔ پاکستان میں یہ محصولات بلحاظ وزن چائے، تمباکو، دھاگہ، سیمنٹ، سینما فلم وغیرہ پر لگائے جاتے ہیں جبکہ بلحاظ مالیت کئی اشیا کی درآمد و برآمد شامل ہے۔ سامان تعیشات اور غیر ضروری اشیا پر بھاری ٹیکس عائد کر کے حکومت کثیر رقم اکٹھا کرتی ہے جبکہ روزمرہ کی اشیا پر کسٹم ڈیوٹی معاف ہے۔

-2 مرکزی ایکسائز ڈیوٹی (Central Excise Duty)

حکومت پاکستان ملک کی حدود کے اندر پیدا ہونے والی اشیا و خدمات پر ایکسائز ڈیوٹی لگا کر اپنی آمدنی میں اضافہ کرتی ہے۔ حکومت ملکی پیداوار پر ایکسائز ڈیوٹی عائد کرتے وقت بڑی احتیاط سے کام لیتی ہے کیونکہ ان محصولات کا بوجھ بالواسطہ طور پر صارفین (عوام) پر پڑتا ہے۔ دوسری طرف پیداوار کی حوصلہ افزائی کے لیے تاجروں کے مفاد کو بھی مدِ نظر رکھتے ہوئے حکومت ایکسائز ڈیوٹی مقرر کرتی ہے تاکہ عوام کی فلاح و بہبود کے ساتھ ساتھ پیداواری عمل بھی زور و شور سے جاری رہے۔

-3 انکم ٹیکس اور کارپوریٹ ٹیکس (Income Tax and Corporate Tax)

انکم ٹیکس اور کارپوریٹ ٹیکس کی مد سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی حکومتِ پاکستان کے وسائل کا اہم ذریعہ ہے۔ حکومت اس ٹیکس کو عائد کر کے لوگوں سے ان کی آمدنیوں اور پراپرٹی پر متزائد شرح سے ٹیکس لگا کر آمدنی وصول کرتی ہے۔ اسی طرح ملکی کاروباری ادارے، مشترکہ سرمائے کی انجمنیں اور کارپوریشن بھی حکومت کو ٹیکس ادا کر کے وسائل مہیا کرتے ہیں۔

-4 بکری ٹیکس (Sales Tax)

بکری ٹیکس ملکی و غیر ملکی اشیا پر نافذ کیے جاتے ہیں۔ حکومت پاکستان بکری ٹیکس کی مد میں معقول آمدنی حاصل کرتی ہے۔ پاکستان میں یہ ٹیکس عام ضروریاتِ زندگی کی اشیا پر لاگو نہیں جبکہ اشیائے تعیشات پر حکومت بھاری مقدار میں بکری ٹیکس نافذ کرتی ہے۔

-5 تحفہ ٹیکس (Gift Tax)

تحفہ ٹیکس کا نفاذ پاکستان میں 1963 میں ہوا تھا۔ اس کی کم سے کم شرح 5% اور زیادہ سے زیادہ 30% ہے۔ یہ ٹیکس کسی کو شے تحفہ کے طور پر دینے، زمین کا ہبہ وغیرہ کروانے پر واجب الادا ہوتی ہے۔ یاد رہے تحفہ ٹیکس 20 ہزار روپے تک کی مالیت تک ٹیکس سے مستثنیٰ ہے۔

-6 دولت ٹیکس (Wealth Tax)

حکومت دولت ٹیکس کی صورت میں 10 لاکھ سے زائد کی مالیت پر یہ ٹیکس عائد کرتی ہے اور اس کی شرح متزائد ہوتی ہے۔ یہ ٹیکس شہری پلاٹوں اور رہائشی مکانوں پر بھی ایک خاص مالیت کے اوپر لگایا جاتا ہے۔ اس طرح حکومت پاکستان کو اس مد سے بھی وصولیاں حاصل ہوتی ہیں۔

-7 وراثت ٹیکس (Estate Duty)

اسٹیٹ ڈیوٹی ایکٹ 1930 میں جاری ہوا جس کے مطابق مرنے والے کی وراثت سے ورثا کو منتقلی کے بعد ایک خاص شرح سے ٹیکس لیا جاتا ہے اس ٹیکس کی نوعیت بھی متزائد ہوتی ہے اور اس کا نفاذ 1947 میں ہوا۔

-8 ڈاک، تار، ٹیلی فون کی سہولت (Postal and Telephone Services)

حکومت لوگوں کو ڈاک، تار، ٹیلی فون کی خدمات مہیا کر کے آمدنی حاصل کرتی ہے۔ حکومت پاکستان ان خدمات کے عوض حاصل

ہونے والی آمدنی پر ایک خاص شرح سے ٹیکس لگاتی ہے۔

-9 سود کی وصولیاں (Receiving Interest)

حکومت پاکستان صوبائی حکومتوں، میونسپل کمیٹیوں اور کارپوریشنوں کو قرضے جاری کر کے سود حاصل کرتی ہے یہ بھی حکومت کی آمدنی کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

-10 املاک اور کاروبار (Property and Business)

حکومت اپنی املاک کرایہ پر دے کر آمدنی حاصل کرتی ہے اور بسا اوقات ان کو بیچ کر کاروبار کرتی ہے اور اپنی آمدنی میں اضافہ کرتی ہے۔

-11 دیگر ذرائع (Other Sources)

حکومت پاکستان مذکورہ بالا ذرائع کے علاوہ سول انتظامیہ، کرنسی، ٹکسال، دفاعی خدمات اور نظم و نسق کی بحالی، نیلامی، بیمہ کاری وغیرہ کی خدمات کے عوض بھی آمدنی حاصل کرتی ہے۔

این ایف سی ایوارڈ (NFC Award)

پاکستان کے مالیات اور صوبوں کی قابل تقسیم رقوم کا ترمیمی آرڈر مجریہ 2010 جاری کیا گیا، جس نے این۔ایف۔سی 2007 ایوارڈ کی جگہ لی۔ اس NFC ایوارڈ کے مطابق:

-1 مالیات کی تقسیم

(الف) حکومت پاکستان کے قابل تقسیم مالیات وفاقی حکومت اور صوبائی حکومتوں کے جمع کردہ ٹیکسوں بشمول آمدنی ٹیکس، دولت ٹیکس، کیپیٹل گین ٹیکس (Capital Gain Tax)، سیلز ٹیکس، برآمدی ڈیوٹی اور کسٹم ڈیوٹی پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ گیس پر عائد ایکسائز ڈیوٹی اور ان کے علاوہ وفاقی حکومت کی طرف سے عائد کردہ ٹیکسوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

(ب) ان رقوم میں ایک فیصد صوبہ خیبر پختونخوا کی حکومت کو دہشت گردی کی جنگ کے نام پر کئے گئے اخراجات پورا کرنے کے لیے دیا جاتا ہے۔ بقایا رقم میں سے 56 فی صد صوبوں کو فراہم کیا جاتا ہے اور 44 فی صد وفاقی حکومت اپنے اخراجات کے لیے رکھتی ہے۔

(ج) صوبوں کو فراہم کردہ 56 فی صد رقوم کی تقسیم درج ذیل قاعدہ کے مطابق ہوتی ہے۔

-1	پنجاب	51.74	فی صد
-2	سندھ	24.55	فی صد
-3	خیبر پختونخوا	14.62	فی صد
-4	بلوچستان	9.09	فی صد
	کل	100	فی صد

11.3 وفاقی حکومت کے اخراجات کی مدات
(Heads of Expenditures of Federal Government)

پاکستان کی مرکزی حکومت درج ذیل مدات پر اخراجات کرتی ہے۔

-1 دفاع (Defence)

دورِ حاضر میں ملکی سالمیت کا دفاع اور بیرونی دشمن طاقتوں اور حملہ آوروں سے ملک کو بچانا ہر حکومت کے لیے چیلنج بن چکا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے پاکستان میں بھی بری، بحری اور ہوائی فوج موجود ہیں جو ہر طرح سے ملک کو دشمنوں سے بچا کر مضبوط دفاع فراہم کرتی ہیں۔ لہٰذا ملکی دفاع کی مد میں اٹھنے والے اخراجات کل مرکزی محاصل کا تقریباً 17.2% ہے جو دفاعی ضروریات مثلاً اسلحہ، جنگی جہاز، آبدوزیں، بارودی مواد، اور افواج کی جنگی تعلیم و تربیت پر اٹھتا ہے۔ اگرچہ دفاع کی مد میں ملکی سالمیت کے لیے ضرورت سے زیادہ اخراجات اٹھانے پڑتے ہیں لیکن اس کے اثرات بہر حال معاشی ترقی پر بھی مرتب ہوتے ہیں کیونکہ مرکزی حکومت کے مجموعی اخراجات کا ایک نمایاں حصہ اس مد میں خرچ ہوتا ہے۔

-2 سود کی ادائیگی (Debt Servicing)

ہر حکومت کی طرح حکومتِ پاکستان بھی اپنے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل اور سالانہ بجٹ کے خسارے کو پورا کرنے کے لیے اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک سے قرضے حاصل کرتی ہے جس پر اصل رقم کے ساتھ سود کی ادائیگی بھی واجب ہوتی ہے۔ اس وقت پاکستان کا کل بیرونی قرضہ مارچ 2012 میں تقریباً 60.3 بلین ڈالر ہے جس پر 11-2010 میں 8.7 ملین ڈالر سود ادا کیا گیا۔ اس طرح مرکزی حکومت کے اخراجات کی مد میں بیرونی قرضوں اور ان کے اوپر سود کی ادائیگی پر سب سے زیادہ خرچ ہوتا ہے۔

-3 نظم و نسق (Administration)

ملک میں امن و امان قائم کرنے اور نظم و نسق برقرار رکھنے کے لیے مرکزی حکومت کو پولیس، عدلیہ وغیرہ پر اپنے محاصل کا ایک کثیر حصہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ مرکزی حکومت کے اخراجات کا تقریباً 18% حصہ ان مدات پر خرچ ہو جاتا ہے۔

-4 اعانے (Subsidies)

حکومتِ پاکستان کے وہ اخراجات جو اعانے کی صورت میں عام ضرورت کی خوردنی اشیا مثلاً خوردنی تیل، مٹی کے تیل اور دیگر ضروریاتِ زندگی پر اُٹھتے ہیں انہیں اعانے کہتے ہیں۔ یہ اعانے جن مقاصد کے لیے فراہم کیے جاتے ہیں ان میں اشیا پیدا کرنے والوں کے لیے معقول قیمت کی وصولی، پیداوار بڑھانے کے لیے ترغیب اور ان اشیا کی درآمد پر حکومت کے زرمبادلہ کا استعمال شامل ہے۔ لہٰذا حکومت عوام کو اشیا سستے داموں فراہم کرنے کے لیے تاجروں کو اعانے کی سہولت مہیا کرتی ہے۔

-5 سماجی و معاشرتی خدمات (Social Services)

حکومتِ پاکستان نے عوام کی فلاح و بہبود کیلئے معاشرتی خدمات مہیا کرنے والے محکمے مثلاً تعلیم و تربیت، صحت، سماجی تحفظ، مذہبی اُمور وغیرہ قائم کر رکھے ہیں جن کی کارکردگی کو مؤثر بنانے کے لیے ہر سال حکومت کو کثیر رقم ان مدات پر خرچ کرنا پڑتی ہے۔

-6 معاشی خدمات (Economic Services)

مرکزی حکومت نے معاشی خدمات سرانجام دینے والے محکمے مثلاً ذرائع نقل و حمل، خبر رسانی، خوراک و زراعت، آبپاشی، بجلی، گیس، دیہی ترقی وغیرہ قائم کر کے عوام الناس کو معاشی سہولیات فراہم کر رکھی ہیں۔ ان مدات میں حکومتِ پاکستان کے مجموعی محاصل کا ایک

نمایاں حصہ خرچ ہو جاتا ہے۔

-7 ترقیاتی اخراجات (Developmental Expenditures)

مرکزی حکومت ترقیاتی اخراجات سالانہ ترقیاتی پروگرام کے تحت کرتی ہے۔ان اخراجات کی مد میں زراعت، صنعت، پانی، بجلی، ایندھن، معدنیات، مواصلات، مکانات، تعلیم و تربیت، آبادی کی منصوبہ بندی، افرادی قوت وغیرہ شامل ہیں۔ترقیاتی پروگرام کے تحت بیشتر اخراجات صوبائی حکومتوں کے توسط سے کیے جاتے ہیں۔

-8 اجتماعی خدمات (Community Services)

حکومت معاشرے میں بسنے والے لوگوں کو سڑکیں، شاہراہیں، ٹیلی ویژن اور مواصلات کی سہولتیں فراہم کرنے کے لیے کثیر اخراجات کرتی ہے۔

پاکستان کی صوبائی حکومتوں کے ذرائع آمدن
(Sources of Revenues of Provincial Governments of Pakistan)

پاکستان میں چار صوبائی حکومتیں پنجاب، سندھ، خیبر پختونخوا اور بلوچستان قائم ہیں ان کو صوبائی سطح پر اپنے اپنے علاقوں میں سیاسی، انتظامی، اقتصادی اور معاشرتی فرائض سرانجام دینے کے لیے ذرائع آمدن کی ضرورت رہتی ہے۔لہٰذا صوبائی حکومتیں اپنے وسائل درج ذیل ذرائع سے حاصل کرتی ہیں۔

-1 صوبائی حکومتوں کا وفاقی حکومت کے ٹیکسوں میں حصہ
(Share of Provincial Governments in Federal Taxes)

صوبائی حکومتیں، مرکزی حکومت کے عائد کردہ درآمدی و برآمدی ٹیکس (کسٹم ڈیوٹی)، مرکزی ایکسائز ڈیوٹی، انکم ٹیکس، کارپوریشن اور بکری ٹیکس سے حاصل ہونے والی کل آمدنی کا 56% حصہ وفاقی حکومت سے حاصل کر لیتی ہیں۔اس طرح صوبائی حکومتوں کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ وفاقی حکومت کے نافذ کردہ ٹیکسوں سے ملنے والا حصہ ہوتا ہے۔

-2 صوبائی ایکسائز ڈیوٹی (Provincial Excise Duty)

جن اشیا پر وفاقی حکومت مرکزی ایکسائز ڈیوٹی عائد نہیں کرتی وہاں صوبائی حکومتیں ایکسائز ڈیوٹی نافذ کر کے آمدنی حاصل کرتی ہیں۔ان اشیا میں دیسی شراب کی تیاری و فروخت پر محصول و لائسنس فیس، درآمد شدہ شراب پر لائسنس فیس، سینماؤں کی ٹکٹوں پر ڈیوٹی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

-3 نظم و نسق کے محکمے (Administration Departments)

صوبائی حکومتوں نے اپنے انتظامی اُمور سرانجام دینے کے لیے مختلف محکمے مثلاً پولیس، جیلیں، عدالتیں وغیرہ قائم کر رکھی ہیں جن پر اخراجات کرنے کے ساتھ ساتھ فیس اور جرمانے کی صورت میں کچھ نہ کچھ آمدنی حاصل ہو جاتی ہے۔اس آمدنی کو صوبائی حکومتیں اپنے

محصولاتی ذرائع میں شامل کر لیتی ہیں۔

4- مالیہ زمین (Land Malia)

اس مد میں صوبائی حکومتیں زمین کے مالکان سے زمینوں کی خرید و فروخت، مویشی چرانے کا معاوضہ، زمین کا لگان اور جرمانے وصول کرتی ہیں۔ ان ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی صوبائی حکومت کی ملکیت ہوتی ہے۔

5- آبیانہ (Abiana)

صوبائی حکومتیں کاشتکاروں کو پانی کی بہم رسانی کے لیے نہریں تعمیر کروا دیتی ہیں جن سے زمیندار اپنی زمینوں کو سیراب کرتے ہیں۔ لہٰذا حکومت اس سہولت کا معاوضہ کاشتکاروں سے آبیانہ کی صورت میں وصول کرتی ہے۔

6- موٹر گاڑیوں پر ٹیکس (Motor Vehicles Tax)

صوبائی حکومتوں کو گاڑیوں کی رجسٹریشن فیس، روڈ ٹیکس، ڈرائیونگ لائسنس فیس اور جرمانے کی صورت میں ایک معقول آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ ان مدات سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی صوبائی حکومتوں کے محصولات کا حصہ بنتی ہے۔

7- اسٹام پیپر اور کورٹ فیس (Stamp Paper and Court Fee)

عام لوگ تجارتی لین دین مثلاً زمینوں کی خرید و فروخت، گاڑیوں کی خرید فروخت، عدالتی درخواستوں اور بنکاری معاملات کے لیے اسٹام پیپر اور کورٹ فیس وغیرہ کی خریداری اور ادائیگی کرتے ہیں۔ ان مدات سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی صوبائی حکومتوں کی ملکیت ہوتی ہے جسے وہ عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کرتی ہیں۔

8- حکومتی رجسٹریشن فیس (Government Registration Fee)

اس مد میں دستاویزات کو رجسٹرڈ کرانے کی فیس، زمینوں کی دستاویزات کی نقل حاصل کرنے کی فیس وغیرہ شامل ہوتی ہیں۔

9- معاشرتی خدمات کے محکمے (Departments For Social Services)

صوبوں میں صحتِ عامہ، تعلیمِ عامہ کے محکمے جو معاشرتی خدمات مہیا کرتے ہیں۔ صوبائی حکومت ان کا معاوضہ وصول کرتی ہے۔ ان خدمات کا معاوضہ اگرچہ معمولی ہوتا ہے لیکن مذکورہ محکموں کو موثر طور پر چلانے کے لئے یہ معاوضہ ضروری ہوتا ہے۔

10- متفرق ذرائع آمدن (Miscellaneous Sources of Revenues)

ان میں درج ذیل مدات شامل ہوتی ہیں۔

i- صوبائی حکومتیں مختلف اداروں مثلاً میونسپل کمیٹیوں، کارپوریشنوں اور مختلف سکیموں کے تحت لوگوں کو قرضے جاری کرتی ہیں۔ ان پر سود حاصل کرتی ہیں۔ یہ رقوم بھی صوبائی حکومتوں کے محاصل میں شامل ہوتی ہیں۔

ii- مرکزی حکومت ناگہانی آفات کے پیشِ نظر جو عطیات، سیلابوں، زلزلے، بیماریوں، قحط سالی وغیرہ کی تلافی کے لیے صوبائی حکومتوں کو فراہم کرتی ہیں۔ یہ بھی صوبائی حکومتوں کی آمدنی میں شمار ہوتے ہیں۔

iii- صوبائی حکومتیں تفریحی ٹیکس، بجلی کے استعمال پر ٹیکس، پٹرول پر ٹیکس، ہوٹلوں کے کھانوں پر ٹیکس وغیرہ کی مدات سے بھی آمدنی

حاصل کرتی ہیں۔

iv۔ صوبائی حکومتوں کو زراعت، ماہی گیری، پرورشِ حیوانات، مواصلات، عمارتی لکڑی، ایندھن وغیرہ کی فروخت اور نگرانی سے بھی معقول آمدنی حاصل ہوتی ہے۔

پاکستان کی صوبائی حکومتوں کے اخراجات کی مدات
(Heads of Expenditures of Provincial Governments of Pakistan)

صوبائی حکومتوں کے اخراجات کی اہم مدات درج ذیل ہیں۔

1- سول انتظامیہ کے محکمے (Departments of Civil Administration)

صوبائی حکومتیں اپنے اپنے صوبوں میں نظم و نسق برقرار رکھنے کے لیے مختلف محکمے مثلاً پولیس، عدالتیں، جیلیں وغیرہ قائم کر کے اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ ان کے انتظام و انصرام پر خرچ کر دیتی ہیں۔ اس طرح صوبائی حکومتوں کے اخراجات کی سب سے بڑی مد ان محکموں کی دیکھ بھال پر خرچ ہو جاتی ہے۔

2- دیگر محکمے (Other Departments)

صوبائی حکومتیں اپنے محصولاتی ذرائع اکٹھا کرنے کے لیے کچھ محکمے قائم کرتی ہیں۔ ان محکموں کے عملے کی تنخواہوں اور محکموں کے انتظام پر اٹھنے والے اخراجات بھی صوبائی حکومتوں کے اخراجات کی بڑی مدات میں شامل ہوتے ہیں۔

3- سود کی ادائیگی (Payment of Interest)

صوبائی حکومتیں جو قرضے مرکزی حکومت یا دیگر اداروں سے حاصل کرتی ہیں۔ ان پر سود کی ادائیگی کرنا پڑتی ہے۔ اس طرح سود کی ادائیگی کی شکل میں خرچ کیا جانے والا روپیہ بھی صوبائی حکومتوں کے اخراجات کا حصہ بنتا ہے۔

4- معاشی خدمات کے محکمے (Departments of Economic Services)

صوبائی حکومتوں کو اپنی آمدنی کا بڑا نمایاں حصہ آبپاشی، زراعت، مواصلات، سول ورکس، خبر رسانی، تعلیم، صحت عامہ، سائنس کی ترقی، ریٹائرڈ ملازمین کی پنشنوں کی ادائیگی وغیرہ پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔

11.4 نظام زکوٰۃ (System of Zakat)

زکوٰۃ کے لفظی معنی پاکیزگی اور نشوونما کے ہیں۔ اس کے علاوہ پاک صاف ہونا، بڑھنا بھی اس کے لغوی معنوں میں آتا ہے۔ پاکیزگی اور پاک صاف ہونا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس مال و دولت پر زکوٰۃ فرض کی ہے اسے اگر خلوص دل اور نیک نیتی سے ادا کر دیا جائے تو وہ مال و دولت ہر طرح سے پاک صاف اور پاکیزہ ہو جاتی ہے، جبکہ نشوونما اور بڑھنا سے مراد یہ ہے کہ مستحقین میں زکوٰۃ کی ادائیگی سے مال و دولت میں برکت پیدا ہوتی ہے اور اس میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ دینی اصطلاح میں زکوٰۃ ایک مالی عبادت ہے جو ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر فرض ہے اس کی ادائیگی سے ایثار، قربانی، ہمدردی اور سخاوت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ زکوٰۃ سماجی فلاح و بہبود کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس سے معاشرے کے مفلس لوگوں کی کفالت ہوتی ہے۔ اس طرح معاشرے میں نفرت و انتقام کی بجائے ہمدردی و احترام، باہمی بھائی چارے اور محبت کا جذبہ

فروغ پاتا ہے۔قرآن پاک میں اکثر مقامات پر نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا ہے۔

سورۃ بقرہ میں ارشاد ربانی ہے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۴۳ (البقرة:۴۳)

ترجمہ: نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ جب بھی کسی نے حضور ﷺ سے اسلام کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے اعمال میں سب سے پہلے نماز اور پھر زکوٰۃ کا ذکر فرمایا۔قرآن پاک میں زکوٰۃ کی رقم درج ذیل مستحقین پر خرچ کرنے کا حکم آیا ہے۔

i۔ فقرا ii۔ مساکین iii۔ عاملین (زکوٰۃ اکٹھا کرنے والا عملہ)

iv۔ تالیف قلب v۔ فی الرقاب vi۔ غارمین (قرض دار)

vii۔ فی سبیل اللہ viii۔ ابن السبیل

اگر کسی معاشرہ میں زکوٰۃ کا نظام مستحکم اور اس کی ادائیگی کے صحیح طریقے موجود ہوں تو اس سے غربت اور افلاس کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور معاشرے میں باہمی تعاون کا جذبہ فروغ پاتا ہے۔

11.5 نظام عشر (System of Usher)

عشر کے لغوی معنی دسواں حصہ کے ہیں۔فلاحی اصطلاح میں عشر سے مراد زرعی پیداوار کی زکوٰۃ ہے جو زمین کے مالکان ادا کرتے ہیں اور موصول رقوم غربا میں تقسیم کی جاتی ہے۔

پاکستان میں مارچ 1983 میں زرعی پیداوار پر عشر کی وصولی کا نظام نافذ کیا گیا تھا جس میں عشر کی رقم زرعی پیداوار جو قدرتی ذرائع سے کاشت ہونے والی زمینوں کی پیداوار کا 10 فیصد جبکہ مصنوعی ذرائع سے آبپاشی کی جانے والی پیداوار سے 5% عشر وصول کیا جانا طے ہوا۔عشر کی رقم اس علاقے کے مستحقین میں تقسیم کر دی جاتی ہے تا کہ اس سے علاقے کے غریب اور مفلسین کی مدد ہو سکے۔

11.6 انفاق فی سبیل اللہ (Charity)

دین اسلام حق ملکیت پر کچھ ذمہ داریاں عائد کرتا ہے۔ان ذمہ داریوں میں زکوٰۃ اور عشر کے علاوہ، مزید رضا کارانہ قربانی اور ایثار کا مطالبہ کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ امداد غریبوں کو بہم پہنچانا ہے یہ زائد مگر رضا کارانہ ادائیگی انفاق فی سبیل اللہ کے زمرے میں ہے۔

سورۃ آل عمران (آیت 92) میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ "تم ہرگز نیکی نہ حاصل کرو گے جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمہیں عزیز ہوں راہ خدا میں خرچ نہ کرو"۔

انفاق فی سبیل اللہ کا بنیادی مقصد دولت کا چند ہاتھوں میں ارتکاز روک کر معاشرے کے تمام لوگوں تک مساویانہ پہنچانا اور باہمی اتحاد و بھائی چارے کی فضا قائم کرنا ہوتا ہے۔انفاق فی سبیل اللہ خالصتاً ایک رضا کارانہ عمل ہے جس کا مقصد ناداروں، بیوہ عورتوں،

ہمسائیوں اور دیگر مستحقین کی مالی امداد کرنا ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ یہ درس دیتا ہے کہ صاحب حیثیت پر لازم ہے کہ وہ ضرورت مند اور مفلس افراد کی مدد کریں اور پھر جو لوگ مالی اعانت کریں وہ احسان نہ جتائیں وگرنہ نیکی ضائع ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔

زکوٰۃ، عشر اور انفاق فی سبیل اللہ بطور آلہ ذرائع آمدن اور معاشرتی انصاف

(Zakat, Usher and Charity as Instrument of Revenues and Social Justice)

زکوٰۃ، عشر اور انفاق فی سبیل اللہ کی مدات سے حاصل ہونے والی آمدنی حکومت کے ذرائع آمدنی کا حصہ بنتی ہیں۔ متذکرہ اسلامی ذرائع آمدن اسلامی حکومتیں لوگوں سے اکٹھا کر کے حاجت مندوں اور مفلسوں میں تقسیم کر کے معاشرے میں سماجی انصاف اور بھائی چارے کی فضا قائم کرتی ہیں۔ دولت کے ارتکاز کو چند ہاتھوں میں جانے کی بجائے گردش زر پر زور دیتی ہیں۔ اسلامی حکومت میں زکوٰۃ، عشر اور انفاق فی سبیل اللہ کے موثر انتظام اور تقسیم کی بدولت درج ذیل اثرات معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں۔

1۔ دولت کی منصفانہ تقسیم (Fair Distribution of Wealth)

دورِ حاضر میں زیادہ تر ترقی پذیر ممالک دولت کی غیر مساویانہ تقسیم کے مسئلہ سے دوچار ہیں۔ معاشرہ اقتصادی اعتبار سے نہایت امیر اور نہایت غریب گروہوں میں بٹا ہوا ہوتا ہے، امیر طبقہ عیش و عشرت اور پُر وقار طریقے سے زندگی گزارتا ہے اور غریب طبقہ بھوک، افلاس اور تنگ دستی کا شکار ہے۔ اس طرح دولت سے محروم لوگوں کے اندر دولت مندوں کے لئے حسد، کینہ اور انتقام جیسے مکروہ احساسات جنم لیتے ہیں لیکن اسلام کے معاشی نظام کی بدولت زکوٰۃ، عشر اور انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے دولت کی غیر مساویانہ تقسیم کا علاج کیا جاتا ہے چونکہ اسلامی احکامات کی رو سے صاحب نصاب پر مقررہ شرح سے زکوٰۃ فرض کی گئی ہے اس کے علاوہ زرعی پیداوار سے عشر اور انفاق فی سبیل اللہ کی مد سے امدادی رقوم لیکر غریبوں اور ضرورت مندوں کو دی جاتی ہیں۔ اس طرح دولت خود بخود امیر طبقہ سے نکل کر دولت سے محروم طبقے کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور گروہی طبقات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ معاشرے میں اقتصادی ناہمواریاں ختم ہو جاتی ہیں اور معیشت میں اعتدال و استحکام کی فضا پروان چڑھتی ہے۔

-2 غربت کا خاتمہ (Poverty Alleviation)

اسلامی معاشرہ زکوٰۃ، عشر اور انفاق فی سبیل اللہ کی بدولت معاشرے سے غربت اور افلاس کا خاتمہ کر دیتا ہے اور جس معاشرے میں بوڑھے، نادار، بے روزگار، حاجت مند، اپاہج اور مقروض لوگوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے ان میں زکوٰۃ، عشر اور انفاق فی سبیل اللہ کے نظام کے ذریعے خوشیاں بانٹتا ہے اور متذکرہ افراد کی کفالت کا ذمہ لیتا ہے جس سے معاشرے میں مروت، احساس، تعاون اور ہمدردی کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔ معاشرہ غربت اور افلاس جیسی برائیوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ لوگوں کو عزت کی زندگی گزارنے کا موقع ملتا ہے۔ اس طرح زکوٰۃ، عشر اور انفاق فی سبیل اللہ کے تحت اکٹھی کی ہوئی رقوم غریبوں، مسکینوں اور حاجت مندوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کر کے ایک اسلامی فلاحی معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

3۔ بے روزگاری کا علاج (Solution of Unemployment)

زکوٰۃ، عشر اور انفاق فی سبیل اللہ کا بنیادی مقصد دولت کا چند ہاتھوں میں ارتکاز روک کر معاشرے کے تمام لوگوں تک منتقل کرنا ہے تاکہ دولت کے ذخائر امراء سے نکل کر غرباء کی طرف منتقل ہوں اور دولت کی مساویانہ تقسیم سے معیشت میں عدل و انصاف قائم ہو۔ دولت

سے محروم طبقہ کو زکوٰۃ، عشر اور انفاق فی سبیل اللہ سے جب مالی امداد ملتی ہو تو وہ نہ صرف مشکلات سے نکلتا ہے بلکہ وہ کاروبار کر کے باعزت زندگی بھی گزارتے ہیں اور انہیں اپنی ذہنی و جسمانی صلاحیتوں کو آزمانے کا موقع ملتا ہے۔ اس طرح معیشت میں پیداواری شعبے ترقی کی طرف گامزن ہوتے ہیں اور غربت و بے روزگاری جیسی لعنتوں کا معاشرے سے خاتمہ ہو جاتا ہے۔

4۔ باہمی اخوت اور بھائی چارا (Brotherhood and Cooperation)

زکوٰۃ، عشر اور انفاق فی سبیل اللہ کی بدولت معاشرے میں باہمی اتحاد اور بھائی چارہ کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔ جب امیر طبقہ اپنی آمدنیوں سے غریب لوگوں کو زکوٰۃ، عشر یا انفاق فی سبیل اللہ کی مدات میں سے مالی مدد کرتا ہے تو غریب لوگ دولت مندوں کو محبت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان میں شکر گزاری کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور یوں پورے معاشرہ میں اخوت اور بھائی چارے کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ بے روزگار لوگوں کو روزگار کے مواقع فراہم ہوتے ہیں اور جب انہیں پیٹ بھر کر کھانے کو ملتا ہے تو وہ جرائم سے اجتناب کرتے ہیں۔ اس طرح غربت کے خاتمے سے روزگار کے مواقع بڑھتے ہیں اور معیشت ترقی کی طرف گامزن ہوتی ہے۔

5- دفینوں کا علاج (Solution of Hoardings)

زکوٰۃ، عشر اور انفاق فی سبیل اللہ سے لوگوں میں دولت کو دفینوں کی صورت میں رکھنے کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے کیونکہ اسلامی احکامات کی رو سے دفینوں کی صورت میں رکھی جانے والی دولت یا اشیا پر زکوٰۃ نافذ العمل ہوتی ہے۔ اس لیے لوگ دولت کی اشکال کو دفینوں کی صورت میں رکھنے کی بجائے کاروبار میں لگا لیتے ہیں۔ اس طرح نہ صرف لوگوں کی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ ملک میں پیداواری مواقع بڑھ جاتے ہیں۔ بے روزگاروں کو روزگار ملتا ہے اور غریب لوگوں کو بھی زندگی کی خوشیاں نصیب ہوتی ہیں۔

6- فضول خرچی کی حوصلہ شکنی (Discouragement of Extravagence)

اسلامی معاشرے میں زکوٰۃ، عشر اور انفاق فی سبیل اللہ کی بدولت لوگوں میں فضول خرچی اور اسراف جیسی برائیاں جنم نہیں لیتیں۔ کیونکہ زکوٰۃ، عشر اور انفاق فی سبیل اللہ کی مد میں ادائیگی کرنے کے بعد لوگوں کے پاس اس قدر بے تحاشا دولت باقی نہیں رہتی کہ وہ اسے بغیر سوچے سمجھے پُرتکلف دعوتوں اور اشیائے تعیشات کی خریداری پر خرچ کر سکیں۔ اس طرح معاشرے میں کفایت، میانہ روی اور اعتدال کی خوبیاں پروان چڑھتی ہیں اور معاشرہ مجموعی طور پر ترقی کرتا ہے۔

7- سرمائے کی گردش میں اضافہ (Increase in Circulation of Capital)

زکوٰۃ، عشر اور انفاق فی سبیل اللہ کی بدولت ملکی دولت سرمایہ کاری مقاصد میں تیزی سے گردش کرتی ہے۔ جس سے ہر شخص کو اس کی ضرورت کی رقم مل جاتی ہے جس کے ساتھ وہ کاروبار کر کے عزت کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ چونکہ اسلامی معاشرہ میں دولت کا ذخیرہ کرنا منع ہے اس لیے جب لوگ متذکرہ مدات میں رقم مستحقین میں بانٹتے ہیں تو دولت اشیائے پیداواری کے مقاصد میں استعمال ہوتی ہے اور سرمایہ پوری معیشت میں تیزی سے حرکت کرتا ہے۔ ملکی پیداوار بڑھ جاتی ہے اور لوگوں کو معقول روزگار اور اچھی زندگی گزارنے کا موقع ملتا ہے۔

8- معیشت کا پھیلاؤ (Expansion of Economy)

زکوٰۃ، عشر اور انفاق فی سبیل اللہ کی بدولت معاشرے کو ایک معتدل معاشی نظام نصیب ہوتا ہے جس کے ذریعے غربت و افلاس کا

خاتمہ، ارتکاز دولت کا موثر علاج، غریب کی عزت نفس کا تحفظ، معاشرتی برائیوں کا خاتمہ اور باہمی اخوت و بھائی چارے کی فضا پروان چڑھتی ہے۔ بے روزگار لوگوں کو روزگار کے مواقع ملتے ہیں۔ دولت سے محروم لوگ لوٹ مار کی زندگی کی بجائے محنت اور عزت کی زندگی گزارنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ با کفایت صرف اور سرمایہ کاری کی بدولت ملکی پیداواری یونٹوں کی صلاحیت بڑھتی ہے اور معاشی ترقی کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔

مشقی سوالات

سوال 1: نیچے دیے گئے ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات میں سے دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

-1 درج ذیل میں سے ایک صوبائی حکومت کی آمدنی کا حصہ نہیں ہے۔

الف۔ موٹر گاڑیوں پر ٹیکس ب۔ آبیانہ

ج۔ تفریحی ٹیکس د۔ انکم ٹیکس

-2 مرکزی حکومت کے اخراجات کی مد میں کس کا حصہ زیادہ ہے؟

الف۔ سود کی ادائیگی ب۔ نظم و نسق

ج۔ معاشی خدمات د۔ دفاع

-3 درج ذیل میں سے کس صورت میں ٹیکس کا بوجھ دوسروں پر منتقل کیا جا سکتا ہے؟

الف۔ براہ راست ٹیکس ب۔ پراپرٹی ٹیکس

ج۔ انکم ٹیکس د۔ بالواسطہ ٹیکس

-4 اسٹیٹ ڈیوٹی ایکٹ کب نافذ ہوا؟

الف۔ 1947 ب۔ 1955

ج۔ 1950 د۔ 1952

-5 مصنوعی ذرائع سے آبپاشی کی جانے والی زمین پر کتنا عشر وصول کیا جاتا ہے؟

الف۔ 2.5% ب۔ 5%

ج۔ 7.5% د۔ 10%

سوال 2: درج ذیل جملوں میں دی گئی خالی جگہیں پُر کریں۔

-1 پاکستان میں ٹیکس نافذ کرنے والے سب سے بڑے ادارے کا نام .... ہے۔

-2 تحفہ ٹیکس کا نفاذ پاکستان میں .... میں ہوا۔

-3 پاکستان کا کل بیرونی قرضہ .... بلین ڈالر ہے۔

-4 زکوٰۃ کے لفظی معنی .... کے ہیں۔

-5 .... مرکزی حکومت کے وصول کردہ ٹیکسوں میں سے اپنا حصہ لیتی ہیں۔

سوال 3: کالم (الف) اور کالم (ب) میں دیئے گئے جملوں میں مطابقت پیدا کر کے دُرست جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
تحفہ ٹیکس	حکومتی رعایات	
ملکی اشیا پر ٹیکس	واجب الادا ادائیگی	
اعانے	براہ راست ٹیکس	
ہوٹلوں کے کھانے پر ٹیکس	بکری ٹیکس	
انفاق فی سبیل اللہ	صوبائی حکومت کی وصولی	
	رضا کارانہ قربانی	
	مرکزی حکومت کی وصولی	

سوال 4: درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے۔

1- صوبائی حکومت کی ایکسائز ڈیوٹی کیا ہے؟
2- مرکزی حکومت کے اخراجات کی مدات کے نام لکھیں۔
3- صوبائی حکومت کی آمدن کے ذرائع کے نام لکھیں۔
4- صوبائی حکومتوں کی معاشرتی خدمات کے محکموں کے نام لکھیں۔
5- عشر سے کیا مراد ہے؟

سوال 5: درج ذیل سوالات کے جوابات تفصیل سے تحریر کریں۔

1۔ براہ راست اور بالواسطہ ٹیکس میں فرق واضح کریں۔ نیز شرح ٹیکس کے حوالے سے ٹیکسوں کی اقسام لکھیں۔
2۔ وفاقی حکومت کے اہم اخراجات کی تفصیل بیان کریں۔
3۔ صوبائی حکومتوں کے آمدنی کے ذرائع پر نوٹ لکھیں۔
4۔ صوبائی حکومتیں اپنے اخراجات کن کن مدات پر کرتی ہیں؟
5۔ پاکستان میں زکوۃ، عشر اور انفاق فی سبیل اللہ کس طرح معاشرتی انصاف قائم کرنے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں؟
6۔ این۔ایف۔سی ایوارڈ 2010 کے تحت مالیات کی تقسیم کیسے ہوتی ہے؟

باب 12

پاکستان کی تجارتِ خارجہ
(FOREIGN TRADE OF PAKISTAN)

آج دُنیا ایک ''گلوبل ویلج'' کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ دنیا کے اکثر ممالک کو اپنی ضرورت کی مختلف اشیا کے لیے دُنیا کے دیگر ممالک پر انحصار کرنا پڑتا ہے کیونکہ ہر ملک کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنی ضرورت کی تمام اشیا اپنے ملک کے اندر تیار کر سکے۔ اسی طرح دوسرے ممالک کو بھی اپنی ضروریات کے لیے اس ملک سے اشیا درآمد کرنا پڑتی ہیں۔ یوں ہر ملک ان اشیا کو پیدا کرنے میں دلچسپی رکھتا ہے جو کہ اس ملک میں سستی پیدا ہوتی ہوں یا اس ملک کو اس شے کے پیدا کرنے میں تقابلی برتری حاصل ہو۔ یوں مختلف ممالک عاملینِ پیدائش کی فراہمی اور ٹیکنالوجی وغیرہ کے اختلاف کی وجہ سے مختلف اشیا پیدا کرتے ہیں اور دوسرے ممالک کو برآمد کرتے ہیں۔ اس طرح مختلف ممالک کے درمیان بین الاقوامی تجارت فروغ پاتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک خام مال اور نیم تیار شدہ اشیا پسماندہ ممالک سے درآمد کر کے ان ممالک کو اشیائے صارفین اور دیگر مصنوعات برآمد کرتے ہیں۔ اسی لیے پسماندہ ممالک بین الاقوامی تجارت میں خسارہ کا سامنا کرتے ہیں۔

پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک کے لیے تجارتِ خارجہ نہایت اہمیت کی حامل ہے کیونکہ:

(i) تجارت خارجہ سے بہت سی ایسی اشیا کا حصول ممکن ہو جاتا ہے جو کہ اندرونِ ملک تیار کرنا مشکل ہوتی ہیں یا مہنگی تیار ہوتی ہیں۔

(ii) بڑے پیمانے پر اشیا کی پیدائش سے مصارفِ پیدائش کم ہو جاتے ہیں اور بڑے پیمانے کی کفایات حاصل ہوتی ہے۔

(iii) ترقی پذیر ممالک کو مشینری اور ٹیکنالوجی کی درآمد سے معاشی ترقی کی رفتار تیز کرنے میں مدد ملتی ہے۔

(iv) پیداوار میں اضافہ کے نتیجے میں قومی آمدنی اور معیارِ زندگی میں اضافہ ممکن ہو جاتا ہے۔

12.1 پاکستان کی اہم برآمدات (Major Exports of Pakistan)

پاکستان بہت سی اشیا دوسرے ممالک کو برآمد کرتا ہے۔ ان اشیا میں خام مال، نیم تیار شدہ اشیا اور تیار شدہ اشیا شامل ہیں۔ پاکستان کی زیادہ تر برآمدات امریکہ، جرمنی، جاپان، برطانیہ، متحدہ عرب امارات، فرانس، بنگلہ دیش اور افغانستان کو کی جاتی ہے۔ ان ممالک کو تقریباً 60 فی صد بنتا ہے جبکہ امریکہ کو 15 فیصد، چین کو 9 فیصد، اور یورپی یونین کو 20 فیصد۔

(1) کپاس (Cotton)

کپاس پاکستان کی سب سے اہم نقد آور فصل ہے۔ اس سے پہلے پاکستان کی برآمدات زیادہ تر خام کپاس کی صورت میں تھیں لیکن وقت گذرنے کے ساتھ کپاس کے زیر کاشت رقبہ میں اضافہ سے کپاس کی پیداوار بڑھتی رہی ہے تاہم خام کپاس کی اندرون ملک بڑھتی ہوئی ضروریات کی وجہ سے کپاس کی برآمد میں کمی ہو رہی ہے۔ 92-1991 میں پاکستان نے 12944 ملین ڈالر کی خام کپاس برآمد کی اور 04-2003 میں کپاس کی برآمد سے 2.3 بلین ڈالر کا زرمبادلہ حاصل ہوا جبکہ مارچ 2015 تک یہ مالیت 144.7 ملین ڈالر تھی۔

(2) سوتی دھاگہ (Cotton Yarn)

پاکستان کی برآمدات چند اشیا پر مشتمل ہیں جن میں زیادہ حصہ کپاس اور کپاس کی مصنوعات، چمڑا اور چاول پر مشتمل ہے۔ کل برآمدات کا 61 فیصد ان اشیا پر مشتمل ہے۔ پاکستان کی برآمدات میں سب سے زیادہ حصہ ٹیکسٹائل انڈسٹری کا ہے جو کہ کل برآمدات کا تقریباً 55 فی صد بنتا ہے۔

پاکستان کی کل برآمدات میں ان کا فی صد حصہ (Percentage Share) ذیل کے گوشوارہ میں دکھایا ہے۔

پاکستان کی اہم برآمدات (فی صد حصہ)

برآمدی اشیا	2009-10	2010-11	2011-12	2012-13	2014-15
کپاس (Cotton) وسوتی مصنوعات	50.6	52.9	50.1	51.4	54.0
چمڑا (Leather) اور چمڑے کی مصنوعات	4.5	4.4	2.2	4.5	4.40
چاول (Rice)	11.3	8.7	9.0	7.8	8.78
میزان	**66.4**	**66.0**	**61.0**	**63.7**	**67.18**
دیگر اشیا	33.6	34.0	39.0	36.3	22.82
کل میزان	**100**	**100**	**100**	**100**	**100**

Source: Pakistan Bureau of Statistics

پاکستان کی زیادہ تر برآمدات تین اشیا پر مشتمل ہیں۔ جن میں کپاس (Cotton) اور سوتی مصنوعات، چمڑا (Leather)، چاول (Rice) شامل ہیں جو کہ کل برآمدات کا 62.1 فی صد ہیں اور ان میں سے صرف ٹیکسٹائل سیکٹر کا حصہ 49.8 فی صد ہے جبکہ چمڑے کا حصہ 4.5 فی صد اور چاول کا حصہ 8.78 فی صد ہے۔

اس میں سب سے بڑا حصہ سوتی دھاگے کا ہے۔ پاکستان جرمنی جاپان بلجیم ہانگ کانگ اور چین کو سوتی دھاگہ برآمد کرتا ہے۔ خام کپاس کی برآمدات کم ہونے سے تیار شدہ سوتی دھاگہ کی برآمد میں اضافہ ہوا ہے۔ سال 2014-15 میں کل برآمدات میں سوتی دھاگہ کا حصہ 7.97 فی صد تھا۔

(3) سوتی کپڑا (Cotton Cloth)

پاکستان کی کل برآمدات میں سے 10.48 فیصد سوتی کپڑا پر مشتمل ہوتی ہیں جو کہ جرمنی جاپان ہانگ کانگ روس سوڈان امریکہ اور برطانیہ کو کی جاتی ہیں۔

(4) چاول (Rice)

باسمتی چاول پاکستان کی اہم برآمدات میں سے ایک ہے، تاہم ہندوستان اور کچھ دیگر ممالک بھی اسی میدان میں آگے آ رہے

ہیں۔ پاکستان کا یہ خوشبودار چاول مشرق وسطیٰ کے ممالک سعودی عرب' عراق' کویت کے علاوہ برازیل اور ایران کو برآمد کیا جاتا ہے جبکہ اری (Irri) چاول کی بڑی مقدار پہلے بنگلہ دیش اور سری لنکا کو برآمد کی جاتی تھی جس میں اب کمی آ چکی ہے۔ پاکستان کی برآمدات میں چاول کا حصہ 06-2005 میں 5.6 فی صد تھا' جو کہ 10-2009 میں بڑھ کر 11.5 فی صد ہو گیا لیکن 11-2010 میں کم ہو کر 8.2 رہ گیا ہے۔ 13-2012 میں چاول کی برآمدات کم ہو کر 7.8 فیصد ہو گئیں۔ سال 15-2014 میں چاول کی برآمدات 1.53 ارب ڈالر ہیں۔

(5) چمڑا اور چمڑے کی مصنوعات (Leather and Leather Products)

پاکستان چمڑے اور چمڑے کی مصنوعات پیدا کرنے والا سب سے بڑا ملک ہے۔ گذشتہ تیس پینتیس سالوں میں پاکستان نے اس میدان میں بہت زیادہ ترقی کی ہے۔ اشیا کی کوالٹی اور پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ پاکستان' روس' فرانس' جاپان' سپین اور اٹلی کو چمڑا اور اس کی مصنوعات برآمد کرتا ہے۔ پاکستان کی برآمدات میں اس شعبہ کا حصہ 14-2013 میں 2.2 فیصد تھا جبکہ 15-2014 میں 4.4 فیصد ہو گیا۔

(6) قالین (Carpets)

پاکستان میں ہاتھوں کے بُنے ہوئے اور مشینوں سے تیار کردہ قالین امریکہ' برطانیہ' بیلجیم' جرمنی' اٹلی' فرانس اور سوئٹزرلینڈ وغیرہ کو برآمد کئے جاتے ہیں۔ گذشتہ سالوں میں پاکستان کو بھارت' چین اور ایران کے ساتھ اس میدان میں مقابلہ کا سامنا رہا۔ اس کے باوجود پاکستان کی برآمدات جاری رہیں۔

(7) مچھلی اور مچھلی کی مصنوعات (Fish and Fish Products)

پاکستان مختلف ممالک کو مچھلی اور مچھلی کی مصنوعات برآمد کرتا ہے۔ اس برآمد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور کثیر مقدار میں زرمبادلہ حاصل ہو رہا ہے۔

(8) سبزیاں اور پھل (Vegetables and Fruits)

پاکستان مشرق وسطیٰ کے ممالک کو سبزیاں اور پھل برآمد کرتا ہے۔ لیکن ذخیرہ کرنے' سبزیوں اور پھلوں کی درجہ بندی اور منڈی کی جدید سہولتوں کے فقدان کی وجہ سے سبزیوں اور پھلوں کی برآمد میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہو سکا۔

(9) آلات جراحی (Surgical Instruments)

پاکستان کے بنے ہوئے سرجیکل آلات دنیا میں پسند کئے جاتے ہیں اور یہ بھی پاکستان کی اہم برآمدات میں شامل ہیں۔ 02-2001 میں اُنکی برآمد سے 9 ارب روپے کمائے۔

(10) کھیلوں کا سامان (Sports Goods)

کھیلوں کا سامان 91-1990 میں کل برآمدات کا 2.2 فی صد تھا۔ 05-2004 میں 2.1 فیصد ہو گیا جبکہ 15-2014 میں اس کا حصہ 1.3 فیصد رہ گیا۔

(11) ہوزری اور تیار شدہ کپڑے (Hoisery and Ready Made Garments)

اس میں پاکستان کی برآمدات کل برآمدات کا 28.5 فی صد ہیں ان میں نٹ ویئر (Knitwear) 9.6 فی صد، بستر کی چادریں (Bedwear) 8.6 فی صد، تولیہ (Towel) 3.2 فی صد اور ریڈی میڈ گارمنٹس 7.1 فی صد شامل ہیں۔

12.2 پاکستان کی اہم درآمدات (Major Imports of Pakistan)

پاکستان بیرون ملک سے بہت سی اشیا درآمد کرتا ہے۔ان درآمدی اشیا کو ہم تین بڑی اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

1۔ بنیادی اشیا (Primary Goods)

2۔ نیم تیار شدہ اشیا (Semi - Manufactured Goods)

3۔ مصنوعات (Manufactured Goods)

پاکستان کی اہم درآمدات میں تیل، کھانے کا تیل، ایلومینیم، سٹیل، ادویات، پلاسٹک، کیڑے مار ادویات، ریشمی دھاگہ، ٹیکسٹائل مشینری، زرعی مشینری اور بجلی کی مشینری وغیرہ شامل ہیں

وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ جہاں ہماری برآمدات بڑھ رہی ہیں وہاں درآمدات میں بھی اضافہ ہو رہا ہے اور برآمدات کے بالمقابل درآمدات بہت تیزی سے بڑھ رہی ہیں۔ 15-2014 کے پہلے دس ماہ میں برآمدات میں اضافہ 1.0 فیصد ہوا جبکہ درآمدات میں اضافہ 1.8 فی صد ہوا۔

15-2014 کے پہلے 10 ماہ میں پٹرولیم مصنوعات کی درآمدات میں 19.4 فیصد کمی ہوئی۔

پاکستان کی اہم درآمدات درج ذیل ہیں۔

(1) اشیائے خوراک (Eatable Goods)

پاکستان کی اشیائے خوراک کی درآمدات میں خشک دودھ، خشک میوہ جات، چائے، مصالحہ جات، خوردنی تیل اور دالیں شامل ہیں۔ یہ کل درآمدات کا 11.4 فیصد بنتی ہیں۔ 15-2014 کے دوران ان اشیا کی درآمد پر 3454 ملین ڈالر خرچ کئے گئے، جبکہ 15-2014 میں بڑھ کر 4205.40 ملین ڈالر خرچ ہوئے۔ خوراک کی اشیاء کی درآمد میں 15-2014 میں 21.8 فیصد اضافہ ہوا۔

(2) مشینری (Machinery)

پاکستان میں درآمد کی جانے والی مشینری میں بجلی پیدا کرنے والی، سوتی دھاگہ تیار کرنے والی مشینری، تعمیراتی مشینری، کان کنی میں استعمال ہونے والی مشینری، بجلی سے چلنے والی اشیا اور بجلی کی مشینری اور زرعی مقاصد کے لیے استعمال ہونے والی مشینری شامل ہے۔ 15-2014 کے پہلے دس ماہ کے دوران ان اشیا کی درآمد پر 4626.5 ملین ڈالر خرچ کئے گئے اور 14-2013 میں اسی دوران یہ رقم 4035.1 ملین ڈالر تھی۔

(3) پٹرولیم مصنوعات (Petroleum Products)

پاکستان کی درآمدات میں پٹرول اور پٹرولیم مصنوعات کی درآمدات میں 15-2014 کے پہلے دس ماہ میں 19.4 فیصد کی ہوئی اور یہ کمی بین الاقوامی سطح پر تیل کی قیمتوں میں کمی کی وجہ سے ہوئی۔

(4) کیمیکلز اور ادویات (Chemicals and Medicines)

اس گروپ میں مختلف کیمیکل ادویات اور کیڑے مار ادویات شامل ہیں۔ ان کی درآمدات پر 15-2014 میں 455.604 ملین ڈالر خرچ کئے گئے جبکہ 14-2013 میں یہ رقم 430.088 ملین ڈالر تھی۔

(5) دیگر اشیا (Other Goods)

اس میں چائے کے علاوہ رنگ، گاڑیاں، کاغذ، بورڈ، سٹیشنری کی اشیا، چینی، ریشمی دھاگہ اور دالیں وغیرہ شامل ہیں جو کہ درآمدات کا تقریباً 5.2 فیصد ہے۔

درآمدات کا رُخ (Direction of Imports)

پاکستان کی زیادہ تر درآمدات ان سات ممالک میں سے ہوتی ہیں۔ ان ممالک میں امریکہ، بھارت، انڈونیشیا، چین، کویت، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات شامل ہیں۔ پاکستان کی درآمدات میں جاپان کا حصہ کم ہو رہا ہے۔ اسکی وجہ سے مشینری اور سرمایاتی اشیا کا دیگر ذرائع سے حصول ہے۔ تیل کی درآمدات میں اضافہ کی وجہ سے سعودی عرب اور کویت کا حصہ بڑھ رہا ہے۔ 08-2007 میں ان ممالک سے درآمدات 36.7 فیصد تھیں جبکہ 15-2014 کے پہلے 10 ماہ میں یہ حصہ تقریباً 50 فیصد تھا۔

12.3 پاکستان کا توازن ادائیگیاں (Balance of Payments of Pakistan)

کسی ملک کے باشندوں اور دنیا کے دیگر ممالک کے باشندوں کے درمیان معاشی لین دین کی ادائیگیوں کو توازنِ ادائیگی یا ادائیگیوں کا توازن (Balance of Payments) کہا جاتا ہے۔

> The Balance of Payment is a comprehensive record of all economic transactions of the residents of a country with the rest of the world during a particular year.

جب کسی ملک کی مجموعی وصولی ادائیگیوں کی نسبت زیادہ ہو تو ادائیگیوں کا توازن اس ملک کے حق میں (Favourable) کہلاتا ہے اور جب وصولیوں کی نسبت ادائیگیاں زیادہ ہوں تو ادائیگیوں کا توازن مخالف (Unfavourable) کہلاتا ہے۔

توازنِ ادائیگی میں مرئی اشیا (Visible Items) اور غیر مرئی (Invisible Items) مدات شامل ہوتی ہیں۔ مرئی اشیا (Visible Items) میں سرکاری اور نجی سطح پر درآمد اور برآمد کی جانے والی اشیا شامل ہوتی ہیں مثلاً پاکستان سے برآمد کی جانے والی اشیا کپاس، چاول، کپڑا، جراحی آلات، قالین وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح درآمدی اشیا میں پٹرول اور پٹرولیم کی مصنوعات، مشینری، کھادیں وغیرہ شامل ہیں جبکہ غیر مرئی مدات میں بیرون ملک پاکستانیوں کی طرف سے بھیجی جانے والی رقوم، سفارتی وفود اور عملہ کے اخراجات، بیرونی امداد، سود اور سرمایہ کاری میں منافع، انشورنس، تعلیم اور سیر و تفریح پر اخراجات اور سفری اخراجات وغیرہ شامل ہیں۔

سال 51-1950 اور 73-1972 کے دو سالوں کے علاوہ پاکستان کا توازن ادائیگی ہمیشہ ناموافق (Unfavourable) رہا ہے۔ 51-1950 میں کوریا کی جنگ کی وجہ سے پاکستان کا توازن ادائیگی بہتر ہو گیا۔ اسی طرح 1972 میں روپے کی قدر میں 154.3 فیصد کمی کی وجہ سے 73-1972 میں پاکستان کا توازن ادائیگی موافق ہو گیا جبکہ بقیہ سالوں میں پاکستانی برآمدات کی نسبت درآمدات زیادہ ہی رہیں جن کی وجہ سے توازن ادائیگی پاکستان کے لیے موافق نہ رہا۔

پاکستان کی ادائیگیوں کے توازن میں خرابی کے اسباب

(1) برآمدات کی نوعیت (Nature of Exports)

پاکستان کی برآمدات میں چند اشیا ہی شامل ہیں۔ جن میں کپاس، چمڑا، چاول، سوتی دھاگہ اور کپڑا، کھیلوں کا سامان اور چند دیگر اشیا شامل ہیں۔ کل برآمدات میں سے کپاس اور اس کی مصنوعات کا حصہ 50.1 فی صد بنتا ہے۔ مزید برآں پاکستان چند ممالک کو ہی یہ اشیا برآمد کرتا ہے۔ مزید منڈیوں تک رسائی نہ ہونے اور جدید مصنوعات کی طرف توجہ نہ کرنے کی وجہ سے پاکستان کا توازن ادائیگی خرابی کا شکار رہتا ہے۔

(2) مصنوعات کی کم قیمت (Low Price of the Products)

پاکستانی مصنوعات کی کوالٹی اچھی نہ ہونے، بین الاقوامی مارکیٹ میں پاکستان کے خلاف "چائلڈ لیبر" اور دیگر قسم کے پراپیگنڈہ کی وجہ سے ہم اپنی مصنوعات کی صحیح قیمت وصول نہیں کر پاتے اور کم قیمت پر اشیا کو فروخت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

(3) کوٹہ کی پابندیاں (Quota Restrictions)

پاکستان کو کئی ایسے ممالک کی طرف سے کوٹہ وغیرہ کی پابندیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو کہ پاکستانی مصنوعات کے خریدار ہیں۔ یوں پاکستان اپنی مصنوعات کی ایک خاص مقدار ہی برآمد کر پاتا ہے۔

(4) نسبت درآمد و برآمد کا ناموافق ہونا (Un-Favourable Terms of Trade)

بیرون ملک بیچی جانے والی اشیا کی شرح تبادلہ یا نسبت درآمد و برآمد (TOT) پاکستان کے حق میں نہیں ہوتی۔ کیونکہ پاکستانی مصنوعات کو بین الاقوامی منڈی میں سخت مقابلہ درپیش ہوتا ہے اور مصنوعات کے معیار کی وجہ سے صحیح قیمت نہیں مل پاتی۔ اس لیے توازن ادائیگی خراب رہتا ہے۔

(5) درآمدات میں اضافہ (Increase in Imports)

پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے۔ اس لیے پاکستان کو اپنی ضرورت کی بہت سی مصنوعات بیرون ملک سے درآمد کرنا پڑتی ہیں۔ اس کے علاوہ پٹرول اور پٹرولیم مصنوعات کی بڑھتی ہوئی ضرورت اور قیمتیں بھی ہمارے توازن ادائیگی پر منفی اثرات مرتب کرتی ہیں۔ زراعت کو ترقی دینے کے لیے پاکستان ہر سال کیمیاوی کھادیں، زرعی مداخل اور مشینری درآمد کرتا ہے۔ صنعتی مال کی تیاری کے لیے بھی خام مال اور مشینری درآمد کرنا پڑتی ہے۔ جس پر بہت زیادہ اخراجات آتے ہیں۔ یوں درآمدات پر پاکستان کو بہت بھاری مقدار میں

زرِمبادلہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔

(6) مصارفِ پیدائش میں اضافہ (Increase in Cost of Production)

تیل کی مسلسل بڑھتی ہوئی قیمتیں' مہنگی مشینری' اُجرتوں میں اضافہ' خام مال کی خرید پر بڑھتے ہوئے اخراجات' نئی ٹیکنالوجی کے بجائے پُرانی اور فرسودہ مشینری کا استعمال' بجلی کی مسلسل بڑھتی ہوئی قیمتیں' ٹیکسوں کا بڑھتا ہوا بوجھ اور ٹیکس کے نظام میں کرپشن اور دیگر وجوہات کی بنا پر مصنوعات کے مصارف بڑھتے جاتے ہیں۔ اس لیے پاکستانی مصنوعات چین اور دیگر ممالک کی سستی اشیا کا مقابلہ نہیں کر پاتیں۔ نتیجتاً پاکستان کی برآمدات پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اسی طرح چائنا وغیرہ کی سستی اشیا کی درآمد میں مسلسل اضافہ توازنِ ادائیگی پر منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔

(7) غیر مرئی درآمدات میں اضافہ (Increase in Invisible Imports)

ہماری غیر مرئی درآمدات مسلسل بڑھ رہی ہیں۔ لوگ بیرون ملک کی فرموں اور اداروں پر زیادہ اعتبار کرتے ہیں۔ بیرونی بیمہ کمپنیوں پر لوگوں کا اعتماد زیادہ ہوتا ہے۔ ملکی فضائی اور بحری جہازوں کی کمپنیاں ملکی ضرورت کو پورا نہیں کر پاتیں۔ جس کی وجہ سے بیرونی کمپنیوں کے لیے زرِمبادلہ کمانے کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔ پاکستان میں اولیول (O-Level) اور اے لیول (A-Level) کا بڑھتا ہوا جنون (Craze) بھی کروڑوں پونڈ کی ادائیگی کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ علاج معالجہ' سیر و سیاحت وغیرہ پر بھی بہت زیادہ زرِمبادلہ خرچ ہو جاتا ہے۔ جس کے منفی اثرات توازنِ ادائیگی پر مرتب ہوتے ہیں۔

(8) کرنسی کی بیرونی قدر میں کمی (Devaluation of Currency)

پاکستان نے 1972ء میں اپنی کرنسی کی قدر میں 154.3 فیصد کمی کی۔ اس سے برآمدات میں تو اضافہ ہوا' لیکن اس کے ساتھ درآمدات کی قیمتوں میں بھی اسی قدر اضافہ ہو گیا۔ کرنسی کی بیرونی قدر میں کمی کے عموماً دو مقاصد ہوتے ہیں۔ برآمدات میں اضافہ کرنا اور درآمدات میں کمی کرنا' اس سے پہلا مقصد تو حاصل ہوا لیکن دوسرے مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ اس کے علاوہ ایک بہت بڑا نقصان پاکستان کی معیشت کو یہ ہوا کہ پاکستان کے قرضہ میں راتوں رات کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ جس سے مصارفِ قرضہ بھی بہت زیادہ بڑھ گئے۔ یوں توازنِ ادائیگی میں خرابی بڑھتی گئی۔

(9) اثرِ نمائش (Demonstration Effect)

پاکستان کے عوام دوسرے ملکوں کی مصنوعات استعمال کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔ اس وجہ سے بھی بیرونی ممالک کی ضرورت کی طلب بڑھتی جاتی ہے اور درآمدات کی مقدار اور اخراجات میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور توازنِ ادائیگی خرابی کا شکار ہو جاتا ہے۔

اگر حکومت ان اسباب کا سدِ باب کرے تو ادائیگیوں کا توازن کچھ حد تک بہتر ہو سکتا ہے۔

12.4 علاقائی اور بین الاقوامی اقتصادی تنظیمیں اور پاکستان کے حوالے سے ان کا کردار

اقتصادی تعاون کی تنظیم (ECO)، سارک (SAARC)، ڈبلیو ٹی او (WTO)۔ پاکستان ہمیشہ اپنے ہمسایہ ممالک کے ساتھ

اچھے تعلقات کا خواہاں رہا ہے۔خصوصاً اسلامی ممالک کے ساتھ پاکستان نے ہر دور میں اچھے تعلقات کے فروغ کے لیے کوششیں کی ہیں۔ او آئی سی (OIC) کا قیام ہو یا آر سی ڈی (RCD) یا ای سی او (ECO) یا سارک (SAARC)، پاکستان نے ہمیشہ ان علاقائی تنظیموں کے قیام اور ان کی مضبوطی کے لیے اقدامات کئے ہیں۔اسی طرح ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (WTO) کے قیام کے وقت سے ہی پاکستان اس کا رکن ہے۔ان اداروں کی چند ایک تفصیلات حسبِ ذیل ہیں:

(1) اقتصادی تعاون کی تنظیم (Economic Cooperation Organization)

ایران اور ترکی ہمارے برادر اسلامی ممالک ہیں۔ان ممالک نے ہمیشہ پاکستان کے ساتھ تعاون کو فروغ دیا ہے۔پاکستان بھی ہمیشہ ان کے ساتھ اپنے تعلقات کی مضبوطی کا خواہاں رہا ہے'8 اکتوبر 2005 کے زلزلہ اور اس کے نتیجے میں ہونے والی تباہی میں بھی ترکی اور ایران نے بڑھ چڑھ کر ریلیف اور بحالی کے کام میں تعاون کیا۔

1964 میں صدر پاکستان ایوب خان نے ایران اور ترکی کو تجویز پیش کی کہ تینوں ممالک مل کر ترقی کے لیے پروگرام بنائیں اور اقدامات کریں۔ایران اور ترکی نے اس تجویز کو قبول کیا اور یوں علاقائی تعاون برائے ترقی (Regional Cooperation for Development) یا RCD کی بنیاد رکھی گئی اور تینوں ممالک نے باہم مل کر ترقی کے کئی منصوبوں پر عمل درآمد کا آغاز کیا۔

جنوری 1985 میں RCD کا نام تبدیل کر کے ECO یعنی اقتصادی تعاون کی تنظیم (Economic Cooperation Organization) رکھا گیا۔اس وقت اس کے ارکان میں پاکستان' ایران اور ترکی شامل تھے۔بعد ازاں اس تنظیم میں سنٹرل ایشیا کے چھ ممالک قازقستان' ازبکستان' ترکمانستان' کرغیزستان' تاجکستان اور آذربائیجان کے علاوہ افغانستان کو شامل کر لیا گیا اور یوں اس کے ممبر ممالک کی تعداد بڑھ کر دس ہوگئی۔توقع ہے کہ ان ممالک کی شمولیت کے بعد یہ تنظیم مزید بہتر نتائج کی حامل ثابت ہوگی۔

اس تنظیم کے قیام کے تین بنیادی مقاصد ہیں

1۔ باہمی تجارت کا فروغ۔

2۔ مشترکہ سرمایہ سے نئی صنعتوں کا قیام۔

3۔ ممبر ممالک کے وسائل کو باہمی طور پر استعمال میں لاکر فائدہ اٹھانا۔

ان ممالک کو ایک دوسرے کے ساتھ ایک شاہراہ سے جوڑا گیا ہے جو کہ شاہراہ آر سی ڈی (RCD Highway) کہلاتی ہے۔ اس کے علاوہ تجارتی مقاصد کے لیے مشترکہ ہوائی (Air) اور بحری (Navel) کمپنیوں کے قیام کی تجویز بھی زیرِ غور ہے۔

(2) سارک (South Asian Association for Regional Cooperation)

جنوبی ایشیا کے ممالک کی تنظیم برائے علاقائی تعاون کا قیام 1983 میں عمل میں لایا گیا لیکن 1985 تک یہ تنظیم پورے طور پر روبہ عمل نہ آسکی۔اس تنظیم کا بنیادی مقصد رکن ممالک کے درمیان باہمی تعاون کو فروغ دینا قرار پایا۔اس تنظیم میں درج ذیل ممالک شامل ہیں۔

(1) پاکستان (2) بنگلہ دیش (3) بھوٹان (4) نیپال (5) مالدیپ (6) سری لنکا
(7) بھارت

اس تنظیم کے قیام کا خیال بنگلہ دیش کے سابق وزیر اعظم جناب ضیاء الرحمن نے 1980 میں پیش کیا۔لیکن وہ اپنی زندگی میں سارک ممالک کی کوئی بھی کانفرنس (Summit) منعقد نہ کروا سکے۔تاہم ساتوں ممالک کے خارجہ سیکرٹریوں کو 1981 میں کولمبو میں جمع کیا گیا۔ 1981 تا 1985 کے دوران ان ممالک کے چار اجلاس منعقد ہوئے۔ڈھاکہ میں 8,7 دسمبر 1985 کو سارک ممالک کے سربراہان کا اجلاس منعقد ہوا۔اس اجلاس نے تنظیم کو عمل میں لانے میں اہم کردار ادا کیا۔اس اجلاس میں سارک تنظیم کے درج ذیل مقاصد متعین کئے گئے۔

1۔ جنوبی ایشیا کے ممالک کے درمیان اجتماعی خود انحصاری کو بڑھانا اور مضبوط کرنا۔
2۔ ایک دوسرے کے مسائل کو سمجھنا اور باہمی اعتماد سازی کے لیے اقدامات کرنا۔
3۔ رکن ممالک کے درمیان معاشی' ثقافتی' ٹیکنالوجی اور سائنسی میدانوں میں باہمی تعاون اور مدد کو فروغ دینا۔
4۔ باہمی دلچسپی کے موضوعات پر بین الاقوامی فورمز پر مل جل کر یکساں مقاصد رکھنے والا موقف اختیار کرنا۔
5۔ بین الاقوامی اور علاقائی تعاون کی تنظیموں کے ساتھ تعاون کرنا۔

تنظیم نے باہمی تعاون کے فروغ کے لیے گیارہ شعبوں کا تعین کیا جن میں ٹیلی کمیونیکیشن' میٹرولوجی' ٹرانسپورٹ' جہاز رانی' سیاحت' زرعی تحقیق' مشترکہ باہمی منصوبوں کے فروغ' سائنسی' تکنیکی اور تعلیمی میدان میں تعاون کو فروغ دیا۔

تنظیم کی دوسری سربراہی کانفرنس کا انعقاد 17,16 نومبر 1986 کو بنگلور (بھارت) میں' اور تیسری سربراہ کانفرنس کا انعقاد 2 تا 4 نومبر 1987 کھٹمنڈو (نیپال) میں ہوا۔چوتھی سربراہی کانفرنس 31,30,29 نومبر 1988 کو منعقد ہوئی۔اسی طرح سارک ممالک کے درمیان تعلقات کو فروغ دینے کے لیے مختلف سارک ممالک میں سربراہی کانفرنسوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔2005 کی سارک سربراہ کانفرنس کا اہتمام پاکستان میں کیا گیا۔

سارک (SAARC) ممالک کے درمیان کئی طرح کے سمجھوتے کئے گئے اور علاقائی بنیادوں پر بہت سے فوائد حاصل ہوئے۔ جن میں سے چند ایک کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

1۔ سارک کے قیام سے مختلف ممالک کے درمیان اور خصوصاً پاکستان اور ہندوستان کے درمیان کشیدگی کو کم کرنے اور باہم مل جل کر چلنے کے جذبے کا اظہار ہوا۔اس کے نتیجے میں۔

(الف) نیوکلیائی تنصیبات (Nuclear Instalation) کا معاہدہ ہوا۔جس کے نتیجے میں ہر سال یکم جولائی کو دونوں ممالک اپنی نیوکلیائی تنصیبات کے بارے میں معلومات کا تبادلہ کرتے ہیں۔

(ب) فضائی سروس (Air Service) کا معاہدہ۔

(ج) ثقافتی معاہدہ: اس معاہدہ کے تحت دونوں ممالک ایک دوسرے کے ساتھ فائن آرٹس' ثقافت' آثار قدیمہ' تعلیم اور ماس میڈیا میں تعاون کریں گے۔

2۔ سارک ممالک کے درمیان SAARC Food Security Reserve کا معاہدہ کیا گیا۔

3۔ معلومات کے تبادلہ کے لیے SAVE کے نام سے معاہدہ کیا گیا (SAARC Audio Video Exchange): جس کے تحت سارک ممالک ایک دوسرے کے ساتھ آڈیو، ویڈیو پروگراموں کا تبادلہ کرتے ہیں۔جس سے ایک دوسرے کی ثقافت کو

سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

4۔ سارک ممالک نے باہمی طور پر غربت' دہشت گردی اور منشیات کی سمگلنگ کو روکنے کے لیے اہم اقدامات کیے ہیں۔

5۔ تعمیر و ترقی کے لیے South Asian Development Bank اور South Asian Development Fund (SADF) کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔

ان معاہدوں کے ذریعے بھی ان ممالک کی تعمیر و ترقی اور باہمی تعاون کو فروغ دینے کی کوششیں جاری ہیں۔

6۔ سارک کھیلوں کا انعقاد تو اب ایک مستقل سرگرمی کے طور پر جاری و ساری ہے۔ جس کے نتیجے میں ساتوں ممالک کے کھلاڑی ہر سال ان کھیلوں میں شرکت کر کے باہمی تعاون کو فروغ دے رہے ہیں۔

(3) ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (World Trade Organization)

آٹھ سال تک جاری رہنے والے مذاکرات کے بعد اپریل 1994 کو رباط (مراکش) میں ہونے والی کانفرنس میں ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کے قیام کا فیصلہ ہوا۔ 1944 میں بریٹن وڈ کانفرنس کے نتیجے میں GATT یعنی General Agreement on Tariff and Trade وجود میں آیا۔ جس کا بنیادی مقصد بین الاقوامی تجارت پر عائد محصولات کو کم کرنا تھا۔ پاکستان 1948ء میں GATT کا رکن بنا۔ اس معاہدہ کے پیش نظر بین الاقوامی تجارت کو آزاد بنانا تھا لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اسی لیے 1986 سے لے کر WTO کے قیام کے لیے کوششیں ہوتی رہیں۔ بہت سے اختلافات کی وجہ سے یہ سلسلہ 1994 تک جاری رہا۔ 1994 میں یہ معاہدہ طے پایا۔ اس معاہدہ میں 124 رکن ممالک شامل تھے۔ اس وقت اس کے ارکان کی تعداد 150 ہے۔ تیس دیگر ممالک رکن بننے کے لیے مذاکرات کر رہے ہیں۔ WTO کے 150 ممالک دنیا کی 97 فی صد تجارت پر حاوی ہیں۔

ڈبلیو ٹی او کے قوانین کا اطلاق جنوری 2005 سے ہو چکا ہے۔ WTO کا فیصلہ ساز ادارہ وزارتی کانفرنس ہے۔ جس کا ہر سال کم از کم ایک اجلاس ہوتا ہے۔ اس کے لیے ایک جنرل کونسل ہے۔ جنیوا میں ممبر ممالک کے سفیر اور آئے ہوئے وفود اس کونسل کے اجلاسوں میں شریک ہوتے ہیں۔ اس کے بعد (Goods and Services Council) اور پراپرٹی کونسل ہیں۔ یہ تمام ادارے اپنی رپورٹیں جنرل کونسل کو دیتے ہیں۔ اس کے لیے مختلف حوالوں سے سپیشلائزڈ کمیٹیاں اور ورکنگ گروپ ہیں۔ یہ گروپ مختلف ممالک کے انفرادی معاہدوں اور رکنیت وغیرہ کے معاملات کو دیکھتے ہیں۔

ڈبلیو ٹی او (WTO) کے قیام کے مقاصد (OBJECTIVES OF WTO)

WTO کے درج ذیل مقاصد ہیں۔

1۔ بین الاقوامی تجارت کو آزاد کرنا۔

2۔ کوٹہ ٹیرف اعانتوں (Subsidies) کو ختم کرنا۔

3۔ بین الاقوامی تجارت کو کاروباری چکروں اور اتار چڑھاؤ سے بچانا۔

4۔ صارفین کو بہتر سہولتوں کی فراہمی۔

5۔ آجرین کو بہتر فوائد کی فراہمی۔

6۔ تجارتی رکاوٹوں' سیاسی' سماجی' قانونی' ثقافتی اور دیگر رکاوٹوں کو دُور کرنا۔

7۔ عالمگیریت (Globalization) اور لوگوں کے درمیان ہم آہنگی کو فروغ دینا۔

WTO کے معاہدات

WTO کے تحت تین بڑے معاہدے کیئے گئے ہیں۔ جن کے نتیجے میں رکن ممالک کو بہت سے حقوق حاصل ہو گئے ہیں۔ تمام رکن ممالک کے لیے ان معاہدوں کی پاسداری کرنا لازم ہے۔ معاہدے درج ذیل ہیں۔

(1) معاہدہ برائے زراعت (Agreement on Agriculture)

اس معاہدے کے مطابق رکن ممالک کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ زراعت کے شعبے میں دیئے جانے والے اعانوں (Subsidies) کو کم کر کے 1986 کی سطح پر لے آئیں۔ اس معاہدہ کے مطابق:

(الف) کوئی ملک اپنے کسانوں کو اعانہ (Subsidy) نہیں دے گا۔

(ب) کوئی ملک کسی دوسرے ملک کی پیداوار پر اپنے ملک میں پابندی نہیں لگائے گا۔

(ج) کوئی ملک زرعی برآمدات پر اعانہ (Subsidy) نہیں دے گا۔

لیکن ان شرائط پر ابھی تک اتفاق رائے نہیں ہو سکا۔

امریکہ' یورپی یونین' جاپان اور کوریا وغیرہ اس کی مخالفت کر رہے ہیں جبکہ دیگر ممالک چاہتے ہیں کہ ایسا کیا جائے۔ امریکہ میں دی جانے والی سبسڈی 30 فی صد ہے جبکہ پاکستان کو صرف 10 فی صد کی اجازت دی گئی ہے۔

(2) تجارت سے متعلق انٹیلکچوول پراپرٹی رائٹس (Trade Related Intellectual Property Rights)

ترقی یافتہ ممالک خصوصاً امریکہ جیسے ممالک کا مطالبہ ہے کہ چونکہ زیادہ تحقیق (Research) ان ممالک میں ہو رہی ہے جبکہ اس سے فوائد دوسرے بھی اٹھاتے ہیں۔ اس لیے ان ممالک پر لازم قرار دیا جائے کہ جو ادارہ کوئی سافٹ ویئر ٹیکنالوجی وغیرہ استعمال کرے وہ اس ٹیکنالوجی کو ایجاد کرنے والے فرد یا ادارے کو اس پر رائلٹی ادا کرے اور اس ادارے کو اس کی فروخت کے مکمل اختیارات ہونے چاہئیں۔

(3) تجارت سے متعلق سرمایہ کاری کا معاہدہ (Trade Related Investment Agreement)

اس معاہدہ کے تحت WTO کے ممبر ممالک ایک دوسرے ملک میں سرمایہ کاری کر سکیں گے اور ان پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔

WTO کے پاکستان پر اثرات (Impact of WTO on Pakistan)

(1) زراعت پر اثرات (Impact on Agriculture)

معاہدہ برائے زراعت کی رو سے پاکستان کے لیے لازم ہوگا کہ زرعی مداخل یعنی بیج' کھاد اور زرعی ادویات پر سے اعانے (Subsidies) کو کم کیا جائے۔ اس کا اثر پاکستان کے زرعی شعبہ میں زرعی پیداوار کے مصارف میں اضافہ کی صورت میں نکلے گا۔ جس کے نتیجے میں پاکستان کی زرعی پیداوار کی قیمت میں اضافہ ہو جائے گا۔ آزادانہ تجارت کی وجہ سے بیرونی زرعی اشیا کی کم قیمت پر فراہمی پاکستان پر

بُرے اثرات مرتب کرے گی اور زرعی درآمدات میں اضافہ ہوگا، کپاس اور کپاس سے تیار کردہ اشیا کی برآمد میں کمی ہوسکتی ہے لیکن اگر ہم اچھی منصوبہ بندی کے ذریعے اپنے مصارف پیداوار میں کمی کرنے میں کامیاب ہوجائیں۔ نئی منڈیاں تلاش کریں۔ اچھے بیج اور کھادوں کے استعمال اور زرعی مشینری کے استعمال سے پیداوار میں اضافہ کیا جاسکتا ہے اور پاکستان اس معاہدے کے بُرے اثرات سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

(2) صنعتوں پر اثرات (Impact on Industries)

صنعتی شعبہ میں پاکستان کو بہت زیادہ دباؤ کا سامنا ہے۔ پاکستان کا صنعتی شعبہ پہلے بھی بہت زیادہ تسلی بخش انداز میں ترقی کی منازل طے نہیں کررہا تھا اور اب چین، بھارت، فلپائن اور تھائی لینڈ وغیرہ کی سستی اشیا کے ساتھ سخت مقابلہ درپیش ہے۔ درآمدی اشیا کا ایک سیلاب ہے جو چلا آرہا ہے۔ اس وجہ سے آجر اور تاجر اندرون ملک اشیا پیدا کرنے کے بجائے چائنا وغیرہ سے مال تیار کروانے کو ترجیح دے رہے ہیں۔ اس سے ملکی صنعت پر بُرے اثرات مرتب ہورہے ہیں۔ ٹیکسٹائل کی صنعت اس وقت بہت زیادہ دباؤ کا شکار ہے۔ کوٹہ کی پابندیوں کے خاتمہ کے بعد ہمیں کئی ملکوں کے ساتھ مقابلہ درپیش ہوگا۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں مزید محنت کرنی ہوگی۔ صنعتی شعبہ میں کام کرنے والے مزدوروں اور دیگر افراد کی بہتر ٹریننگ پر توجہ دینا ہوگی۔ ٹیکسٹائل مشینری کو جدید بنانا ہوگا۔ خام اشیا کی برآمد کی بجائے تیار شدہ اشیا کی پیداوار پر توجہ دینا ہوگی۔ اسی طرح دیگر صنعتوں کی بہتری پر توجہ دے کر ہم ان حالات کا مقابلہ کرسکیں گے۔

توازنِ ادائیگیوں پر اثرات (Impact on Balance of Payments)

اعانوں (Subsidies) میں کمی کرنے سے ہماری صنعتی اشیا کی پیداواری لاگت بڑھے گی۔ بین الاقوامی مارکیٹ میں سخت مقابلہ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہماری صنعتی اشیا کا معیار بھی کم درجہ کا ہے۔ پاکستان جو اشیا دیگر ممالک کو برآمد کرتا ہے ان کی تعداد بھی کم ہے۔ ان تمام وجوہات کی بنا پر ہماری برآمدات پر بُرے اثرات مرتب ہوسکتے ہیں اور ہمیں مشکل صورت حال کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

پاکستان دوسرے ممالک سے بہت سی اشیا درآمد کرتا ہے۔ WTO کے نتیجے میں پاکستان کی درآمدات کی قیمت کم ہونے کی توقع ہے لیکن دوسری طرف درآمدات کی بڑھتی ہوئی مقدار کی وجہ سے ہمارا درآمدی بل مسلسل بڑھ رہا ہے۔

درج بالا وجوہ کی بنا پر پاکستان کے توازنِ ادائیگی کے مزید خراب ہونے کا خدشہ ہے۔ البتہ توازنِ تجارت کو بہتر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان بھی برآمدات کو بڑھانے اور برآمدات کا معیار بہتر بنا کر بین الاقوامی منڈی میں مقابلہ کرنے کی صورت میں WTO کے قوانین سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

WTO کے سماجی وثقافتی اثرات (Cultural and Social Impacts of WTO)

بین الاقوامی منڈی میں آزادانہ تجارت کے بڑھنے سے ہر طرح کی اشیا کی درآمد بڑھنے سے بہت سی سماجی ثقافتی تبدیلیاں آنے کے امکانات ہیں۔ معاشرتی تبدیلیاں مذہبی روایات کے کمزور ہونے کی صورت اختیار کریں گی۔ مادیت بڑھے گی۔ معاشرتی روایات اور باہمی رشتے کمزور ہوں گے۔

ان قوانین کے اطلاق کی صورت میں امیر ممالک زیادہ فائدہ اٹھائیں گے۔ بڑے ادارے کی اجارہ داریاں قائم ہونے کے امکانات ہیں۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی قوت میں اضافہ ہوگا۔ اس کے نتیجے میں ایک طرف تو غریب ممالک میں ان ملٹی نیشنل کمپنیوں کی طرف سے

سرمایہ کاری بڑھے گی۔ روزگار کے مواقع پیدا ہونگے۔ درآمدی اشیا کے متبادل اندرون ملک پیدا ہونگے۔ دوسری طرف یہ کمپنیاں اپنا منافع اپنے ہیڈ کوارٹرز اور متعلقہ ممالک کو بھیجیں گی جس سے ان کی قوت میں مزید اضافہ ہوگا۔ اس صورت حال کے پیش نظر پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک کو بہت سوچ سمجھ کر اپنی پالیسیاں مرتب کرنا ہوں گی۔

12.5 بیرونی شرح مبادلہ (Foreign Exchange Rate)

شرح مبادلہ سے مراد وہ شرح ہے جس پر کسی ایک ملک کے زر (Currency) کا تبادلہ دوسرے ملک کے زر سے کیا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر شرح مبادلہ (Exchange Rate) کسی ایک ملک کی کرنسی کی دوسرے ملک کی کرنسی میں قیمت ہوتی ہے۔
(It is the price of currency in terms of other currencies)

کرنسی کی بیرونی شرح مبادلہ کا تعین حکومت یا اس کا مرکزی بنک کرتا ہے یا زر کی منڈی میں زر کی طلب اور زر کی رسد کی قوتوں سے ہوتا ہے۔

وہ شرح مبادلہ جس پر زر کی منڈی میں بیرونی کرنسی کی طلب اور رسد باہم مساوی ہوتے ہیں "توازنی شرح مبادلہ" کہلاتی ہے۔

شرح مبادلہ کی اقسام

شرح مبادلہ کی اپنے تعین کے حوالے سے دو اقسام ہیں

1۔ معین شرح مبادلہ (Fixed Exchange Rate)

2۔ لچکدار شرح مبادلہ (Flexible or Floating Exchange Rate)

(1) معین شرح مبادلہ (Fixed Exchange Rate)

معینہ شرح مبادلہ کا تعین کسی بھی ملک کی زری ایجنسی (مرکزی بنک) کرتی ہے۔ بین الاقوامی لین دین اسی شرح سے کیا جاتا ہے۔

معین شرح مبادلہ کے فوائد (Merits of Fixed Exchange Rate)

(1) بین الاقوامی تجارت میں فائدہ

(1) معین شرح مبادلہ کے نتیجے میں درآمدات و برآمدات کی قیمتوں کا پیشگی علم ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے برآمد کنندگان اور درآمد کنندہ کو اپنے نفع ونقصان کا پیشگی اندازہ ہوتا ہے جو کہ بین الاقوامی تجارت کے فروغ کی بنیاد ہے۔

(2) زری ایجنسی کو بہت ذمہ داری کا ثبوت دینا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے مرکزی بنک صورت حال کو قریب کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

(3) سرمایہ کی درآمد اور برآمد میں استحکام پیدا ہوتا ہے کیونکہ سرمایہ کاروں کو اپنے سرمایہ کی صحیح قدر کا پیشگی اندازہ ہوتا ہے۔

(4) کرنسی کی قدر بڑھانے یا گھٹانے پر سٹہ باز اثر انداز نہیں ہو پاتے۔

معین شرح مبادلہ کے نقصانات (Demerits of Fixed Exchange Rate)

(1) معین شرح مبادلہ برقرار رکھنے کے لیے حکومت کو بڑی مقدار میں زر مبادلہ کے ذخائر رکھنا پڑتے ہیں۔

(2) حکومت کو شرح مبادلہ کنٹرول کرنے کے لیے سخت پالیسی اختیار کرنا پڑتی ہے۔ جس کا نتیجہ بعض اوقات مناسب کے بجائے غلط تخصیص کی صورت میں نکلتا ہے۔

(3) بعض اوقات حکومت کو مکمل روزگار کی منزل کے حصول کے لیے کچھ اقدامات کرنے کے سلسلہ میں دشواری پیدا ہوتی ہے۔ حکومتی اقدام کے نتیجے میں فرض کریں کہ قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے تو اس کے اثرات برآمدات پر پڑیں گے۔

(4) شرح مبادلہ کو ہمیشہ کے لیے معین رکھنا ممکن نہیں ہوتا' برآمدات ودرآمدات کے پیش نظر اس کو کم وبیش کرنا ضروری ہوتا ہے۔

(2) لچکدار شرح مبادلہ (Flexible or Floating Exchange Rate)

اس نظام کے تحت شرح مبادلہ کا تعین بیرونی کرنسی کی طلب ورسد کی قوتوں سے ہوتا ہے اگر بیرونی کرنسی کی رسد اس کی طلب سے زیادہ ہوگی تو شرح مبادلہ کم ہو جائے گی اسے معاشی اصطلاح میں Depreciation کہا جاتا ہے اور اگر طلب، رسد کے مقابلہ میں زیادہ ہو تو شرح مبادلہ بڑھ جائے گی اس صورت میں بیرونی کرنسی کی قدر بڑھ جائے گی۔ اسے معاشی اصطلاح میں Appreciation کہتے ہیں۔

لچکدار شرح مبادلہ کے فوائد (Merits of Floating Exchange Rate)

(1) چونکہ شرح مبادلہ طلب ورسد کی قوتوں کی وجہ سے متعین ہوتی ہے اور مرکزی بنک کو اس میں مداخلت نہیں کرنی پڑتی اس لیے یہ نظام نسبتاً آسان ہے۔

(2) طلب ورسد میں اُتار چڑھاؤ کے نتیجے میں شرح مبادلہ میں بھی اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے اور یوں شرح مبادلہ دُرست سمت اختیار کرتی رہتی ہے۔

(3) اس صورت میں بڑی مقدار میں زرمبادلہ رکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

(4) حکومت کے لیے اپنی پالیسیوں میں تبدیلیاں اور حالات کے مطابق نئی پالیسی اختیار کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

(5) بین الاقوامی ایجنسیوں مثلاً آئی ایم ایف (IMF) وغیرہ کی طرف سے قرضے لے کر شرح مبادلہ کو درست کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی اور سسٹم میں ایسے اداروں کی مداخلت کو روکنا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔

نقصانات (Demerits)

1۔ یہ نظام اسی وقت فائدہ مند ثابت ہوسکتا ہے جب زرمبادلہ کی منڈی میں مکمل مقابلہ کی کیفیت ہو۔ اجارہ داریوں کی موجودگی میں یہ نظام پوری طرح روبہ عمل نہیں ہوسکتا۔

2۔ بہت سے اندرونی اور بیرونی عوامل کی بنا پر شرح مبادلہ کا تعین ہوتا ہے۔ اس کے اثرات دوسرے ممالک پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔

3۔ زر کی منڈی میں سٹہ بازی کی وجہ سے کئی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور مارکیٹ میں اُتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔

4۔ درآمد کنندگان اور برآمد کنندگان کیلئے خطرہ (Risk) بڑھ جاتا ہے۔

5۔ اس نظام کی بدولت ملک میں افراط زر پیدا ہوتا ہے اور قیمتوں میں اضافہ کی وجہ سے عوام پریشانی کا شکار ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں اور بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

ستمبر 1971 کو پاکستان کے روپے کو امریکی ڈالر کے ساتھ وابستہ کیا گیا۔ 8 جنوری 1982 تک یہ وابستگی جاری رہی۔ 8 جنوری 1982 کو پاکستانی روپے کو ڈالر سے عدم وابستہ (Delink) کر دیا گیا۔ اب حکومت منظم لچک پر مبنی شرح مبادلہ (Managed Floating Exchange Rate) کا نظام اختیار کیے ہوئے پاکستانی روپے کی وابستگی بڑی بڑی کرنسیوں کے ساتھ ہے۔ شرح مبادلہ کا نظام اختیار کرنے کا مقصد زری منڈی میں سٹہ بازی (Speculation) کے اثرات کو ختم کرنا ہے۔ پاکستانی روپے کی شرح مبادلہ ہفتہ وار بنیادوں پر مرکزی بنک متعین کرتا ہے۔

مشقی سوالات

سوال 1: نیچے دیے گئے ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات میں سے دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

1۔ ترقی یافتہ ممالک ترقی پذیر ملکوں کو برآمد کرتے ہیں۔

(الف) خام اشیا
(ب) نیم تیار شدہ اشیا
(ج) تیار شدہ اشیا و مصنوعات
(د) اشیائے خوراک

2۔ پاکستان درآمد کرتا ہے۔

(الف) چاول
(ب) ٹیکسٹائل مصنوعات
(ج) کھیلوں کا سامان
(د) پٹرولیم مصنوعات

3۔ پاکستان برآمد کرتا ہے۔

(الف) پھل اور سبزیاں
(ب) اشیائے خوراک
(ج) تعمیراتی سامان
(د) دفاعی ساز و سامان

4۔ پاکستان کی درآمدات میں سب سے زیادہ اخراجات ہوتے ہیں۔

(الف) اشیائے خوراک پر
(ب) مشینری پر
(ج) خوردنی تیل
(د) کھادوں پر

5۔ پاکستان نے پہلی بار اپنی کرنسی کی قدر میں کمی کی۔

(الف) 1955ء
(ب) 1958ء
(ج) 1963ء
(د) 1972ء

6۔ پاکستان چاول برآمد کرتا ہے۔

(الف) برطانیہ، فرانس اور جرمنی کو
(ب) ترکی، عراق اور سری لنکا کو
(ج) تاجکستان، ترکمانستان، آذربائیجان کو
(د) مشرق وسطی کے ممالک، برازیل، ایران کو

7۔ علاقائی تعاون کی تنظیم کا نام ہے۔

(الف) ECO (ب) GATT

(ج) WTO (د) OIC

8۔ سارک کا قیام عمل میں لایا گیا۔

(الف) 1975 (ب) 1990

(ج) 1980 (د) 1985

9۔ ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کا قیام عمل میں لایا گیا۔

(الف) 1990 (ب) 1987

(ج) 1994 (د) 1997

سوال 2: درج ذیل جملوں میں دی گئی خالی جگہیں پُر کریں۔

1۔ پاکستان کی برآمدات میں ______ کا سب سے زیادہ حصہ ہے۔

2۔ پاکستان کی نسبت درآمد و برآمد ______ رہتی ہے۔

3۔ پاکستان میں ______ شرح مبادلہ نافذ ہے۔

4۔ RCD کا نام تبدیل کر کے ______ رکھا گیا۔

5۔ 8 جنوری ______ تک پاکستانی روپیہ امریکی ڈالر کے ساتھ وابستہ رہا۔

6۔ WTO کے معاہدہ TRIPS کے مطابق ہر ملک اپنی ایجادات اور ______ کا مالک ہوگا۔

7۔ WTO کے قیام کا مقصد ______ تجارت کو آزاد کرنا ہے۔

سوال 3: کالم (الف) اور کالم (ب) میں دیئے گئے جملوں میں مطابقت پیدا کر کے دُرست جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
پاکستان کی برآمدات	مرئی و غیر مرئی اشیا کا حساب	
توازن ادائیگی میں خسارہ کی صورت میں قرض	شرح تبادلہ	
پاکستان، ایران، ترکی	RCD	
پاکستان کی درآمدات میں شامل ہیں	تجارتی معاہدہ	
SAARC	آئی ایم ایف	
ایک کرنسی کی دوسری کرنسی میں قیمت	ٹیکسٹائل اور ٹیکسٹائل کی مصنوعات	

توازن ادائیگی	EEC	
توازن تجارت	جنوبی ایشیا	
WTO	نیم تیار شدہ اشیاء مصنوعات	
	مرئی اشیا کا حساب	
	مشینری، پٹرولیم، کیمیکلز	

سوال 4: درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے۔

1۔ پاکستان کی اہم درآمدات کونسی ہیں؟

2۔ پاکستان کی اہم برآمدات کونسی ہیں؟

3۔ توازن ادائیگی سے کیا مراد ہے؟

4۔ توازن تجارت سے کیا مراد ہے؟

5۔ توازن تجارت کس صورت میں موافق ہوتا ہے؟

6۔ توازن ادائیگی کب موافق ہوتا ہے؟

سوال 5: درج ذیل سوالات کے جوابات تفصیل سے تحریر کریں۔

1۔ توازن ادائیگی میں خرابی کی وجوہات لکھیے؟

2۔ پاکستان کی تجارت خارجہ کے اہم نکات تحریر کریں۔

3۔ پاکستان کی اہم درآمدات اور برآمدات تفصیل سے لکھیں۔

4۔ پاکستان کی ادائیگیوں کے توازن میں خرابی کے کیا اسباب ہیں اور انہیں کیسے دور کیا جا سکتا ہے؟

5۔ WTO سے کیا مراد ہے؟ اس کے مقاصد تفصیل سے لکھیں۔

6۔ WTO کے پاکستان پر اثرات تفصیل سے لکھیں۔

باب 13

اسلام کا معاشی نظام
(ECONOMIC SYSTEM OF ISLAM)

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسلام انسان کی زندگی کے ہر پہلو کے بارے میں ہدایات دیتا ہے اور اپنے ماننے والوں سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ "پورے کے پورے دین اسلام میں داخل ہو جائیں"۔ یوں اسلام اپنے ماننے والوں سے تقاضا کرتا ہے کہ زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح وہ معاشی معاملات میں بھی اسلام کی تعلیمات پر عمل کریں۔ اسلام کے دو سب سے بڑے ماخذ قرآن اور سُنتِ رسول ﷺ ہیں۔ قرآن و سنت میں وہ بنیادی اُصول دیے گئے ہیں جن کی بنیاد پر ہر زمانہ میں پیش آنے والے مسائل کا حل موجود ہے۔ ان اصولوں کی بنیاد پر مبنی اجتہاد کا راستہ اختیار کر کے ہر دور میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق زندگی گزاری جا سکتی ہے۔

بیسویں صدی میں نظامِ اشتراکیت نے مساوات اور مزدوروں کی آمریت کا نعرہ لگایا اور گلوبلائزیشن (Globalization) کے علمبردار اور طاقت و تیز طراری کی بنیاد پر آگے بڑھنے والے نظام سرمایہ داری نے دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا لیکن ستر سال کے عرصہ میں نظامِ اشتراکیت گمنامی کے اندھیروں میں ڈوب گیا۔ آج ہر طرف نظام سرمایہ داری کا غلبہ ہے لیکن اس کے خلاف دنیا بھر میں غم و غصہ پایا جاتا ہے جس کا اظہار ورلڈ اکنامک فورم، ورلڈ بنک، ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن اور آئی ایم ایف وغیرہ کے مختلف ملکوں میں منعقد ہونے والے اجلاسوں کے موقع پر کیا جاتا ہے۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ نظام بھی انسان کو معاشی تسکین نہ دے سکا۔ دنیا بھر میں مختلف ممالک کے درمیان تفاوت دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ غریب روز بروز زیادہ غریب ہوتا جا رہا ہے اور امرا کی امارت میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔

اسلام بنیادی طور پر "عدل" کا علمبردار ہے۔ اس کا مطمع نظر یہ ہے کہ ہر فرد کے ساتھ انصاف ہو، جو جس کا حق ہے اسے ملے۔ معیشت کو تقویٰ، عدل، احسان، مساوات، تعاون، اعتدال اور حلال و حرام کے بنیادی تصورات پر استوار کیا جائے۔ ہر ایک کے حقوق اسے بن مانگے مل جائیں۔

اس نظام کا قیام انسان کو اس کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کی ضمانت دیتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی عزتِ نفس اور دینی فعالیت کا باعث بنتا ہے۔

13.1 اسلامی معاشی نظام کی بنیادی خصوصیات
(Salient Features of Islamic Economic System)

اسلام کا معاشی نظام ایک متوازن نظام ہے جو ایک طرف معاشرہ کی موثر تسکین کرتا ہے اور دوسری طرف انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں مکمل ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔ اس نظام کی اہم خصوصیات درج ذیل ہیں۔

(1) ذاتی ملکیت کا حق (Right of Private Ownership)

دین اسلام کے مطابق ہر چیز کا مالک اللہ ربّ العالمین ہے۔ اس نے ذاتی ملکیت کا حق انسان کو عطا کیا ہے لیکن یہ حق ملکیت مطلق نہیں ہے بلکہ فرد کے حق ملکیت پر دوسرے افراد اور معاشرے کے مجموعی مفاد کی خاطر ضروری پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ ہر فرد کے مال میں اس کے قریبی عزیزوں، ہمسایوں، دوستوں، حاجتمندوں اور غریبوں کے حقوق کی ادائیگی پر رضا کارانہ طور پر زور دیا گیا ہے مثلاً صدقہ، زکوٰۃ، خیرات، وقف وغیرہ۔

(2) وسائل سے بھرپور استفادہ (Maximum Utilization of Resources)

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں انسان کے فائدے کے لئے بے شمار وسائل رکھے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ انسان فکر و عمل کی صلاحیتوں کو پورے طور پر استعمال میں لا کر ان وسائل کو اپنے اور دیگر انسانوں کے فائدے کے لئے استعمال میں لائے۔ ترکِ دنیا اور دنیاوی لذت سے منہ موڑنا خدا ترسی نہیں ہے بلکہ اسی دنیا کے اندر رہتے ہوئے علم و فنون کے حصول اور اس کے انسانی فلاح کے لئے استعمال پر زور دیا گیا ہے تاکہ نئی نئی ایجادات اور اختراعات کے ذریعے اس کی بھلائی کے لئے ان وسائل کو استعمال میں لایا جا سکے۔

(3) حصولِ رزقِ حلال اور اُس کا استعمال (Fair Means of Acquisition and Use of Provisions)

اسلام نے حصولِ رزقِ حلال پر بے حد زور دیا ہے۔ چنانچہ محنت کی عظمت کی جو مثال دینِ اسلام میں پیش کی گئی ہے وہ کسی اور نظام کا خاصا نہیں۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو گداگر بن کر رہنے، دوسروں کے سامنے سوال کرنے اور محتاج رہنے کی مذمت کرتا ہے۔ محنت کرنے والے کو اللہ کا دوست قرار دیتا ہے لیکن دولت کے کمانے کے حلال ذرائع کو پسند کرتا ہے۔ ناجائز ذرائع سے دولت کمانے اور خرچ کرنے کو حرام قرار دیتا ہے۔ چوری، رشوت، جوا، سود، دھوکہ دہی، نشہ آور اشیا کی پیداوار اور خرید و فروخت حتیٰ کہ ایسی اشیا کی نقل و حمل (Transportation) بھی اسی فہرست میں شامل ہیں۔ اسی طرح مصوری، بت گری و بت فروشی، موسیقی، ذخیرہ اندوزی، کم ناپنا و تولنا، جھوٹی قسمیں کھا کر مال بیچنا، ڈاکہ زنی، مالک کی اجازت کے بغیر شے لینا اور خرید و فروخت کرنا وغیرہ حرام قرار دیا گیا ہے۔ اسلام حرام مال کھانے کو حرام قرار دیتا ہے۔

(4) صرفِ دولت میں اعتدال (Consumption within Limits)

چونکہ اسلام میانہ روی کا درس دیتا ہے اس لیے صرفِ دولت میں بھی میانہ روی پر زور دیا گیا ہے جس طرح پیدائشِ دولت/حصولِ رزق کے لیے حلال ذرائع اپنانا ضروری ہے اُسی طرح صرفِ دولت کے لیے بھی حلال طریقے اپنانا از حد ضروری ہے بلکہ جائز مقامات پر بھی اعتدال سے کام لینے کی تلقین کی گئی ہے۔ اسلامی معاشی نظام میں انسان کو حق دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو صرف کرے لیکن یہ حق مطلق نہیں ہے۔ اس حق کو کچھ حدود کے ساتھ محدود کر دیا گیا ہے مثلاً حلال ذرائع سے کمائے ہوئے مال کو حلال طریقے سے اور حلال چیزوں پر ہی خرچ کیا جائے اور یہ کہ انسان اپنے مال کو حقیقی ضروریات پر ہی خرچ کرے۔ اپنی زائد دولت میں دیگر ضرورت مند لوگوں کو بھی حصہ دار بنائے۔ اسلامی معاشرہ کے اجتماعی مفاد کے تحفظ کے لئے فرد کی ذات اور اخلاق و کردار کو تباہ کرنے والی اشیا مثلاً شراب، اور دیگر منشیات پر دولت صرف کرنے کو منع کیا گیا ہے۔ دولت کے بے جا خرچ یعنی اسراف کی ممانعت کی گئی ہے اور دولت سمیٹ کر رکھنے اور دینی ضرورت پر

خرچ نہ کرنے کو بھی ناپسند قرار دیا گیا ہے۔ نام و نمود اور عیش و عشرت کے لئے خرچ کرنے کی بھی مخالفت کی گئی ہے مثلاً سورۃ الفرقان میں اللہ کے پسندیدہ بندوں کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ وہ نہ تو فضول خرچ ہوتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ ان کا رویہ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال کا ہوتا ہے۔

(5) مال و دولت کے خزانے جمع کرنے کی ممانعت (Prohibition of Storing Wealth)

اسلامی نظام معیشت میں دولت کمانے کے لئے جائز ذرائع اختیار کرنے پر زور دیا گیا ہے اور ناجائز ذرائع کو حرام قرار دیا گیا ہے جبکہ دولت کے خرچ کرنے کے سلسلہ میں اسراف (فضول خرچی) اور بخل (کنجوسی) سے منع کیا گیا ہے۔ اسلام دولت کو سمیٹ کر رکھنے، اپنی ذاتی ضروریات اور خاندانی ضروریات پر خرچ نہ کرنے اور اللہ کی راہ میں غریبوں اور ضرورت مندوں پر خرچ نہ کرنے کی پُرزور مذمت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشی نظام کے محاسن کسی بھی معاشی نظام سے بدرجہا بہتر ہیں جو لوگ بچا بچا کر مال جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے وہی مال روزِ محشر اُن کے لیے وبالِ جان بن جائیگا۔

مال و دولت جمع کر کے رکھنے اور بخل کے نتیجے میں دولت کا بہاؤ رک جاتا ہے۔ جس سے مارکیٹ میں پیدا شدہ اشیا کی فروخت میں کمی آتی ہے۔ سرمایہ کاری میں بھی کمی آجاتی ہے۔ اشیائے سرمایہ اور آلات پیدائش سے پوری طرح فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا ہے۔ بیروزگاری اور معاشی بحران پیدا ہوتے ہیں اور یوں اللہ کی رحمت اور خیر و برکت سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔

(6) گردشِ دولت پر زور (Emphasis on Circulation of Wealth)

اسلامی نظام معیشت جہاں اشیا و خدمات کی پیداوار پر زور دیتا ہے وہاں دولت اور آمدنی کی منصفانہ تقسیم پر بھی زور دیتا ہے۔ اس نظام میں سب سے زیادہ زور دولت کی گردش پر دیا گیا ہے تاکہ دولت صرف امرا کے درمیان میں گردش نہ کرتی رہے بلکہ دولت کا رخ امرا سے غربا کی طرف ہو جائے اور معاشرے کے تمام طبقات بہتر زندگی گزارنے کے قابل ہو سکیں۔ اسلام نے والدین، عزیز و اقارب، ہمسائیوں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر مال خرچ کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔

اس سلسلہ میں اسلامی نظام معیشت میں رضا کارانہ اقدامات کے ساتھ ساتھ قانونی اقدامات بصورت زکوۃ، تقسیم میراث وغیرہ کئے گئے ہیں۔ صدقہ، فطر اور کفارہ کو واجب قرار دیا گیا ہے۔

گردش دولت بڑھانے کے لئے قانونی اور رضا کارانہ اقدامات کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حسب ضرورت اور استطاعت کے مطابق امیروں پر ٹیکس لگا سکتی ہے۔ ان اقدامات کے علاوہ وہ تمام سرگرمیاں ممنوع قرار دی گئی ہیں جو گردشِ زر و دولت میں رکاوٹ پیدا کریں۔ سود اور جوا حرام قرار دیئے گئے ہیں۔ سٹہ بازی اور ذخیرہ اندوزی کی ممانعت کی گئی ہے۔

(7) معاشی آزادی (Economic Freedom)

اسلامی معاشی نظام تمام افراد کے لئے رزق کی تلاش اور اسے حاصل کرنے کے یکساں مواقع کو یقینی بناتا ہے۔ اجارہ داریوں کی ممانعت اور مختلف افراد کو رنگ، نسل، قبیلے، یا کسی اور بنیاد پر خصوصی امتیازات کی ممانعت کرتا ہے۔ اس آزادی پر ایک ہی رکاوٹ ہے اور وہ یہ ہے کہ اس آزادی کا استعمال شریعت کی حدود کے اندر رہ کر کیا جائے۔

(8) مساویانہ تقسیم دولت (Equitable Distribution of Wealth)

اسلام دولت کی تقسیم کو نہ تو افراد کے ہاتھوں میں کھلا چھوڑ کر طبقاتی تقسیم کی راہ کھولتا ہے اور نہ ہی مساوی تقسیم دولت کا قائل ہے۔ اس لئے کہ مساوی تقسیم دولت نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی محنت کی تقسیم کار (Division of Labour) کے تقاضے پورے کرتی ہے۔ اسلامی معاشی نظام اس کے مقابلہ میں آمدنی و دولت کی منصفانہ بنیادوں پر تقسیم کو یقینی بناتا ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے دولت کو حلال ذرائع سے کمانے پر زور دیا گیا ہے اور حرام کی کمائی کی بھرپور مذمت کی گئی ہے اور اسے اپنے نفس کو قتل کرنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے (بحوالہ سورۃ النساء: 29) اس کے بعد عاملین پیدائش کے معاوضوں کے تعین اور ادائیگی میں تقویٰ، خوف خدا اور عدل پر زور دیتا ہے اور اس سے آگے بڑھ کر ان کے ساتھ احسان، تعاون اور مساوات کے اصولوں پر عمل کرنے پر اُبھارتا ہے۔ ان سب احتیاطوں کے باوجود اگر دولت کی تقسیم میں ناہمواری پیدا ہوتی ہے تو زکوٰۃ وصدقات اور دیگر اقدامات کے ذریعے اس تقسیم کو منصفانہ بنانے کی بھرپور سعی کرتا ہے۔

(9) اصلاحی ریاست کا معاشی کردار (Economic Role of Welfare State)

اسلامی ریاست کی بنیادی ذمہ داریوں میں نظام عبادات کی تشکیل اور قیام کے بعد زکوٰۃ پر مبنی نظام معیشت کو قائم کرنا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے لوگوں کی تکالیف کو دور کر کے ان کی پریشانیوں کے خاتمہ پر زور دیتا ہے۔ ریاست کے سربراہ کو عوام کی ضروریات کی تکمیل کا ذمہ دار قرار دیتا ہے۔

رسول ﷺ کے ارشاد کے مطابق:۔

جس کا کوئی ولی (سرپرست) نہیں سلطان اس کا سرپرست ہے۔

اس طرح ہر فرد کے لئے بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی کو ریاست کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔ ان بنیادی ضروریات میں خوراک، لباس اور رہائش ہی شامل نہیں ہیں بلکہ تعلیم اور صحت کو بھی ہر فرد کا حق قرار دیا گیا ہے تاہم اس کی ترتیب کچھ یوں رکھی گئی ہے کہ سب سے پہلی ذمہ داری فرد پر اس کے بعد معاشرہ پر اور آخری چارہ کے طور پر ریاست اس بات کا اہتمام کرے کہ کوئی شخص بنیادی ضروریات زندگی سے محروم نہ رہ جائے۔

(10) قیمتوں کی میکانیت (Price Mechanism)

اسلامی معاشی نظام طلب ورسد کی قوتوں پر انحصار کرتا ہے۔ جس سے قیمتیں متعین ہوتی ہیں اور یہ قیمتوں کا نظام معاشی سرگرمیوں کا رخ متعین کرتا ہے تاہم اسلامی معاشی نظام میں قیمتوں کے نظام کو بے لگام اور کھلا نہیں چھوڑا گیا بلکہ اخلاقی نظام کے نفاذ کے ذریعے ایک نظم وضبط میں جکڑا گیا ہے۔ یہ اخلاقی اقدار انسان کی راہ کو کھوٹا ہونے اور غلط طور پر کمائی کرنے، قیمتوں پر اثر انداز ہونے سے روکتی ہیں۔

13.2 بلاسود بنکاری (Interest Free Banking)

سود یا ربوٰ (Interest or Usury)

معاشیات میں سود سرمایہ کے استعمال کا معاوضہ کہلاتا ہے۔ قرآن وسنت میں سود کے لئے لفظ ''ربوٰ'' آیا ہے، ربوٰ کے معنی ہیں اضافہ ہونا، نشوونما پانا، بڑھنا، پھلنا پھولنا، مگر اس طرح کا اضافہ اسلام میں حرام ہے۔

قرآن پاک اس خاص قسم کی بڑھوتی کو حرام قرار دیتا ہے جو اُدھار کے لین دین میں دی یا لی جاتی ہے۔ ربوٰ کی تعریف یوں کی جاتی ہے: ایک شخص اپنا مال دوسرے کو قرض دیتا ہے اور یہ شرط طے کرتا ہے کہ اتنی مدت گذرنے پر وہ اس پر اتنی رقم زائد وصول کرے گا۔ اس زائد رقم کو سود یا ربوٰ کہتے ہیں جو محض مہلت کا معاوضہ ہے۔ سودی لین دین کا رواج اسلام سے پہلے بھی تھا جسے دورِ جاہلیت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی سختی سے ممانعت اور مذمت فرمائی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے سودی کاروبار میں کسی بھی سطح اور کسی بھی حیثیت میں شامل ہونے والوں کو گناہ گار قرار دیا ہے۔

اسلام نے سود کو کیوں حرام قرار دیا؟

اسلام نے سود کو بہت سختی کے ساتھ حرام قرار دیا ہے۔ قرآن پاک اور احادیث میں سودی لین دین کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے اور سود کے لین دین میں مصروف لوگوں کو باز آجانے کے لئے کہا گیا ہے اور باز نہ آنے کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جنگ کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ سودی لین دین ظلم پر مبنی نظام ہے۔

سود کی خرابیوں اور مفاسد کی وجہ سے دنیا کے ہر مذہب نے اسے حرام قرار دیا ہے۔

1. اخلاقی اعتبار سے سود انسان کو خودغرض، بخیل اور تنگدل بناتا ہے جبکہ اس کے مقابلہ میں اللہ کی راہ میں صدقہ دینے سے ہمدردی، قربانی وایثار، اور اعلیٰ ظرفی کی خوبیاں پیدا ہوتی ہیں۔
2. معاشرتی اعتبار سے خودغرضی اور بخل کے نتیجے کے طور پر معاشرہ میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور باہمی ربط وتعاون میں کمی آتی ہے۔
3. معاشی اعتبار سے سود سرمایہ کاری کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ سود کی بجائے منافع میں شرکت سے سرمایہ کاری کے راستے کی تمام رکاوٹیں دُور ہوجاتی ہیں۔ روزگار کی سطح بلند ہوتی ہے۔
4. سود عمل پیدائش اور پیداواری عمل کے ہر مرحلہ پر مصارف پیدائش میں شامل ہوکر مہنگائی اور افراطِ زر کا سبب بنتا ہے اور صارفین کی زندگی مشکل ہوجاتی ہے۔
5. سودی نظام کے نتیجے میں تقسیمِ دولت کا نظام خراب ہوتا ہے۔ سرمایہ مزید سرمایہ کو کھینچتا ہے اور دولت مندوں کی دولت بڑھتی جاتی ہے اور غریب وامیر کے درمیان خلیج بڑھتی جاتی ہے۔
6. اسی طرح تجارتی چکروں (Business Cycles) کے پیدا ہونے کی دیگر وجوہات کے ساتھ ساتھ ایک وجہ سود ہے۔ جس سے تجارتی اُتار چڑھاؤ پیدا ہوتا ہے اور معیشت بحران کا شکار ہوجاتی ہے۔
7. سود کی وجہ سے معیشت میں وسائل کی تخصیص عوام وصارفین کی ضرورت کے تحت نہیں بلکہ سود کی شرح کے مطابق طے ہوتی ہے اور وسائل کا رخ ضروریاتِ زندگی کی بجائے عیش وعشرت کے سامان کی پیداوار کی طرف ہوجاتا ہے۔
8. بین الاقوامی اور قومی قرضوں پر سود کی ادائیگی کی وجہ سے پوری قوم مشکل کا شکار ہوتی ہے۔ بجٹ، مصارف قرضہ (سود اور قرضہ کی واپسی) کی وجہ سے غیر متوازن ہوجاتا ہے۔ وسائل ترقیاتی کاموں پر خرچ ہونے کی بجائے سودی قرضوں کی ادائیگی اور سود کی

ادائیگی پر خرچ ہوتے چلے جاتے ہیں اور پوری معیشت نامساعد معاشی حالات کا شکار ہو جاتی ہے۔

اقدامات (Measures)

سودی بنکاری کو غیر سودی بنکاری میں تبدیل کرنے کے لیے درج ذیل اقدامات کئے جاسکتے ہیں۔

سود کے معاشی، معاشرتی اور اخلاقی نقصانات کی وجہ سے ضرورت ہے کہ پورے نظام معیشت کو سود سے پاک کیا جائے۔ خاص طور پر نظام بنکاری کو غیر سودی بنیادوں پر قائم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مومن اپنے دین وایمان اور مال کی حفاظت اچھے طریقے پر کرسکیں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے مال میں جائز طریقے سے اضافہ کرسکیں۔

اس ضمن میں اسلام سود کے متبادل کے طور پر نفع ونقصان میں شرکت کی بنیاد فراہم کرتا ہے جو بھی جمع شدہ رقوم ہوں ان کو کاروبار میں لگایا جائے جو بھی اصل نفع ہو وہ کاروباری فریقوں میں طے شدہ نسبتوں سے تقسیم کردیا جائے۔ یہ کام:

1 دو افراد کے درمیان بھی سرانجام پاسکتا ہے، یا

2 سرمایہ کاری کی کمپنیوں کے ذریعے، یا

3 بنکوں وغیرہ کے ذریعے۔

1 موجودہ صورت میں بنک صرف مالیاتی ادارہ ہوتا ہے جو اپنے کھاتے داروں کی رقوم کو جمع کرتا ہے اور دوسرے لوگوں کو قرض دیتا ہے۔ گویا بنک قرضوں کا کاروبار کرتا ہے۔ اس کے برعکس اسلامی بنکاری میں بنک ایک مالیاتی ادارہ ہی نہیں بلکہ ایک سرمایہ کار بھی ہے اور یوں بنک معیشت کی ترقی میں عملی کردار ادا کرسکتا ہے۔ یہ صورت شراکت کہلاتی ہے۔ جس میں دونوں فریق اپنے سرمایہ اور محنت کے ذریعے باہم شریک ہو جاتے ہیں اور نفع ونقصان میں برابر شریک ہوتے ہیں۔

2 اس کی دوسری صورت مضاربت کی ہے جس میں ایک فریق سرمایہ فراہم کرتا ہے اور دوسرا فریق محنت کرتا ہے۔ نفع میں دونوں فریق طے شدہ نسبتوں سے شریک ہوتے ہیں اور نقصان کی صورت میں صاحب سرمایہ کو یہ نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔

3 شراکت ومضاربت کے ساتھ ساتھ کچھ دوسرے متبادلات بھی ہیں جنہیں محدود طور پر سرمایہ کاری کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ان میں مرابحہ، اجارہ، سلم، بیع، استصناع وغیرہ شامل ہیں۔

بنک کا کاروبار (Business of Bank)

بنک کا کاروبار درج ذیل صورتوں میں ہوگا۔

(1) بالمعاوضہ خدمات (Payment Services)

معاوضہ کی ادائیگی پر خدمت کی فراہمی مثلاً یوٹیلیٹی بلوں کا جمع کرنا، رقم کی منتقلی، لاکرز کی سہولت وغیرہ۔

(2) شراکت ومضاربت کے اصول پر سرمایہ کاری

(Investment on the Basis of Shirakat and Modarbah)

کھاتے داروں سے حاصل کردہ رقوم کو سرمایہ کاری کے لیے کاروباری لوگوں کو شرکت یا مضاربت کی بنیاد پر فراہم کیا جاتا ہے۔

شراکت میں نفع ونقصان میں شرکت ہوتی ہے (PLS- Profit and Loss Sharing) اور مضاربت میں فریقین منافع میں شریک ہوتے ہیں (Profit Sharing)۔

(3) بلا معاوضہ خدمات (Free Services)

بنک اپنے کھاتے داروں کو بلا معاوضہ خدمات بھی فراہم کر سکتا ہے جن پر وہ کوئی منافع وصول نہیں کرے گا مثلاً قرض حسنہ کی فراہمی وغیرہ۔

(4) عملی پیش رفت (Development in Practical Field)

غیر سودی بنکاری کا آغاز مصر میں ایک ادارے کے قیام سے ہوا جس کا نام "مت غمر سوشل بنک" رکھا گیا۔ یہ بنک زرعی مقاصد کے لیے کام کرتا تھا۔ اسی سال ملائشیا میں "تبونگ حاجی" کے نام سے ایک بنک کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس کے کھاتے داروں کی تعداد 40لاکھ سے زائد ہے۔ 1975 میں دبئی اسلامک بنک قائم کیا گیا۔ اسی سال اسلامی ترقیاتی بنک (Islamic Development Bank) کا قیام OIC کے تحت عمل میں لایا گیا جو کہ مسلم ممالک کو ان کی ضروریات کے پیش نظر قرضے فراہم کرتا ہے۔ دو بڑے گروپ اسلامی بنکاری کے میدان میں سرگرم عمل ہیں ان میں سے ایک کا نام "دار المال الاسلامی" اور "البرکہ" ہے۔ یہ ملٹی نیشنل ادارے ہیں اور ان دونوں گروپوں نے مختلف ممالک میں اسلامی بنک قائم کئے ہیں۔ غیر سودی بنکوں میں ایک بڑا نام اسلامی بنک بنگلہ دیش کا ہے۔ اس کی ملک بھر میں ایک سو چالیس سے زائد برانچیں ہیں۔ یہ بنک اپنے کھاتہ داروں کو بنگلہ دیش کے عام بنکوں سے زیادہ شرح سے منافع دے رہا ہے۔ اور بنگلہ دیش کی تجارت کا 10فی صد اس بنک کے ذریعے ہو رہا ہے۔

غیر سودی بنیادوں پر اس وقت دنیا بھر میں 250 سے زائد بنک دنیا کے پچاس ممالک میں کام کر رہے ہیں۔ غیر سودی بنکاری کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور پھیلاؤ کی وجہ سے دنیا کے بڑے بڑے ادارے مثلاً آئی ایم ایف (IMF)، ورلڈ بنک (WB) اور آئی ایف سی (IFC)، غیر سودی بنکوں سے معاملات کے حوالے سے منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ آئی ایم ایف اسی سلسلہ میں بیس سے زائد جائزے تیار کروا چکا ہے۔

پاکستان میں غیر سودی بنکاری (Interest Free Banking in Pakistan)

پاکستان میں بلاسود بنیادوں پر سب سے پہلے جولائی 1979ء کو تین اداروں میں کام شروع ہوا۔ ادارے درج ذیل ہیں:

1۔ پاکستان سرمایہ کاری کارپوریشن (ICP)

2۔ قومی سرمایہ کاری ٹرسٹ (NIT)

3۔ تعمیر مکانات کی مالی کارپوریشن (HBFC)

یہ تینوں ادارے مضاربہ کمپنیوں کے طور پر رجسٹرڈ کئے گئے اور انہوں نے شرعی بنیادوں پر کام شروع کیا۔

یکم جولائی 1981 پاکستان کے بنکاری نظام میں نفع ونقصان میں شراکت (Profit and Loss Sharing) کی بنیاد پر کھاتے کھولنے کا آغاز ہوا۔ فیصلہ کیا گیا کہ بنکوں سے جاری کئے گئے قرضے بھی سود سے پاک ہوں گے اور سود کی بجائے شراکتی مدتی سرٹیفکیٹ

(Participation Term Certificate) کا اجرا کیا گیا۔

یکم جولائی 1984 سے تجارتی بینکوں کو غیر سودی بنیادوں پر قرضے جاری کرنے کا حکم دیا گیا۔ یکم جولائی 1985 سے تمام ملکی بینک حکومت بنکاری شعبہ' کارپوریشنوں اور مشترکہ سرمایہ کی کمپنیوں کو غیر سودی بنیادوں پر کام کرنے کا حکم جاری کیا گیا اور سودی کھاتوں کے بجائے بچت اور معیادی امانتوں کو نفع ونقصان میں شراکت (PLS) میں تبدیل کرنے کو کہا گیا۔ اسی طرح نظام بنکاری کو اسلام اور غیر سودی بنیادوں پر کام کرنے کی طرف پیش رفت ہوئی لیکن بعد کے حالات میں کئی وجوہات کی بنا پر اس معاملہ کو عدالت میں لے جایا گیا۔ نومبر 1991 کو وفاقی شرعی عدالت نے کئی سال کی مالیاتی قوانین اور لین دین کے طریقوں کو خلاف شریعت قرار دے کر 3 جون 1992 تک اسلامی اصولوں کے مطابق بدلنے کا حکم دیا۔ بعد میں حکومت نے سپریم کورٹ کے شرعی بنچ میں اس حکم کو چیلنج کر دیا۔ 23 دسمبر 1999 کو شریعت بنچ نے موجودہ نظام بنکاری کو سودی قرار دے دیا اور حکومت کو مارچ 2001 تک مہلت دے دی اور سٹیٹ بنک کو اعلیٰ اختیاراتی کمیشن بنانے کی ہدایت کی تاکہ وہ عدالت کے فیصلہ کی روشنی میں اقدامات کرے، تاہم بعد میں حکومت ایک دفعہ پھر عدالت میں گئی اور اس معاملہ پر حکم امتناعی لے لیا اور یوں یہ معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا اور آج تک اس پر عمل درآمد نہیں ہو سکا۔

13.3 اسلامی معاشی نظام کی بنیادی اقدار (Basic Values of Islamic Economic System)

انسان اور حیوان میں فرق کرنے والی شے انسان کا اخلاقی حسن ہے۔ لالچ، حرص، ذاتی مفاد، غصہ، اور اپنی نسل کی بقا وغیرہ کے حوالہ سے انسان و حیوان میں کوئی فرق نہیں لیکن جانوروں میں اچھائی، برائی، اور نیکی و بدی کا شعور نہیں ہوتا جبکہ انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے نیکی اور بدی کے احساس کو پیدا کر دیا ہے۔

اسلام ایک فرد میں صبر، استقامت، حوصلہ، نرمی، تحمل، شجاعت، عدالت، معاملہ فہمی، فیاضی، رحم، انصاف، صداقت، امانت، دیانت، وعدے کی پابندی، اور دوسروں کے ساتھ ہمدردی پیدا کرنا چاہتا ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور مکمل دین ہے۔ یہ انسان کی فلاح کے لئے پرسکون اور مثالی معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ اسی لئے اسلام اخلاقی اقدار کی انسانی زندگی میں کارفرمائی چاہتا ہے۔

ان اخلاقی اقدار میں تقویٰ، عدل، احسان، مساوات، اور اعتدال کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

ان مقاصد کے لئے اسلام درج ذیل بنیادی اخلاقی اقدار پر زور دیتا ہے۔

(1) مساوات (Equality)

اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کے حوالے سے ہر انسان کو مختلف صلاحیتوں اور فکر ونظر سے نوازا ہے۔ اس لحاظ سے تو تمام انسان برابر نہیں ہو سکتے۔ لیکن ان فطری اختلافات کی بنیاد پر انسانوں کے درمیان مستقل حد بندی کر کے انسانوں کو طبقات میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔

اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ تمام انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے ناطے ایک دوسرے کے مساوی ہیں۔ ہر انسان کے خون کا رنگ ایک ہے۔ رنگ، نسل، علاقے اور قبیلے کی بنیاد پر ایک انسان کو بالاتر اور دوسرے کو کمتر سمجھنا غلط ہے۔ اس لحاظ سے ہر انسان کے حقوق وفرائض مساوی ہیں۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

> تمام انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے تھے۔ پس کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر فضیلت نہیں، فضیلت صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔

اسلام انسانوں کے درمیان باہمی مساوات کو مضبوط و مستحکم بنا کر انفرادی و اجتماعی سطح پر عملی زندگی میں اس کا اظہار چاہتا ہے۔
معاشی سطح پر مساوات کے اطلاق کے ضمن میں اسلام چاہتا ہے کہ:

(i) تمام انسان اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیا اور نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا مساوی حق رکھتے ہیں مثلاً دریا، پہاڑ، چشمے، جنگل کی لکڑی، قدرتی درختوں کے پھل، خودرو گھاس چارہ اور ہوا وغیرہ۔

(ii) معاشی اجارہ داریاں قائم کرنے کے نتیجے میں طبقاتی مفادات وجود میں آتے ہیں جو کہ مساوات کے خلاف ہیں۔

(iii) ہر انسان، مسلمان یا کافر کے لئے ضروریات زندگی کا حصول بقائے زندگی کے لئے ضروری ہے خاندان کی مضبوطی، معاشرتی اقدار کے ذریعے ہر فرد کو بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی ان کا حق ہے۔

(iv) معاشرے کے ہر فرد کے لئے رزق حاصل کرنے کے یکساں مواقع کی فراہمی ضروری ہے۔

(2) عدل (Justice)

عدل کے لغوی معنی ہیں کسی شے کو اس کے مقام پر رکھنا، یعنی جس کا جو مقام ہے وہ اسے عطا کرنا۔ نہ تو اصل مقام سے گرانا اور نہ ہی اس کے مقام سے بلاوجہ زیادہ کا معاملہ کرنا۔ عدل کے دوسرے معنی ہیں "جو جس کا حق ہے اسے دے دینا"۔ گویا اصطلاحی معنوں میں انصاف اور عربی لغت کے اعتبار سے لفظ 'قسط' عدل کے ان معانی کو بیان کرتا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے حقدار کو اس کے حق سے محروم کرنا ظلم ہے اور حقدار کو اس کا حق پہنچانا ظلم کے بالمقابل عدل ہے جس کا مطلب کسی کو اس کے حق سے محروم نہ کرنا۔ عدل کو تقویٰ کے قریب ترین قرار دیا گیا ہے اور تقویٰ ایسی خصوصیت ہے جو عبادات کی روح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات اور انسان کو عدل پر قائم کیا ہے کائنات کا حسن اسی 'عدل' پر قائم ہے۔

معاشیات کے دائرہ میں عدل کو "معاشی عدل" (Economic Justice) کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد ہے کہ پیدائش دولت، صرف دولت، تبادلہ دولت اور تقسیم دولت کے جملہ معاملات کو عدل و انصاف کی بنیاد پر چلایا جائے تاکہ معاشی سرگرمیاں صحت مند بنیادوں پر جاری ہوں اور معاشرہ میں رہتے ہوئے افراد اپنی ضروریات، عزت و وقار کے ساتھ حاصل کر سکیں۔

اسلام غربت و قحط سالی اور معاشی بدحالی کو ایمان کے لئے خطرہ تصور کرتا ہے۔ تلاش رزق کو اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنے کا نام دیتا ہے۔ انسانوں کے لئے معاشی خوشحالی کے لئے اسلام ایک جامع نظام دیتا ہے جس کی بنیاد عدل پر ہے۔

صرف دولت کے ضمن میں کفایت شعاری اور میانہ روی پر زور دیا گیا ہے۔ فضول خرچی اور بخل سے منع کیا گیا ہے۔ زائد از ضرورت وسائل کو مستحق حاجت مندوں اور غریبوں پر خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پیدائش دولت کے ضمن میں انسان اپنی توانائیاں پیداواری اور تعمیری کاموں میں صرف کرے۔ فارغ رہ کر وقت ضائع کرنے کی بجائے تعمیری کاموں میں ہی وقت صرف کیا جائے۔ گداگری سے بچے اپنے کمائے

ہوئے مال کو ضرورت مندوں تک پہنچایا جائے۔ ہر قسم کے حرام کاروبار اور حرام اشیا کی پیداوار اور حرام خدمات سے بچا جائے۔ تقسیم دولت کے ضمن میں اسلام چاہتا ہے۔ عاملین پیدائش کے معاوضوں کا تعین اور ادائیگی عدل وانصاف پر ہو دھوکہ دہی اور فریب سے بچا جائے۔ عیاشانہ طرز زندگی سے بچا جائے۔ اللہ کی راہ میں صدقہ وخیرات کی تلقین کے ساتھ زکوۃ کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ کاروباری معاملات میں لین دین کو باہمی رضامندی کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ ریاست پر ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ تمام شہریوں کے لئے ان کی بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی کو یقینی بنائے۔ ٹیکسوں کی وصولی اور اخراجات کے ضمن میں عدل کا دامن چھوٹنے نہ پائے۔ مالک اور مزدور کے تعلقات میں عدل کو پیش نظر رکھا جائے۔ گویا انفرادی واجتماعی طور پر اسلام ہر معاملہ میں عدل کو کارفرما دیکھنا چاہتا ہے۔

(3) احسان (Goodness)

احسان کے لغوی معنی ہیں 'حسن اور خوبصورتی' اور اس سے مراد ہے دوسروں کے ساتھ نیکی وبھلائی کرنا، اچھا کام کرنا، کام کو اچھے طریقے سے سرانجام دینا، دوسروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔

جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کی تکلیف سے نجات دے اسے چاہیے کہ وہ تنگ دست کو مہلت دے اور مقروض کو معاف کر دے۔ یہی بات قرآن پاک میں یوں فرمائی گئی ہے کہ اگر مقروض تنگدست ہو تو اسے فراوانی تک مہلت دے دو۔

قرآن وحدیث سے یہ مثالیں واضح ہیں کہ اسلام انسانی زندگی میں احسان کو کس قدر اہمیت دیتا ہے۔

احسان کا تقاضہ ہے کہ تنگدست اور محتاج انسانوں کی مالی امداد کی جائے۔ ان کی غربت کے خاتمے اور معاشی مشکلات میں کمی کے لئے کوشش کی جائے۔ احسان کا درجہ عدل سے آگے ہے۔ عدل کرتے ہوئے انسان کسی بھی فرد کو اس کا حق ادا کرتا ہے اور احسان کرتے ہوئے اس کے حق سے زیادہ ادا کرتا ہے۔ جس کے نتیجے میں معاشرہ میں خیر اور بھلائی میں اضافہ ہوتا ہے۔ احسان کے نتیجے میں معاشرہ میں راحت وآرام اور امن وسکون حاصل ہوتا ہے۔

معاشی زندگی میں احسان کا تقاضا ہے کہ انسان عیش وعشرت سے بچتے ہوئے، اعتدال کے دائرے میں رہتے ہوئے، ضروریات زندگی کو حاصل کرے اور استعمال کرے۔ اپنی ذاتی ضروریات کی تسکین کے ساتھ ساتھ باقی مخلوق خدا کو اس میں شریک کیا جائے۔ اپنے خاندان کی جملہ ضروریات کو پورا کرنا عزیزوں، رشتہ داروں، دوستوں، ملازموں، ہمسایوں، محتاجوں، مقروضوں، یتیموں اور بیواؤں کو بھی اپنے مال میں شریک کیا جائے۔ ایک دوسرے کے ساتھ باہمی تعلق کو مضبوط بنانے کے لئے تحفے دینے کی ترغیب رسول اللہ ﷺ نے فرمائی۔ ایک دوسرے کی روزمرہ ضرورت کی چیز رعایتاً دینے میں قرآن زور دیتا ہے۔

عمل پیدائش میں عاملین پیدائش خصوصاً مزدوروں، مزارعوں، اور ملازموں کے معاوضوں کی ادائیگی میں عدل سے بڑھ کر احسان کا معاملہ کیا جائے۔ آجر منافع کمانے کے ساتھ ساتھ معاشرتی بہبود کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ بے روزگاری، بیماری، حادثات، آلودگی کے خاتمے اور تعلیم وصحت کے میدان میں اپنا حصہ ڈالیں۔ عمل پیدائش میں کام کے ماحول، جگہ، کام کے طریق کار اور ٹیکنالوجی کے انتخاب میں بھی اسی اصول کو پیش نظر رکھا جائے۔ مختلف آفات مثلاً زلزلہ، سیلاب جیسی کیفیات میں نفع یا نقصان سوچے بغیر ایثار وقربانی کا مظاہرہ کیا جائے۔

اشیا و خدمات کے تبادلہ کے میدان میں ناپ اور تول میں فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے گاہک کو فائدہ پہنچایا جائے۔

نبی اکرم ﷺ نے خرید و فروخت کے دوران نرم خوئی کرنے والے کے لیے دُعا فرمائی اور فرمایا کہ جب وزن کرو تو جھکتا ہوا پیمانہ دو۔

مقروض کے لئے اگر ممکن ہو تو قرض کی واپسی کے موقع پر کچھ زائد رقم قرض خواہ کو ادا کرے (لیکن یہ معاملہ شرط نہ ہو ورنہ سود ہوگا)۔ اسلامی ریاست کو اپنے شہریوں سے عدل سے بڑھ کر احسان کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ عفو و درگزر کو اختیار کیا جائے۔ حتیٰ کہ زکوٰۃ کی وصولی کے معاملہ میں بھی نرمی کا مظاہرہ کیا جائے۔ رسول ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر کرنے کے بعد یمن روانگی کے موقع پر ہدایات دیتے ہوئے فرمایا کہ زکوٰۃ کی وصولی کے موقع پر لوگوں کے اچھے اچھے مال کو چھانٹ کر نہ لینا۔ گویا قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں احسان کی کارفرمائی۔ جزوی معاشیات اور کلی معاشیات سمیت زندگی کے ہر شعبہ میں ہے۔

(4) ارتکازِ دولت اور بے جا خرچ کا خاتمہ

(Elimination of Concentration of Wealth and Wasteful Consumption)

دینِ اسلام میں جہاں دولت کمانے کے غلط طریقوں کی ممانعت کی گئی ہے وہاں جائز طریقوں سے کمائی ہوئی دولت کے بے جا خرچ کی سخت مذمت کی گئی ہے۔

دینِ اسلام دینِ فطرت ہے اور ہر اس کام کو ناپسند کرتا ہے جس کے نتیجے میں معاشرہ میں بگاڑ پیدا ہوتا ہو۔ ارتکازِ دولت اور دولت کے چند ہاتھوں میں جمع ہونے سے معاشی ناہمواریاں اور معاشرتی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ معیشت میں موثر طلب پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں اشیائے ضرورت اور آسائشات کی بجائے معاشرے کے اشیائے تعیش پر اخراجات بڑھ جاتے ہیں اور ایسی ہی اشیا کی پیداوار کو فروغ حاصل ہوتا ہے جس سے بہت سی معاشی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ قرآن پاک نے دولت کو جمع کر رکھنے اور ضرورت مندوں تک نہ پہنچانے کی مذمت کرتے ہوئے دردناک عذاب کی وعید سنائی۔

اسلام چاہتا ہے کہ دولت صرف امرا کے پاس نہ رہے اور صرف امرا کے درمیان میں گردش نہ کرتی رہے۔ بلکہ امرا اپنے مال میں غریبوں کا حصہ باقاعدہ نکالیں۔ قرآن پاک اسے غریبوں کا حق قرار دیتا ہے۔

اسلام میں جہاں دولت کے جمع کرنے اور خزانے بنا بنا کر رکھنے کی مذمت کی گئی ہے وہاں دولت کے بے جا خرچ اور اسراف کو ناپسند کیا گیا ہے۔

قرآن پاک فضول خرچ لوگوں کو شیطان کے بھائی قرار دیتا ہے اور اعلان فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ قرآن پاک نے انسان کے لئے جو صحیح روش بتائی ہے وہ یہی ہے کہ اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے میں اعتدال اور میانہ روی کو اختیار کیا جائے۔ اسراف انسان کو بے ہمت بنا دیتا ہے اور یوں معاشرہ کی افرادی قوت کی قوت کار میں کمی آتی ہے اور یوں انسانی سرمایہ ضائع ہو جاتا ہے اور اعتدال کے نتیجے میں یہ بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔ اس کے ذریعے افراد کی دولت کا ایک بڑا حصہ پیداواری کاموں کے لئے بچ جاتا ہے۔ جس کے صحیح استعمال کے نتیجے میں عوام کی حقیقی ضرورتوں کی تسکین کرنے والی اشیا کی پیداوار میں اضافہ ہو جاتا

ہے۔ معیشت استحکام حاصل کرتی ہے۔ خود انحصاری کی منزل کی طرف پیش قدمی ہوتی ہے۔

(5) شکر و قناعت (Austerity and Self-contentment)

اسلامی تعلیمات کے مطابق ایک مومن سے دین اسلام یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ اللہ کی ذات پر توکل کرے۔ معاشی حاجات پوری کرنے کے لئے دنیاوی اسباب کو حلال اور جائز ذرائع کے اندر رہتے ہوئے اختیار کرے اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کو جو بھی روزی عطا فرمائے اس کو خوشی سے قبول کرے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص معاشی لحاظ سے تنگدستی کا شکار ہو تو وہ صرف اور صرف جائز ذرائع اختیار کرتے ہوئے اپنی معاشی جدوجہد کو جاری رکھے اور صبر و استقامت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرے اور ناشکری کا جذبہ اپنے اندر پیدا نہ ہونے دے۔

جب اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی نعمتوں سے نوازتے ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ شکر کا ایک تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اپنی زبان اور عمل کے ذریعے شکر ادا کرے اور اس کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اسی طرح شکر کا ایک تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بندہ بن جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ جائز اور حلال چیزوں پر مال کو خرچ کیا جائے۔ ناجائز اور حرام چیزوں پر خرچ سے بچا جائے۔ اسی طرح حلال چیزوں پر خرچ میں میانہ روی اختیار کی جائے۔ فضول خرچی اور بخل کا راستہ نہ اختیار کیا جائے۔

دین اسلام اپنے ماننے والوں سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ ہر حال میں شکر کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری سے بچتے رہیں۔ شکر کے جذبے کے تحت انسان اپنے رب کی دی ہوئی نعمتوں پر قناعت کو اختیار کرے۔ قناعت سے مراد ہے کہ حلال ذرائع سے انسان کو جو کچھ مل جائے انسان اس پر راضی اور مطمئن ہو جائے۔ لالچ اور حرص سے بچے۔ زیادہ سے زیادہ وسائل اور مال و دولت کے حصول کی خاطر حلال و حرام کی تمیز کو ختم نہ کرے۔ قناعت اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمت ہے جو کہ انسانی زندگی میں سکون کا ذریعہ بنتی ہے۔ انسان کو بے سکونی اور پریشانی سے بچاتی ہے۔

13.4 نمائشی اخراجات اور ذخیرہ اندوزی کے اثرات

(Implications of Ostentation and Hoarding)

بنیادی طور پر نمود و نمائش انسانی اور اسلامی اخوت کے خلاف ہے کیونکہ یہ معاشی لحاظ سے پسماندہ اور کمزور لوگوں کے لئے تکلیف دہ عمل ہوتا ہے۔ دیکھنے والے افراد اپنے آپ کو کمتر محسوس کرتے ہیں۔ ان میں مایوسی پیدا ہوتی ہے۔ دلوں میں حسد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ محرومی کا جذبہ انسانوں بالخصوص نوجوانوں میں بغاوت کو ابھارتا ہے اور وہ چوری، ڈکیتی، رشوت اور دیگر معاشی و معاشرتی خرابیاں پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ اس لئے اسلام نمائشی اخراجات سے منع کرتا ہے مثلاً سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے کی ممانعت کی گئی ہے۔ مردوں کے لئے ریشمی لباس کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ صرف میانہ روی کو اختیار کرنے، فضول خرچی اور اسراف سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسی طرح اسلام ذخیرہ اندوزی کو بھی ایک برائی قرار دیتا ہے۔ محتکر (ذخیرہ اندوزی کرنے والا) وہ ہے جو ایسا غلہ خریدتا ہے جس

کے لوگ ضرورت مند ہوتے ہیں تا کہ انہیں لوگوں کی دسترس سے باہر کر کے روکے رہے اور عوام کے لئے ان کے نرخ گراں ہو جائیں۔ایسا آدمی خریدار عوام پر ظلم کا مرتکب ہوتا ہے۔اس وجہ سے صاحب (حاکم) کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جب عوام کو ان اشیا کی ضرورت ہو تو ایسے (تاجر) لوگوں کو اپنا مال بازاری قیمت پر فروخت کرنے پر مجبور کرے۔

ذخیرہ اندوزی اور احتکار شرفِ انسانیت کے خلاف ایک ایسا اقدام ہے کہ ذخیرہ اندوزی کرنے والا اپنے ذاتی اور محدود منافع کی خاطر خلق خدا کو آزمائش میں ڈالتا ہے۔جن لوگوں کے وسائل محدود ہیں وہ یا تو اس صورت میں اشیائے ضرورت خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے یا اپنی ضرورت سے کم مقدار میں خریدنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور اپنی ضروریات پوری نہیں کر پاتے۔اسی لیے اسلام اس ذہنیت کی مذمت کرتا ہے۔

دیگر معاشی نظامات (Other Economic Systems)

کسی ملک کے معاشی نظام سے مراد معاشرتی اور اقتصادی اداروں کا ایسا آئینی یا تنقی ڈھانچہ ہے جس کے تحت وہاں کے لوگ اپنے مادی وسائل کو استعمال میں لا کر ضروریاتِ زندگی کی اشیا و خدمات پیدا کرتے ہیں۔اس وقت دُنیا میں درج ذیل اہم معاشی نظام رائج ہیں۔

(الف) سرمایہ داری نظام ، (Capitalism)

(ب) اشتراکی نظام (Socialism)

(الف) سرمایہ داری نظام (Capitalism)

سرمایہ داری نظام ایسا نظامِ حکومت ہے جس میں عوام وسائل کی نجی ملکیت اور معاشی معاملات میں مکمل آزادی کا حق رکھتے ہیں۔ملک کے پیداواری ذرائع مثلاً زمین، جنگلات، دریا، کارخانے، معدنیات، کاروبار، مشینی آلات و دیگر ذرائع پر لوگوں کو نجی ملکیت کا حق حاصل ہوتا ہے۔ایسے نظام میں خدمات کی قیمتیں طلب و رسد کی قوتوں سے آزاد معیشتیں ہوتی ہیں۔معیشت کے اہم بنیادی مسائل، یعنی کون سی اشیا پیدا کی جائیں، کس طرح پیدا کی جائیں اور کس کے لیے پیدا کی جائیں وغیرہ سب مسائل آزادانہ نظام قیمت (Price Mechanism) کے تحت طے پاتے ہیں اس وقت یہ نظام امریکہ، برطانیہ، ایشیا اور اکثر یورپی ممالک میں کامیابی سے رائج ہے۔

سرمایہ داری نظام کی چند اہم خصوصیات درج ذیل ہیں۔

(i) اس نظام کے تحت تمام شہریوں کو وسائل پر نجی ملکیت کا حق حاصل ہوتا ہے جن کو وہ اپنی مرضی سے استعمال میں لا سکتے ہیں ہر شخص اپنی جائیداد اپنی اولاد کو ورثہ میں دے سکتا ہے۔

(ii) ہر شہری اپنی آمدنی کو استعمال کرنے اور منافع کمانے کے معاملے میں مکمل آزادی رکھتا ہے جس کے تحت وہ جو چاہے ملکی قوانین کو ملحوظِ خاطر رکھ کر پیدا کر سکتا ہے۔

(iii) تمام سرمایہ دار، تاجر اور صنعت کار منافع کے حصول کے لیے مکمل کاروباری آزادی رکھتے ہیں، جس کے تحت وہ اپنے وسائل کو

ذہنی، تعلیمی اور سرمایاتی استعمالات کے بل بوتے پر منافع کما سکتے ہیں۔

(iv) سرمایہ داری نظام میں قیمتوں کی میکانیت (Price Machanism) کو خاص اہمیت حاصل ہے جس میں اشیا و خدمات کی قیمتیں آزادانہ طور پر طلب و رسد کی قوتوں سے طے پاتی ہیں اور منڈی کی ناکاملیات پر قابو پایا جاتا ہے۔

(v) اس نظام میں ناظم (Entrepreneur) پیداواری عمل میں اہم کردار ادا کرتا ہے، جس میں وہ اپنی بھرپور صلاحیتوں کو استعمال میں لاکر منافع کی غرض سے کاروباری خطرات (Risks) سے کھیلتا ہے اور نفع و نقصان کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔

(vi) سرمایہ دارانہ نظام میں کاروباری طبقاتی کش مکش منافع کا باعث تو بنتی ہی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وسائل کے ایک بڑے حصہ پر امیر کاروباری افراد قابض ہو جاتے ہیں جو کم آمدنی والے کاروباری طبقے کا استحصال کرتے ہیں اور اس طرح دولت کا غیر مساویانہ تقسیم کا عمل تیز ہو جاتا ہے۔

(vii) صارف اس نظام کے تحت اشیا کی خریداری میں پسند و ناپسند کا پورا اختیار رکھتا ہے جس کی وجہ سے تاجر اشیا کی کوالٹی اور معیار کا صارف کی ترجیح، عادات کے مطابق خیال رکھتے ہیں اس طرح منڈی میں بہتر اشیا مہیا ہوتی ہیں۔

(ب) اشتراکی نظام (Socialism)

اشتراکی نظام کی بنیاد (Karl Marx) نے انیسوی صدی میں رکھی جس میں ملک میں موجود تمام وسائل پر حکومت کی ملکیت ہوتی ہے اور حکومت اپنے قائم کردہ مرکزی منصوبہ بندی ادارہ کے تحت اشیا و خدمات کی پیدائش ملکی مجموعی مفاد اور عوام کی فلاح و بہبود کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کرتی ہے۔ اس نظام کے تحت تمام وسائل کے انتظام و انصرام پر حکومت کو دسترس حاصل ہوتی ہے، جس کی وجہ سے آمدنی کی مساویانہ تقسیم اور ملکی وسائل سے حاصل ہونے والے ثمرات سے سب فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اس نظام کی اہم خصوصیات درج ذیل ہیں۔

(i) اس نظام کے تحت تمام پیداواری ذرائع مثلاً مشینیں، کارخانے، صنعتیں، کاروبار اور دیگر ذرائع حکومت کی ملکیت ہوتے ہیں اور حکومت ان کو استعمال کرنے میں سیاہ و سفید کی مالک ہوتی ہیں۔

(ii) اشتراکی نظام میں ہر شخص کو ترقی کے یکساں مواقع حاصل ہوتے ہیں کیونکہ حکومت ان وسائل سے حاصل ہونے والے ثمرات کو مجموعی قومی مفاد کے لیے استعمال کرتی ہیں۔

(iii) اس نظام میں آمدنی کی مساویانہ تقسیم ممکن ہوتی ہے کیونکہ حکومت وسائل کو استعمال کر کے عوام تک فلاح و بہبود کا راستہ ہموار کرتی ہیں۔

(iv) اس نظام معیشت میں انفرادی یا نجی کاروبار کو پروان نہیں چڑھایا جاسکتا کیونکہ تمام سرمایاتی وسائل حکومت کی ملکیت میں ہوتے ہیں اس لیے وسائل کو حکومت ہی بھرپور طریقے سے استعمال میں لاتی ہیں اور ثمرات کو تمام افراد تک پہنچاتی ہے۔

(v) ملکی وسائل کی تقسیم اور پیداواری معاملات کی منصوبہ بندی پر حکومت کو مکمل کنٹرول حاصل ہوتا ہے اس لیے انفرادی منصوبہ بندی ناممکن ہوتی ہے۔

(vi) ملک میں جمہوری ارتقا اور کاروباری عمل میں دھونس کی بجائے حق رائے دہی یا ووٹ کے ذریعے انقلاب لایا جاتا ہے۔

(vii) اس نظامِ حکومت میں وسائل کو جدید طریقوں پر استعمال میں لاکر بھرپور استفادہ کیا جاتا ہے اور وسائل کو ضائع ہونے سے بچایا جاتا ہے۔

13.5 سرمایہ داری، اشتراکیت اور اسلامی معاشی نظام کا موازنہ

(Comparison among Capitalism, Socialism and Islamic Economic Systems)

نظامِ سرمایہ داری (Capitalism) اور نظامِ اشتراکیت (Socialism) اپنے بنیادی فکر و فلسفہ کے اعتبار سے مادہ پرستی کی شاخیں ہیں اور دونوں ایک ہی سکہ کے دو رخ ہیں۔ اس لئے بظاہر مختلف سمتیں رکھنے اور اپنی تفصیلات میں مختلف ہونے کے باوجود ان کے ثمرات اور نتائج ایک جیسے ہیں۔ نظامِ سرمایہ داری نے ذاتی منافع کی ہوس کے ذریعے افراد کو اجتماعی مفاد سے دُور کر دیا اور معاشی آزادی کے نام پر بڑے بڑے سرمایہ داروں اور اجارہ داروں کو معاشی استحصال کی کھلی چھٹی دے دی ہے جبکہ نظامِ اشتراکیت نے اجتماعی ملکیت کے نام پر افراد سے ان کی جائیداد و کاروبار ہی نہیں چھینے بلکہ ان کی فکر اور ضمیر کو بھی چھین لیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاشرتی عدل (Social Justice) جو انسان کی بنیادی ضرورت ہے نہ تو اشتراکیت سے ہی مل پایا اور نظامِ سرمایہ داری میں تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں نظاموں کے علمبرداروں نے دنیا میں استعمار اور سامراج کا کردار ادا کیا قوموں اور عوام کی آزادی کو گروی رکھ کر ان کو دو وقت کی روٹی کے لئے محتاج بنا دیا۔

(الف) اسلامی معاشی نظام اور نظامِ سرمایہ داری (Islamic Economic System vs Capitalism)

1۔ تصورِ ملکیت (Concept of Ownership)

اسلام تمام وسائل کو خالق کائنات کی ملکیت قرار دیتا ہے اور انسانوں کو دیئے گئے حقِ ملکیت کو خدا کا عطیہ قرار دیتا ہے چونکہ زمین پر انسان کو نائب خدا بنایا گیا ہے اس لئے نائب خدا (خلیفۃ اللہ فی الارض) ہونے کی حیثیت سے انسان بہت سی حدود کے ساتھ محدود کر دیا گیا ہے۔ اس طرح انسان اپنی ملکیتی اشیا کو استعمال کرنے میں آزاد نہیں بلکہ چند حدود کا پابند قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح کچھ چیزوں کو اسلام اجتماعی ملکیت قرار دیتا ہے۔ جن سے استفادہ ہر انسان کا حق ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام میں انسان کا حقِ ملکیت مطلق ہے۔ اس پر کوئی قدغن اور پابندی نہیں۔ انسان جیسے چاہے اپنے مال کو استعمال کرے اور جیسے چاہے اس میں اضافہ اور بڑھوتری کرے۔ اسی لئے سود، دولت کا ارتکاز اور ذخیرہ اندوزی وغیرہ مختلف برائیاں نظامِ سرمایہ داری میں کاروباری خوبیاں قرار پاتی ہیں۔

2۔ سودی نظام (Interest Based System)

نظامِ سرمایہ داری میں کاروبار کی بنیاد سودی نظام پر ہے جس کے نتیجے میں دولت چند ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے۔ معاشی اجارہ داریاں وجود میں آتی ہیں جو بڑھتے بڑھتے ملٹی نیشنل کمپنیوں کی شکل میں دنیا بھر میں پھیل کر معاشی استحصال کا ذریعہ بنتی ہیں۔ اس پورے جال پھیلانے میں سود ان کی مدد کرتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام سودی لین دین کی پُرزور مذمت کرتا ہے اور اس کا لین دین کرنے والوں کے خلاف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جنگ کا اعلان کرتا ہے۔ اسلام سود کو ظلم قرار دیتا ہے۔

3۔دولت کی تقسیم (Distribution of Wealth)

سرمایہ دارانہ نظام معیشت کا سارا زور پیدائش دولت پر ہے۔اس نظام میں دولت کی تقسیم کا کوئی مربوط طریق کار نہیں ہے۔جس کی وجہ سے دولت کا ارتکاز چند افراد اور چند خاندانوں تک محدود ہو جاتا ہے۔امیر طبقہ امیر تر اور غریب طبقہ غریب تر ہوتا جاتا ہے اور یوں امیر اور غریب کے درمیان فرق بڑھتا چلا جاتا ہے اور معاشرہ طبقہ امرا اور طبقہ غربا میں تقسیم ہو جاتا ہے۔اس کے برعکس اسلام نے تقسیم دولت کے ضمن میں ایک مربوط نظام دیا ہے جس کے تحت اول تو عاملین پیدائش کے معاوضوں کی ادائیگی میں عدل واحسان کو پیش نظر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جس کے نتیجے میں دولت کے ارتکاز اور تقسیم دولت میں خرابی کے خاتمے کا آغاز ہو جاتا ہے۔اس کے باوجود اگر دولت جمع ہوتی ہے تو صدقہ اور خیرات کے رضا کارانہ شعبہ کا قیام اور زکوٰۃ کی فرضیت کے ذریعے وراثت کی تقسیم کے احکام کے ذریعے،عید الفطر پر فطرانہ کی ادائیگی کے ذریعے،وقف کے اداروں کے قیام کے ذریعے دولت کی تقسیم کی راہ ہموار کی جاتی ہے اور دولت کے جمع ہونے کے راستے بند کر دیئے جاتے ہیں۔

4۔دولت کمانے کے جائز ذرائع پر زور (Emphasis on Fair Means of Earning)

نظام سرمایہ داری دولت کمانے کے ہر ذریعے کو جائز قرار دیتا ہے۔اس کے لئے ہر اس اقدام کو ضروری قرار دیتا ہے جس سے منافع زیادہ سے زیادہ (Maximum) ہو سکے اب خواہ غلط اور گمراہ کن اشتہار بازی کے ذریعے ہو یا اشیا پر اجارہ داریوں کے ذریعے ہو۔اس کے بالمقابل اسلام رزق کمانے کی جدوجہد کو حلال ذرائع کا پابند بناتا ہے اور ہر ایسے ذریعہ معاش کو ممنوع قرار دیتا ہے جو کہ معاشرے کی اخلاقی حالت کو بگاڑنے کا سبب بنے یا عوام الناس کے استحصال کا ذریعہ بنے۔

5۔معاشی نظام کی بنیادی قدریں (Basic Values of Economic System)

اسلام کے معاشی نظام کے بنیادی اُصول تقویٰ و پرہیز گاری،مساوات،عدل،احسان،اعتدال اور حلال وحرام کا جامع تصور ہیں جبکہ نظام سرمایہ داری کا ایک ہی اصول ہے کہ اپنے مال ودولت میں کیسے اضافہ ہو اور زیادہ سے زیادہ منافع کیسے کمایا جائے۔

6۔صرفِ دولت (Consumption of Wealth)

نظام سرمایہ داری میں مال کا مالک انسان بذات خود ہے۔وہ اپنے حق پر کسی ایسی پابندی کا قائل نہیں ہے جو کہ اسے اپنے مال کے استعمال سے روک سکے۔اس کے برعکس صرف دولت کے ضمن میں اسلام حلال وحرام کی پابندی کا حکم دیتا ہے۔اسراف کی ممانعت اور اعتدال کا حکم دیتا ہے۔اس طرح بخیلی سے بچنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔

7۔اجارہ داریوں کا قیام (Establishment of Monopolies)

زیادہ سے زیادہ منافع کے لالچ میں نظام سرمایہ داری میں سرمایہ دار مل کر معاشی اجارہ داریاں قائم کرتے ہیں اور اپنی مرضی کی قیمتیں وصول کرتے ہیں۔اسلام معاشی اور ہر قسم کی اجارہ داریوں کا مخالف ہے۔کیونکہ اس کے نتیجے میں عوام اور صارفین کا استحصال ہوتا ہے۔

(ب) اسلام کا معاشی نظام اور نظام اشتراکیت (Islamic Economic System vs Socialism)

1۔ بنیادی فلسفہ حیات کا فرق (Difference in Basic Philosophy of Life)

اسلام اور اشتراکیت کے بنیادی فلسفہ زندگی میں فرق پایا جاتا ہے۔ اشتراکیت کی بنیاد زندگی کے مادی نظریہ پر ہے جس کے مطابق مادی ضروریات ہی انسان کی حقیقی ضروریات ہیں۔ اس لئے انسان کی مصروفیات کا محور ان ضروریات کا حصول ہونا چاہیے۔ اس کے برعکس اسلام انسان کو زمین پر اللہ کا نائب اور خلیفہ تصور کرتا ہے اور انسان کو ایک ضابطہ حیات کا پابند کرتا ہے تا کہ وہ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کامیابی حاصل کر سکے۔

2۔ وسائل پیدائش (Means of Production)

نظام اشتراکیت وسائل پیداوار پر حکومت اور ریاست کے مکمل اختیار اور قبضہ کا قائل ہے اور کسی قسم کے پیداواری ذرائع کی انفرادی اور نجی ملکیت کا مخالف ہے۔ اس کے برعکس اسلام بنیادی طور پر ہر انسان کو انفرادی ملکیت کا حق دیتا ہے۔ البتہ چند چیزوں کو اجتماعی ملکیت قرار دیتا ہے۔

3۔ معاشی مساوات (Economic Equality)

اشتراکی نظام نجی ملکیت کو ختم کر کے تمام وسائل کو اجتماعی ملکیت قرار دیتا ہے اور تمام وسائل کی مساوی تقسیم کا دعویدار ہے جو کہ قانون فطرت کے خلاف ہے فطری طور پر تمام انسان یکساں صلاحیتوں کے مالک نہیں ہیں اسی لئے معاشرے میں مختلف افراد میں وسائل کی تقسیم بھی برابر نہیں ہے۔ یہ طبعی اور فطری فرق و تفاوت ہی وہ وجہ ہے جس سے کائنات کا نظام چل رہا ہے اگر تمام انسان وسائل رزق میں برابر ہو جائیں تو کارخانہ حیات کا چلنا ناممکن ہو جائیگا۔

البتہ تقسیم رزق میں بہت زیادہ فرق ہو، اسلام اس بات کو ناپسند کرتا ہے اور اس خلیج کو کم سے کم کرنے کا قائل ہے اور تمام انسانوں کو حصول رزق کے یکساں اور مساوی مواقع فراہم کرنے کا داعی ہے۔

4۔ معاشی اُصول (Economic Principle)

نظام اشتراکیت کے اصول جامد اور غیر لچکدار ہیں، ان اُصولوں سے انحراف کو نظام اشتراکیت سے غداری تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام کے اصول اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں۔ وقت اور زمانے کی تبدیلیوں کے لئے حالات کے مطابق قرآن وسنت کے اُصولوں کی پابندی کرتے ہوئے اجتہاد کا راستہ کھلا چھوڑا گیا ہے۔

5۔ اجتماعی فلاح و بہبود (Collective Welfare)

نظامِ اشتراکیت اجتماعی مفاد کے لئے ملکی وسائل کے خرچ کا دعویدار ہے تا کہ عام لوگوں کے حالات زندگی کو بہتر بنایا جا سکے۔ اسلام اس ضمن میں بنیادی ذمہ داری ہر فرد پر ڈالتا ہے کہ ہر فرد اپنی استطاعت کے مطابق ضروریات زندگی کو حاصل کرنے کی جدوجہد کرے اور ناکامی کی صورت میں معاشرہ اس ذمہ داری کو قبول کرے اور جب معاشرہ بھی اپنی اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی کوئی صورت نہ نکال سکے تو

ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ہر فرد کے لئے رزق وروزی کا بندوبست کرے اور ہر فرد کو ضروریات زندگی کی فراہمی کو یقینی بنائے۔

6۔ جذبہ کار کا فقدان (Lack of Motivation)

نظام اشتراکیت میں نجی ملکیت کے خاتمے سے افراد میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا جذبہ بھی ختم ہو جاتا ہے اور ہر فرد کام کرتا ہے۔ صارفین کو اپنی پسند اور ذوق کے مطابق اشیا نہیں ملتیں۔ اس کے برعکس اسلام نجی ملکیت کا قائل ہے اور انسان کو فکر و عمل اور ذریعہ معاش کی آزادی دیتا ہے تاہم اس آزادی پر حلال وحرام کی کچھ قیود عائد کرتا ہے۔ ذاتی منافع اور اس کے اپنی ذات پر اور دوسرے افراد معاشرہ پر مال خرچ کرنے پر اللہ کی خوشنودی کا وعدہ انسان کے اندر کام کرنے کے جذبے کو فروغ دیتا ہے۔

7۔ سرمایہ داری کا خاتمہ (End of Capitalism)

نظام اشتراکیت سرمایہ داری کو بزور بازو اور تصادم کے ذریعے ختم کرنا چاہتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام دولت کمانے کے ناجائز ذرائع پر پابندی، زکوٰۃ وعشر اور تقسیم وراثت کے قانون کے نفاذ اور سود کی مذمت کے ذریعے سرمایہ داری کا قلع قمع کرتا ہے۔

اسلام اور دیگر معاشی نظاموں کے تقابل سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دیگر تمام نظام انسان کے بنائے ہوئے اور خامیوں سے پُر ہیں۔ جبکہ اسلام کا معاشی نظام بشری کمزوریوں سے پاک اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکامات کی روشنی میں مرتب کردہ ہے اور یہی ہمارے تمام معاشی ومعاشرتی مسائل کا حل ہے۔

مشقی سوالات

سوال 1: نیچے دیئے گئے ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

-1 اسلام قائل ہے۔

(الف) اجتماعی ملکیت کا　　(ب) انفرادی ملکیت کا

(ج) حکومتی ملکیت کا　　(د) چند افراد کے پاس دولت کے ارتکاز کا

-2 صرف دولت جائز ہے۔

(الف) فضول خرچی کے ساتھ　　(ب) بخل کے ساتھ

(ج) اعتدال کے ساتھ　　(د) نمائشی انداز میں

-3 اسلام منع کرتا ہے۔

(الف) دولت جمع کرنے سے　　(ب) دولت تقسیم کرنے سے

(ج) صرف دولت سے　　(د) پیدائش دولت سے

-4 اسلام مخالف ہے۔

(الف) اجارہ داریوں کا　　(ب) مکمل مقابلہ کا

(ج) کاروبار کرنے کا　　(د) زراعت کا

5- احسان سے مراد ہے۔

(الف) ہر کسی کو اس کا حق دینا (ب) حق سے کم دینا

(ج) ظلم کرنا (د) کسی کو اس کے حق سے زیادہ دینا

6- نمائشی اخراجات سے۔

(الف) لوگ خوشحال ہوتے ہیں (ب) معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے

(ج) خوشحالی کی علامت ہے (د) معاشرہ ترقی کرتا ہے

7- سود پر مبنی نظام ہے۔

(الف) اشتراکیت (ب) سرمایہ داری

(ج) اسلام (د) سب

8- غیر سودی بنکاری کا متبادل ہے۔

(الف) شراکت و مضاربت (ب) ٹیکس

(ج) معاوضہ پر خدمات (د) الف، ب اور ج

9- پاکستان میں بلا سود بنکاری پر کام کا آغاز ہوا۔

(الف) 1979ء (ب) 1975ء

(ج) 1988ء (د) 1990ء

10- پاکستان میں نفع و نقصان میں شراکت کے کھاتوں کا آغاز ہوا:

(الف) 1978 (ب) 1980

(ج) 1982 (د) 1985

سوال 2: درج ذیل جملوں میں دی گئی خالی جگہ پُر کریں۔

1- انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کا ____________ ہے۔

2- صرفِ دولت کے ضمن میں اسلام ____________ پر زور دیتا ہے۔

3- کسی شخص کو اس کا حق دینا ____________ کہلاتا ہے۔

4- نظام سرمایہ داری ____________ پر مبنی نظام ہے۔

5- پہلا بین الاقوامی اسلامی بنک ________ میں قائم ہوا۔

6- دبئی اسلامک بنک کا قیام ______ میں عمل میں آیا۔

سوال 3: کالم (الف) اور کالم (ب) میں دیے گئے جملوں میں مطابقت پیدا کر کے دُرست جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
اسلامی ریاست	سود	
اسلامی بنکاری	عدل واحسان	
PLS اکاؤنٹ	اجتماعی ملکیت	
NIT یونٹ	سرمایہ کاری میں رکاوٹ	
نظام سرمایہ داری	شراکت ومضاربت	
اخلاقی اقدار	1981	
	فلاحی ریاست	
	1979	

سوال 4: درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے۔

-1 اسلام میں ملکیت کا کیا تصور ہے؟

-2 اعتدال سے کیا مراد ہے؟

-3 ارتکازِ دولت کے کیا نقصانات ہیں؟

-4 اسلامی ریاست کا کیا معاشی کردار ہوتا ہے؟

-5 معاشی عدل کی تعریف کریں۔

-6 احسان کا کیا معاشی اطلاق ہے؟

سوال 5: درج ذیل سوالات کے جوابات تفصیل سے تحریر کریں۔

-1 اسلامی معاشی نظام کے اہم خدوخال بیان کیجئے۔

-2 اسلامی معاشی نظام کی اہم اخلاقی اقدار کے معاشی اطلاق پر بحث کیجئے۔

-3 غیر سودی بنیادوں پر بنک کیسے قائم کیا جاسکتا ہے؟

-4 اسلام میں معاشی عدل سے کیا مراد ہے؟ اور عملی زندگی میں اس کا کیا اطلاق ہے؟

-5 درج ذیل پر نوٹ لکھئے۔

(الف) اعتدال (ب) قناعت اور کفایت شعاری (ج) اسلام میں ارتکازِ دولت کا خاتمہ

معروضی سوالات کے جوابات

باب 1

قومی آمدنی

سوال 1

1	ج	2	ج	3	ب	4	د
5	ج	6	ب	7	د	8	د

سوال 2

1	قومی آمدنی	2	قومی آمدنی	3	فرسودگی	4	انتقالی ادائیگیاں
5	براہِ راست ٹیکس	6	فرسودگی الاؤنس	7	قابلِ تصرف		

سوال 3

1- قومی آمدنی - اشیاوخدمات کی زری مالیت

2- حقیقی آمدنی = $\frac{\text{زری آمدنی}}{\text{قیمتوں کا معیار}}$ 100X

3- زکوٰۃ، انعام، گفٹ وغیرہ - انتقالی ادائیگیاں

4- قومی آمدنی کا دائروی بہاؤ - عاملین پیدائش اور ادارے

5- بالواسطہ ٹیکس - سیلز، ایکسائز ڈیوٹی وغیرہ

6- براہِ راست ٹیکس - انکم اور پراپرٹی ٹیکس

7- عاملین پیدائش کے معاوضے - قومی آمدنی

8- اعانتیں - حکومت کی مالی مدد

9- ڈبری گنتی سے بچاؤ - شے کی حتمی شکل

10- قومی آمدنی کا توازن - بچت = سرمایہ کاری

سوال 4

(i) خام ملکی پیداوار۔ 350 بلین روپے

(ii) خام قومی پیداوار۔ 400 بلین روپے

(iii) خالص قومی پیداوار۔ 390 بلین روپے

(iv) قومی آمدنی بلحاظ مصارف پیدائش۔ 350 بلین روپے

باب 2

زر

سوال 1

1	د	2	ج	3	ج	4	د	5	ب

سوال 2

1	براہِ راست تبادلہ	2	قانونی	3	حامل چیک	4	کمی ہو
5	معکوس	6	سفری	7	درشنی ہنڈی	8	حکومت
9	کفالتیں	10	اعتباری زر				

سوال3

1- تخمینی محرک کا انحصار-شرح سود
2- مساوات تبادلہ- $P = \frac{mv + m'v'}{T}$
3- تمسکات-اعتباری زر
4- دھاتی سکے-قانونی زر
5- زر کی رسد کا انحصار-بچتوں پر

باب3

بنک

سوال1

1	ج	2	ب	3	ج	4	الف	5	ج

سوال2

1	بٹہ	2	نئی امانت	3	زر اعتبار کی تخلیق	4	33%	5	لاکرز

سوال3

1- ہنڈیوں پر دوبارہ بٹہ لگانا-مرکزی بنک
2- شرح بنک میں اضافہ-افراطِ زر
3- تفریطِ زر-زر کی رسد میں کمی
4- کفالتوں کی خرید و فروخت-کھلے بازار کا عمل
5- قرضے کے لیے ضروری-ضمانتیں، اثاثے

باب4

سرکاری مالیات

سوال1

1	ج	2	د	3	ب	4	ج	5	الف

سوال2

1	بالواسطہ	2	فاضل بجٹ	3	صارفین	4	بالواسطہ ٹیکس	5	براہِ راست ٹیکس

سوال3

1- براہِ راست ٹیکس-انکم ٹیکس
2- فاضل بجٹ-اخراجات سے آمدنی زیادہ
3- مخفی آمدنی-نجی مالیات
4- خسارے کی پالیسی-نوٹ چھاپنا
5- اصولِ تیقن-آدم سمتھ

باب 5

بین الاقوامی تجارت

سوال 1

1 ب	2 الف	3 ب	4 ب	5 د

سوال 2

1 بین الاقوامی تجارت	2 آزادانہ	3 ریکارڈو	4 مرئی	5 خسارے

سوال 3

-1 غیر مرئی اشیا-خدمات

-2 بین الاقوامی تجارت-مختلف ممالک کے درمیان تجارت

-3 علاقائی تجارت-ملکی تجارت

-4 تخصیص کار-مصارف پیدائش میں کمی

-5 ملکی صنعتوں کا تحفظ-تامین کی پالیسی

باب 6

پاکستان کی معیشت کا تعارف

سوال 1

1 الف	2 ب	3 ب	4 ج
5 ب	6 ب	7 ب	8 ج
9 ب	10 ب		

سوال 2

1 ٹیکسٹائل	2 تین	3 ISE,LSE,KSE	4 1992ء
5 25	6 3.5%	7 ربیع،خریف	8 کپاس،گندم،چاول،گنا

سوال 3

-1 زراعت-20.9%

-2 صنعت-20.30%

-3 پاکستان کی سب سے بڑی صنعت-ٹیکسٹائل

-4 سٹاک ایکسچینج-کراچی،لاہور،اسلام آباد

-5 چھوٹے اور درمیانے درجے کی صنعتیں-SMEs

-6 پاکستان کی درآمدات-خوردنی تیل،ادویات وغیرہ

-7 شرح خواندگی-58%

-8 شعبہ صحت میں خرچ-0.6%

باب 7

پاکستان کی قومی آمدنی

سوال 1

1	د	2	ج	3	ج	4	د	5	ب	6	د

سوال 2

1	زراعت	2	کل آبادی	3	صنعت	4	ٹیکس سروے	5	جنرل سیلز

سوال 3

-1 خام قومی پیداوار میں حصہ کم ہو رہا ہے-زراعت

-2 پاکستان کی فی کس آمدنی 2014-15ء میں 1,512 امریکی ڈالر

-3 کسی ملک میں ایک شخص کے حصہ میں آنے والی اوسط آمدنی-فی کس آمدنی

-4 قومی آمدنی کی پیمائش میں مشکلات-غیر ذمہ دار عملہ

-5 قومی آمدنی میں شامل نہیں ہوتیں-بلا معاوضہ خدمات

-6 ٹیکس-بالواسطہ/ بلاواسطہ

باب 8

معاشی ترقی و منصوبہ بندی

سوال 1

1	د	2	الف	3	ب	4	ب	5	ب
6	ج	7	ب	8	الف	9	ب	10	ب

سوال 2

1	45%	2	1948ء	3	1972ء	4	1948ء	5	1952ء

سوال 3

-1 پاکستان کی قومی آمدنی میں زراعت کا حصہ-20.9%

-2 پاکستان کی قومی آمدنی میں صنعت کا حصہ-20.30%

-3 پاکستان کی فی کس آمدنی-1,512 امریکی ڈالر

-4 پہلے پنجسالہ منصوبہ کا آغاز-1955ء

-5 صنعتوں کو قومی تحویل میں لینے کا آغاز-1972ء

-6 ترقی پذیر معیشت-کم فی کس آمدنی

-7 معاشی منصوبہ بندی کا آغاز-1948ء

-8 معاشی منصوبہ بندی کا ایک مقصد-مکمل روزگار کی سطح

-9 معاشی ترقی میں رکاوٹ-معاشی وسیاسی عوامل

باب 9

مواصلات، آمدورفت اور انسانی ذرائع کی ترقی

سوال1

1 ب 2 ب 3 الف 4 الف 5 د 6 الف

سوال2

1 92 2 259,463 3 لاہور، اسلام آباد 4 191.71 ملین

5 پیشہ وارانہ 6 ایکسپورٹ بورڈ 7 ATM

سوال3

-1 پاکستان میں بے روزگاری کی شرح-6%

-2 پاکستان کی آبادی میں شرح اضافہ - 1.92%

3 پاکستان کی کل آبادی میں افرادی قوت-33%

-4 پاکستان کی جتنی وزارتوں کو آن لائن کیا گیا-34

-5 انٹرنیٹ-E-mail

-6 موٹروے-لاہور، اسلام آباد

-7 بنکوں سے رقوم-ATM

باب 10

پاکستان کا بنکاری نظام

سوال1

1 ج 2 د 3 د 4 ب 5 ج

سوال2

1 8نومبر1949 2 قلیل المیعاد اور طویل المیعاد 3 زرعی ترقی کی مالیاتی کارپوریشن، پاکستان زرعی بنک

4 ای کامرس 5 23

سوال3

-1 افراط زر-قیمتوں میں اضافہ

-2 زرعی بنک کے قلیل مدت قرضے کی میعاد-6ماہ سے ڈیڑھ سال

-3 خصوصی مالیاتی بنک-صنعتی ترقیاتی بنک

-4 کھلے بازار کا عمل-زری پالیسی کا اُصول

-5 بنکوں کا بنک-مرکزی بنک

باب 11

حکومت پاکستان کے مالیات

سوال1

1 د 2 الف 3 د 4 الف 5 ب

سوال 2

1	مرکزی بورڈ آف ریونیو	2	1963ء	3	60.3	4	پاکیزگی	5	صوبائی حکومتیں

سوال 3

-1 تحفہ ٹیکس-براہ راست ٹیکس

-2 ملکی اشیا پر ٹیکس-مرکزی حکومت کی وصولی

-3 اعانے-حکومتی رعایات

-4 ہوٹلوں کے کھانے پر ٹیکس-صوبائی حکومت کی وصولی

-5 انفاق فی سبیل اللہ-رضا کارانہ قربانی

باب 12

پاکستان کی تجارت خارجہ

سوال 1

1	ج	2	د	3	الف	4	ب
5	د	6	د	7	الف	8	الف
9	ج						

سوال 2

1	ٹیکسٹائل اور ٹیکسٹائل کی مصنوعات	2	ناموافق	3	لچکدار	4	ECO
5	1982ء	6	ٹریڈ مارک	7	بین الاقوامی		

سوال 3

-1 پاکستان کی برآمدات-ٹیکسٹائل اور ٹیکسٹائل کی مصنوعات

-2 توازنِ ادائیگی میں خسارہ کی صورت میں قرض-آئی۔ایم۔ایف

-3 پاکستان، ایران اور ترکی۔RCD

-4 پاکستان کی درآمدات میں شامل ہیں-مشینری، پٹرولیم، کیمیکلز

-5 SAARC-جنوبی ایشیا

-6 ایک کرنسی کی دوسری کرنسی میں قیمت-شرح تبادلہ

-7 توازنِ ادائیگی-مرئی اور غیر مرئی اشیا کا حساب

-8 توازنِ تجارت-مرئی اشیا کا حساب

-9 WTO-تجارتی معاہدہ

باب 13

اسلام کا معاشی نظام

سوال1

1 ب	2 ج	3 الف	4 الف
5 د	6 ب	7 ب	8 الف
9 الف	10 ج		

سوال2

1 نائب/خلیفہ 2 اعتدال 3 عدل 4 سود 5 1975 6 1975

سوال3

-1 اسلامی ریاست-فلاحی ریاست

-2 اسلامی بنکاری-شراکت ومضاربت

-3 PLS اکاؤنٹ-1981ء

-4 NIT یونٹ-1979ء

-5 نظام سرمایہ داری۔سود

-6 اخلاقی اقدار۔عدل واحسان

فرہنگ(Glossary)

بچت: قومی آمدنی کا وہ حصہ جو خرچ نہ ہو۔

اوسط میلان صرف(APC): آمدنی اور صرف کی باہمی نسبت $APC = \frac{C}{Y}$

اوسط میلانِ بچت(APS): آمدنی اور بچت کی باہمی نسبت $APS = \frac{S}{Y}$

مختتم میلانِ صرف(MPC): آمدنی اور صرف میں تبدیلی کی باہمی نسبت $MPC = \frac{\Delta C}{\Delta Y}$

مختتم میلان بچت(MPS): آمدنی میں تبدیلی اور بچت میں تبدیلی کی باہمی نسبت $MPS = \frac{\Delta S}{\Delta Y}$

فی کس آمدنی: کسی ملک کی آمدنی کو کل آبادی سے تقسیم کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

معاشی ترقی: حقیقی آمدنی میں اضافہ اور بہتر معیار زندگی۔

منصوبہ بندی: کسی ملک کے ذرائع کو بھرپور انداز میں استعمال میں لا کر مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لئے پروگرام اور پالیسیاں بنانا: پالیسوں کا مجموعہ

غیر ترقی یافتہ ممالک: جن کی آبادی اور قدرتی وسائل کے مقابلہ میں سرمایہ کی کمی ہو۔

متوازن ترقی: معیشت کے مختلف شعبوں اور علاقوں کی بیک وقت ترقی۔

براہ راست تبادلہ: ایسا عمل ہے جس میں ایک شے کا دوسری شے کے عوض براہ راست تبادلہ کیا جاتا ہے اور زر کو بطور آلہ مبادلہ استعمال نہیں کیا جاتا۔

اجناسی زر: مختلف اشیا مثلاً تیر، کھالیں، مویشی، غلام، سیپ، تمباکو، لوہا، چاندی، سونا وغیرہ کا بطور آلہ مبادلہ استعمال کرنا اجناسی زر کہلاتا ہے۔

دھاتی زر: مختلف دھاتیں مثلاً لوہے، چاندی اور سونے کی مدد سے تیار کی جانے والی کرنسی ہوتی ہے۔

معیاری زر: ایسا زر جس کی ظاہری قدر اور حقیقی قدر آپس میں برابر ہوتی ہے، یعنی جتنی مالیت کا سکہ اتنی ہی قدر سونے، چاندی کی صورت میں موجود ہونا۔

علامتی زر: ایسا زر جس کی ظاہری اور حقیقی قدر آپس میں برابر نہیں ہوتی جیسے ہزار روپے کے نوٹ کی ظاہری مالیت حقیقی مالیت سے کہیں زیادہ ہے۔

بدل پذیر کاغذی زر: ایسا زر جسے مطالبے پر سونے، چاندی یا منظور شدہ زر مبادلہ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

غیر بدل پذیر کاغذی زر: ایسا زر جسے مطالبے پر سونے، چاندی یا منظور شدہ زر مبادلہ میں تبدیل کرنے کی ذمہ داری قبول نہیں کی جاتی۔

قریبی زر: ایسا زر جو کرنسی کی طرح تو نہ ہو لیکن ضرورت پڑنے پر زر نقد میں تبدیل ہو سکے مثلاً حکومت کے بانڈز وغیرہ۔

حامل چیک: ایسا چیک جس کے عوض کوئی بھی شخص رقم نکلوا سکتا ہے۔

حکمی چیک: ایسے چیک کو صرف وہی شخص کیش کروا سکتا ہے جس کے نام یہ چیک لکھا گیا ہوتا ہے۔

نشان زدہ چیک: اس قسم کے چیک کی صورت میں رقم ایک اکاؤنٹ سے دوسرے اکاؤنٹ میں منتقل ہو جاتی ہے۔

ہنڈی: ایسا حکم ہے جو فروخت کار خریدنے والے کے نام لکھ کر اس سے دستخط کروا کر اپنے پاس رقم کی واپسی تک رکھ لیتا ہے۔

قانونی زر: زر کی وہ قسم جسے حکومتی قانون کی رو سے اشیا و خدمات کے لین دین میں قبول کرنا پڑتا ہے مثلاً پاکستان کے تمام سکے اور کاغذی نوٹ

درشنی ہنڈی: اس ہنڈی کی رقم خریدار کو پیش کرنے پر ادا ہو جاتی ہے۔

مدتی ہُنڈی: اس دستاویز کے عوض رقم ایک خاص مدت کے بعد واجب الادا ہوتی ہے۔

بدیشی یا غیر ملکی ہُنڈی: دو ممالک کے تاجروں کے درمیان لین دین کے معاملے میں جو دستاویز استعمال ہوتی ہے وہ بدیشی ہنڈی کہلاتی ہے۔

کفالتیں: حکومت کے وہ تحریری وعدے ہوتے ہیں جو وہ قرضہ لیتے وقت لوگوں کو رسیدوں کی صورت میں دیتی ہے۔

افراطِ زر: زر کی رسد میں اضافہ جو اشیا کی قیمتوں میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

تفریطِ زر: زر کی رسد میں کمی جو قوت خرید کو پست کرتی ہے۔

اعتباری زر: بنکوں کے جاری کردہ چیک، ڈرافٹ وغیرہ اعتباری زر کہلاتے ہیں، کیونکہ لوگوں کو ان کے بدلے میں زر نقد مل جاتا ہے۔

تجارتی بنک: وہ مالیاتی ادارے ہوتے ہیں جو لوگوں کی امانتوں کو با حفاظت اپنے پاس رکھتے ہیں اور ضرورت مندوں کو قرضے فراہم کرتے ہیں۔

فہرستی بنک: ایسے تجارتی بنک جو مرکزی بنک کے قوائد وضوابط کے مطابق بنکاری فرائض سر انجام دیتے ہیں اور اپنے کل سرمائے کا کچھ حصہ بطور زر محفوظ مرکزی بنک میں رکھواتے ہیں۔

غیر فہرستی بنک: یہ بنک مرکزی بنک کے پاس زر محفوظ نہیں رکھواتے، اس لئے ان بنکوں کے لین دین کی ذمہ داری مرکزی بنک قبول نہیں کرتا۔

زر نقد: لوگوں کی امانتوں کا وہ حصہ جسے بوقت ضرورت فوری طور پر نقد زر کی صورت میں حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اعتباری زر کی تخلیق: لوگوں کی امانتوں کے بل بوتے پر لوگوں کو قرضے جاری کر کے اعتباری زر کی گردش میں کئی گنا اضافہ کرنا۔

$$\text{اعتباری زر کی تخلیق کا فارمولہ} = \frac{\text{ابتدائی امانتیں}}{\text{زر نقد کا تناسب}}$$

متناسب محفوظ سرمائے کا نظام: سونے، چاندی یا منظور شدہ زر مبادلہ کا ایک خاص تناسبی حصہ جو مرکزی بنک نوٹ جاری کرتے وقت اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے۔

معینہ حد کا نظام: اس صورت میں مرکزی بنک نوٹ جاری کرتے وقت ایک خاص حد کے بعد جاری کردہ نوٹوں کی کل مالیت کے برابر 100 فیصد سونا، چاندی یا منظور شدہ زر مبادلہ رکھنا پڑتا ہے۔

کھلے بازار کا عمل: وہ کاروباری عمل جس میں کھلے بازار میں حکومتی بانڈز اور کفالتوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔

بنکوں کے قومیانے کی پالیسی: ملکی بنکوں کا نجی تحویل سے نکل کر قومی تحویل میں آ جانا۔

زری پالیسی: مرکزی بنک کی وہ پالیسی جس کے تحت زر کی رسد پر کنٹرول حاصل کر کے افراط زر اور تفریط زر کی صورت حال پر قابو پایا جاتا ہے۔

بین الاقوامی تجارت: جب اشیا کی خرید و فروخت دو یا مختلف ممالک کے درمیان عمل میں لائی جاتی ہے بین الاقوامی تجارت کہلاتی ہے۔

تامین کی پالیسی: ملکی صنعتوں کو تحفظ دینے کی خاطر غیر ملکی اشیا پر بھاری محصولات یا کوٹہ مقرر کرنا تامین کی پالیسی کہلاتا ہے۔

آزاد تجارت: مختلف ممالک کے درمیان بغیر محصولات، کوٹے اور کسی پابندی کے تجارتی عمل کو آزاد تجارت کہتے ہیں۔

سرکاری مالیات: حکومت کی آمدنی اور اخراجات کے انتظام و انصرام کو سرکاری مالیات کہتے ہیں۔

نجی مالیات: ایک شخص کی آمدنی اور اخراجات کے انتظام و انصرام کو نجی مالیات کہتے ہیں۔

بجٹ: حکومت کے ذرائع آمدنی اور اخراجات کے تخمینے کو بجٹ کہتے ہیں۔

خسارے کا بجٹ: جب حکومت کے اخراجات ذرائع آمدنی سے تجاوز کر جاتے ہیں۔

فاضل بجٹ: جب حکومت کی آمدنی، اخراجات کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔

براہ راست ٹیکس: ایسا ٹیکس جس کا بوجھ کسی دوسرے شخص پر منتقل نہیں کیا جا سکتا مثلاً انکم ٹیکس اور پراپرٹی ٹیکس۔

بالواسطہ ٹیکس: اس ٹیکس کا بوجھ دوسرے لوگوں پر منتقل کیا جا سکتا ہے مثلاً سیلز ٹیکس، ایکسائز ڈیوٹی وغیرہ۔

متناسب ٹیکس: ایسا ٹیکس جس کی شرح ہر آمدنی کی سطح پر یکساں رہتی ہے۔

متزائد ٹیکس: اس ٹیکس کی شرح آمدنی کے ساتھ براہ راست کم یا زیادہ ہوتی ہے۔

تنزیلی ٹیکس: اس ٹیکس کی شرح آمدنی کے بڑھنے سے کم ہو جاتی ہے۔

زائد قدری ٹیکس (VAT): یہ ٹیکس پیداوار کے مختلف مراحل پر عائد کیا جاتا ہے۔ شے کی قدر بڑھنے سے ٹیکس بھی بڑھتا جاتا ہے۔

توازن تجارت (BOT): کسی ملک کی اشیائے درآمد اور اشیائے برآمد کا حساب۔

مرئی مدات (Visible Items): وہ اشیا جن کا درآمد یا برآمد کرتے وقت بندرگاہ یا ائرپورٹ پر کوئی حساب رکھا جاتا ہے۔

غیر مرئی مدات (Invisible Items): ایسی اشیا جن کا بندرگاہ یا ائرپورٹ پر کوئی حساب نہیں رکھا جاتا۔

معاشی تعاون کی تنظیم (ECO): ایران، ترکی، پاکستان، افغانستان اور وسط ایشیا کی چھ مسلم ریاستوں کے درمیان معاشی تعاون کا معاہدہ۔

سارک (SAARC): جنوبی ایشیا کے سات ممالک: پاکستان، بنگلہ دیش، بھارت، بھوٹان، نیپال، مالدیپ اور سری لنکا کے درمیان علاقائی تعاون کا معاہدہ۔

ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (WTO): بین الاقوامی سطح پر آزاد تجارت کے فروغ کے لیے دنیا کے ایک سو پچاس سے زائد ممالک کے درمیان طے پائے جانے والے معاہدے کے نتیجے میں قائم ہونے والی تنظیم۔

شرح مبادلہ (Exchange Rate): وہ شرح جس پر کسی ایک ملک کے زر کا تبادلہ دوسرے ملک کے زر سے کیا جاتا ہے یا کسی ملک کی کرنسی کی دوسرے ملک کی کرنسی میں قیمت۔

معینہ شرح مبادلہ (Fixed Exchange Rate): کسی ملک کی زری ایجنسی کا شرح مبادلہ مقرر کرنا۔

لچکدار شرح مبادلہ (Flexible Exchange Rate): طلب و رسد کی قوتوں کے ذریعے کسی ملک کی شرح مبادلہ کا متعین ہونا۔

احسان: کسی کو اس کے حق سے زیادہ دینا۔

ارتکاز دولت: دولت یا وسائل زندگی کا چند ہاتھوں میں جمع ہو جانا۔

اسراف: اشیائے ضرورت پر ضرورت سے زائد خرچ کرنا۔

(REFERENCES) حوالہ جات

An Introduction to Positive Economics	Richard G. Lipse
Economics	Paul A. Samuelson, Mac-Graw Hill Company
Essentials of Economics	Solman. John
Fundamentals of Mathematical Economics	Chiang,A.C.
Islamic Economics	Prof. Abdul Hammeed Dar, Prof. Mian Muhammad Akram
Introduction to Economics	David, B & Stanley, F.
Intermediate Micro-economics	James P. Quick
Intermediate Micro-economics	Miller. R.
Issues of Pakistan Economy	S.Akbar Zaidi, Oxford University Press, 2nd Edition 2000
Macro-economic Theory	Eugene A. Dialio, Mac - Graw Hill. Company
Modern Economic Theory	K.K. Dewitt, Foreign Publishing Co.LHR
Micro-economic Theory	Ferguson & Gold
Modern Micro Economics	Koutsoyiannis
Micro Economics Theory	Bilas
Price Theory	Rayan and Pearce
Reading in Micro Economics	Houchman & Briet
Economics Survey of Pakistan 2012-13	Finance Div. Eco. Advisors Wing, Islamabad
Economics Survey of Pakistan 2011-12	Finance Div. Eco. Advisors Wing, Islamabad
Economics Survey of Pakistan 2007-08	Govt. of Pakistan
Economics Survey of Pakistan 2008-09	Govt. of Pakistan
Economics of Pakistan	M.Saeed Nasir & S. Kamal Hyder.
Economic Survey of Pakistan 2014-15	**Finance Division Economics Advisor Wing, Islamabad**

توڑ ڈالیں کرپشن کی زنجیر

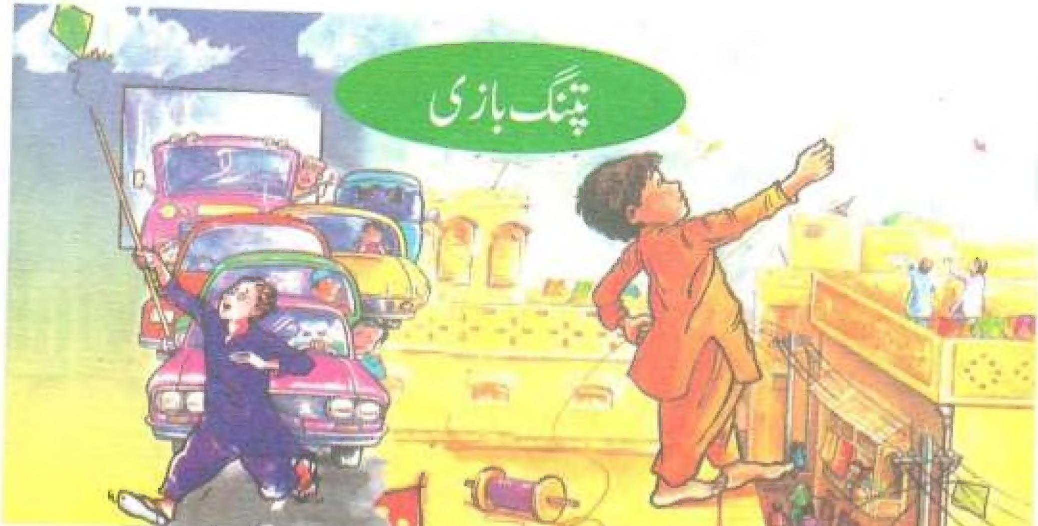

پتنگ قیمتی ہے یا آپ کی جان ؟

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ منظور شدہ نصاب کے مطابق معیاری اور سستی کُتب مُہیا کرتا ہے۔ اگر ان کُتب میں کوئی تصور وضاحت طلب ہو، متن اور اِملاء وغیرہ میں کوئی غلطی ہو تو گزارش ہے کہ اپنی آراء سے آگاہ فرمائیں۔ ادارہ آپ کا شکر گزار ہو گا۔

مینجنگ ڈائریکٹر
پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ
21-ای-II، گلبرگ-III، لاہور۔

فیکس نمبر: 042-99230679
ای میل: chairman@ptb.gop.pk
ویب سائٹ: www.ptb.gop.pk

Printed by: UBC Convertec (Pvt) Ltd. www.ubcconvertec.com

Designed by: ART CELL PCTB

امانت
دیانت
صداقت
شرافت

پنجاب
کریکولم اینڈ
ٹیکسٹ بک بورڈ
لاہور

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور